بھٹو، ضیاء اور عوام

سردار شوکت علی

بھٹو، ضیا اور عوام

سردار شوکت علی

فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لاہور

...اور مت پردہ پوشی کرو سچ کی جھوٹ سے، نہ چھپاؤ سچائی کو، جب تم جانتے ہو...

(القرآن)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اس کتاب کا کوئی حصہ یا پیراگراف ناشر یا مصنف کی اجازت کے بغیر نقل یا ٹیپ کرنے کی اجازت نہیں۔
ماسوائے تبصرہ یا حوالے کے۔ جس کے ساتھ ناشر یا کتاب کا نام اور صفحہ نمبر تحریر کرنا ضروری ہے۔

اشاعت اول : 1993

قیمت : =/200 روپے

سرورق : اے آر ناگوری کی پینٹنگ

ناشر : رحمت شاہ آفریدی
فرنٹیر پوسٹ پبلیکیشنز
10- شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور
فون: 6361382-85، 6360551

پرنٹر : میدان پرنٹرز
10- شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور

فہرست مضامین

ناشریہ
پیش لفظ

پہلا حصہ ___ پاکستان کا مستقبل اور سیاسی صورت حال

جنرل ضیاء الحق کے خیالات عالیہ	13
سپریم کورٹ کے دو اہم فیصلوں کے اقتباسات	15
1973 کے آئین کا آرٹیکل چھ	19
معاشی مسائل	20
بیرونی قرضے' معاشی محتاجی' گماشتہ خارجہ پالیسی	36
پاکستان کے سیاسی اور آئینی مسائل	55
سیاسی صورت حال	97
منصورہ پلان	133
بایاں بازو ___ تنظیم' سیاست' لائحہ عمل	160
پاکستان مزدور کسان پارٹی	189
وکلاء میں بائیں بازو کی جدوجہد	212
سفید پوش ملازمین اور دوسرے طبقات کی جدوجہد	228
طلباء کی جدوجہد	235
خواتین کی جدوجہد	238
جون 1983 ___ میزان: مستقبل کی پرچھائیاں	240
مارشل لاء حکومت کی حکمت عملی	248
(i) مارشل لاء اور جماعت اسلامی	249
(ii) پاکستان نیشنل پارٹی کا کردار	251
(iii) دوسری سیاسی جماعتیں	253
(iv) ایم آر ڈی	255
(v) نیا سیاسی ڈھانچہ	256
(vi) تحریک کا اعلان	257
(vii) جولائی 1983	260

دوسرا حصہ ___ اجتماعی خودکشی

پاکستان کے مسائل	265
پاکستانی معیشت کی زبوں حالی	281
ایوبی دور کی ترقی	289
پاکستانی ثقافت اور تمدن کا انحطاط	291
جماعت اسلامی ___ پاکستان' ملوکیت' خمینی اور سامراج	294
پرانے وعدے' نئے خطرات	296

تیسرا حصہ ___ ایک المیہ' ایک سبق

ایک المیہ' ایک سبق	303
جماعت اسلامی کا کردار	305
اسلامی نظام کا بول بالا	306
بھٹو کی متنازعہ شخصیت	306
بھٹو کے عہد کی اصلاحات	310
اصلاحات پر ایک تنقیدی نظر	314
بھٹو کی مقبولیت کی وجوہات	316
بھٹو کے زوال کے اسباب	321
جاگیرداری' پیداواری تعلقات	324
جمہوریت ہماری سیاست ہے	326
بائیں بازو کی طرف رویہ	328
پیپلز پارٹی کی تنظیمی صورت حال	330
سیاسی اور تنظیمی دیوالیہ پن	335
مستقبل کا راستہ	338
معاشی میدان میں حکومت کی کارکردگی	340
قومی اتحاد کا انجام	342
پیپلز پارٹی	343

ناشریہ

فرنٹیر پوسٹ پبلیکیشنز نے اپنے سفر کے شروع میں ہی پاکستان کی سیاسی زندگی کے مختلف ادوار اور مختلف عنوانات کے پوشیدہ گوشوں کو سامنے لانے کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اس میں ہمیں کتنی کامیابی ہوئی' اس کا فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے البتہ ہم اپنی عاجزانہ کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہر پہلو سے سیاسی انکشافات کے عمل کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب ممتاز سیاسی دانشور جناب سردار شوکت علی کی ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۸۳-۱۹۷۷ء کے دوران سپرد قلم کیں اور انہیں سائیکلو اسٹائل کے ذریعے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ جان جوکھوں کا کام تھا۔ ضیاء الحق کا یہ دور سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کے لئے ابتلا اور آزمائش کا سنگین ترین دور تھا۔ ایسے میں سچائی کو عوام تک پہنچانے کی ان کوششوں کا مطلب اپنے آپ کو براہ راست آمریت کے پنجوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ سردار شوکت علی نے نہ صرف سچائی کو سپرد قلم کیا بلکہ اسے خوف و دہشت کی فضا میں سانس لینے والے عوام تک پہنچانے کی سعی بھی کی۔ یہ سب کیسے ہوا۔ اس کی کہانی اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں موجود ہے۔ یہ کہانی قربانیاں دینے والوں اور عوام پر قربان ہو جانے والوں کی سرگزشت کے ساتھ ساتھ ان "جیالوں" کا پول بھی کھولتی ہے جو سچائی کو عام کرنے کے تصور سے ہی تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔

سردار شوکت علی کی ان تحریروں یا ان کے بعض حصوں سے' مجھے' آپ کو اور بہت سے دوسرے پڑھنے والوں کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ دوسری طرح سوچ سکتے ہیں۔ لیکن ہم انہیں اس خیال سے بھی کتابی صورت میں محفوظ کر رہے ہیں کہ یہ ایک دور کی چشم دید گواہی ہے۔ ان شہادتوں کا مجموعہ ہے جو اسی دور میں' آمر کے خلاف دی گئیں۔

یہ کتاب پڑھتے ہوئے قاری کو احساس ہو گا کہ وہ واپس اسی دور میں پہنچ گیا ہے اور خود اپنی آنکھوں سے ان دنوں کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس کتاب کے ساتھ فرنٹیر پوسٹ' اس طرح کے سیاسی ادب کو محفوظ کرنے کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رکھے گا۔

رحمت شاہ آفریدی

www.bhutto.org

www.bhutto.org

پیش لفظ

ضیاء الحق کا دور حکومت ہماری تاریخ کا ایک نہایت ہی المناک دور ہے۔ اس دور میں نہ صرف محبان وطن اور جمہوریت پسندوں کو بے پناہ مصائب سے دو چار کیا گیا اور ملک کے پہلے منتخب وزیر اعظم کو انتظامیہ اور عدلیہ کے سربراہوں کی ملی بھگت سے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا بلکہ اس نام نہاد اسلام کے سپاہی نے آیات قرآنی کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ہیروئن کے اسمگلروں اور جہاد کے نام پر امریکی سامراج کے مفادات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قاتلوں اور رہزنوں اور کلاشنکوفوں کا کلچر بھی سارے ملک میں پھیلا دیا۔ "وہ جہاد" جو روسی دستوں کے افغانستان میں داخل ہونے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا' اسے اسلام کی عظمت کے نام پر اور وسطی ایشیاء کی ریاستوں کی شمولیت سے کراچی سے تاشقند تک ایک نئی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے کے بلند بانگ دعووں کے پردوں میں سی آئی اے کے سربراہ کیزی کی امداد اور معاونت سے جاری رکھا۔ آج وہ تمام منصوبے اور نصب العین خاک میں غلطاں نظر آتے ہیں۔ افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف جہاد کرنے والے ان کی واپسی کے چار سال بعد بھی باہمی جنگ و جدل میں افغانستان کے باشندوں کو تباہ کر رہے ہیں اور وسطی ایشیا کو ساتھ ملا کر "اسلامی ریاست" قائم کرنے کے خواب چکنا چور ہو چکے ہیں۔ ضیاء الحق کا مربی اور مہربان امریکہ پاکستان کو دہشت گرد ریاست قرار دینے کے منصوبے بنا رہا ہے اور وہ پر امن مقاصد کے لئے بھی امریکی امداد جاری رکھنے کو تیار نہیں۔ اس پالیسی نے ملک کو مسلح متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ بیس لاکھ کے قریب پاکستانی ہیروئن کے رسیا بن چکے ہیں اور دن دیہاڑے ڈاکے' تاوان کے لئے اغوا' اجتماعی آبرو ریزی اور حکومت اور پبلک اداروں میں جعلسازی' کھلی لوٹ مار زندگی کا لازمی اور بنیادی جزو بن چکی ہے۔ ملک کی اسمبلیاں ہارس ٹریڈنگ کی مظہر ہیں اور عوام کے دشمن اور

www.bhutto.org

اسمگلر اور رہزن "عوامی نمائندوں" کے روپ میں جلوہ افروز ہیں اور ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ جتنا زیادہ ان کے خلاف پراپگنڈا کیا جائے گا اتنی ہی زیادہ وہ ترقی کرتے جائیں گے۔

ضیاء الحق کے "اسلامی سنہری" دور میں بوئے ہوئے بیج کا پھل ہم آج کھا رہے ہیں۔ اس دور میں سخت مشکل حالات میں لکھی گئی تحریروں کو جو ہماری تاریخ کا ایک باب ہے، کو محفوظ کرنے کے لئے انہیں دوبارہ چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کو حقائق سے آگاہی ہو اور جھوٹ اور افترا کے پراپگنڈا کے دبیز پردوں پیچھے چھپی حقیقتیں عوام کے سامنے آ سکیں۔

"ایک المیہ ---- ایک سبق" ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے فورا بعد لکھی گئی اور موجودہ سیاسی صورت حال - - - - ("وقت کی پکار" کے نام سے چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کی شکلوں میں چھپتی رہی) اور اگست ۱۹۸۳ء میں اسے کتابی شکل دے دی گئی۔

تحریک بحالی جمہوریت (ایم آر ڈی) کی عظیم جدوجہد کے دوران، ضیاء الحق مارشل لاء کے دور میں مارشل لاء حکومت اور اس کے کارناموں اور پالیسیوں کے متعلق تنقیدی مضامین لکھنا کافی کٹھن کام تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب تحریک بحالی جمہوریت کی لاہور کمیٹی کے ایک اجلاس میں ایک پمفلٹ سائیکلو سٹائل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گو یہ فیصلہ متفقہ تھا لیکن کوئی بھی یہ کام کرنے کے لئے حامی نہیں بھر رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے میں نے پمفلٹ سائیکلو سٹائل کرنے کے لئے حامی بھرلی اور تحریک کی اگلی میٹنگ میں پمفلٹ سائیکلو سٹائل کر کے لے گیا۔ جونہی میٹنگ شروع ہوئی میں نے پمفلٹ کا بنڈل رہنماؤں کو پیش کیا لیکن کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا اور کہا کہ اسے قالین پر رکھ دیں۔ جنہوں نے تقسیم کرنا ہو گا اور جس قدر کرنا ہو گا خود بخود لے لیں گے۔ اس دوران اکثر رہنما کمرے سے باہر چلے گئے اور پمفلٹ تحریک بحالی جمہوریت لاہور کے صدر نے قالین سے اٹھا لئے جو بعد میں گرفتار ہو گئے اور ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ مارشل لاء کے خاتمے کے بعد میں نے پیپلز پارٹی کے ایک دوست، جو نہایت سنجیدہ اور سلجھے ہوئے سیاسی رہنما ہیں، سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ تھی کہ آپ نے پمفلٹ قالین پر رکھ دینے کو کہا اور کمرے سے باہر چلے گئے اور کسی نے پمفلٹ نہ اٹھایا۔ حالانکہ اسے متفقہ فیصلہ کے مطابق چھاپا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "ایسا ایک پمفلٹ رکھنے کی پاداش میں چند کارکن دس دس سال کی سزا بھگت رہے تھے"۔ بیشک ضیاء الحق کے سیاہ دور میں مارشل لاء حکومت پر تنقید کرنا جان جوکھوں

کا کام تھا لیکن اس کے باوجود محبان وطن نہایت ہی نامساعد حالات میں حتی المقدور کچھ نہ کچھ چھاپتے رہتے تھے اور انہیں خفیہ طور پر سیاسی کارکنوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔

تحریک بحالی جمہوریت کی تشکیل کے بعد مارشل لاء حکومت نے ایک ہی جھٹکے میں ہزاروں سیاسی کارکنوں کو گرفتار کر لیا لیکن اس بار صرف پیپلز پارٹی کے رہنما اور کارکن ہی گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ ان تمام جماعتوں کے رہنما اور کارکن بھی گرفتار کر لئے گئے جو تحریک بحالی جمہوریت میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ بائیں بازو کی جماعتوں کے کارکنوں کو بھی جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ پاکستان کے جن شہریوں کے نام پولیس کی لسٹوں پر موجود تھے ان میں سے کوئی بھی نہ بچ پایا۔ حتیٰ کہ نسیم جہاں جو کینسر کی مریضہ تھی اور چل پھر بھی نہ سکتی تھی، کو بھی اسی حالت میں جیل بھیج دیا گیا۔

ان گرفتاریوں کے موقع پر میں کراچی میں تھا جہاں فتح یاب علی خاں اور میں نے بیگم بھٹو کو ریلوے کارکنوں کے ایک اجلاس میں خفیہ طور پر لے جانے کا بندوبست کیا۔ دوسرے روز جب میں لاہور پہنچا تو خواجہ افتخار مرحوم ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ تقریباً تمام مذکورہ سیاسی رہنما اور کارکن گرفتار کئے جا چکے ہیں اور آپ کے گھر پر بھی کل رات پولیس نے چھاپہ مارا تھا لیکن چونکہ آپ نہیں تھے اس لئے بچ گئے۔ چنانچہ میں روپوش ہو گیا اور تیس اکتوبر ۱۹۸۳ء تک روپوش رہا حتیٰ کہ تحریک بحالی جمہوریت کے فیصلہ کے مطابق خود گرفتاری دے دی۔

ان ہمہ گیر گرفتاریوں نے تحریک بحالی جمہوریت کے پر کاٹ دیئے اور صرف چند کارکن بچے جو روپوش ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ابھی تحریک اس حکومتی حملہ سے نڈھال تھی کہ کراچی ایئرپورٹ سے ہوائی جہاز ہائی جیک ہو گیا اور اسے کابل کے ہوائی اڈہ پر اتار لیا گیا۔ اس واقعہ نے بحالی جمہوریت کی سلگتی ہوئی تحریک پر پانی پھیر دیا لیکن پیپلز پارٹی کے کچھ رہنما اسے بہت بڑا انقلابی قدم سمجھ رہے تھے حالانکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تحریک کو کچلنے کے لئے یہ حکومتی سازش کا نتیجہ ہے۔ پیپلز پارٹی کے ایک بہت بڑے بزرگ انقلابی رہنما نے تو یہاں تک پیش گوئی کر دی کہ اگر ایک جہاز اور اغوا ہو جائے تو مارشل لاء حکومت دھڑام سے گر جائے گی۔ میں نے انہیں کہا کہ جہاز کا اغوا خواہ کسی نے بھی کروایا ہو یہ واقعہ تحریک بحالی جمہوریت کے مفاد کے خلاف جائے گا اور حکومت تحریک کو کچلنے کے لئے اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کرے گی۔

اس سے پہلے بھٹو کی شہادت کے بعد ایک سابق طالب علم رہنما راجہ انور نے کئی

نوجوانوں کو خود سوزی کے راستہ پر لگا دیا تھا۔ خود سوزی کے ان واقعات کو انقلابی اقدامات کے طور پر پریس میں خوب اچھالا گیا۔ اس پالیسی سے کئی ہونہار نوجوان قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں اور عوام کو بجائے منظم اور ہمہ گیر تحریک کے راستے پر ڈالنے کے ان کی طاقت اور جذبوں کو ضائع کر دیا گیا۔

اس کے بعد راجہ انور بیرون ملک چلے گئے اور پاکستان مزدور کسان پارٹی کے صدر محمد افضل بنگش کے ساتھ مل کر لبریشن فرنٹ کی بنیاد رکھی اور اپنے حقیقی اور خیالی کارناموں کے لئے پاکستان میں مختلف ناموں پر بلیٹن بھیجنے لگے جن میں اس قسم کی خبریں ہوتیں------ فلاں جگہ ریل گاڑی الٹ دی گئی--- فلاں جگہ بم کا دھماکہ ہوا۔ وغیرہ جب ان واقعات کی تحقیقات کی گئی تو ان میں اکثر واقعات غلط اور من گھڑت نکلے۔ اس بارے میں میں نے افضل بنگش کو لکھا کہ اول تو آپ نے پارٹی سے صلاح مشورہ کئے بغیر لبریشن فرنٹ بنایا جو سراسر پارٹی کے خلاف ہے۔ دوئم ملک سے باہر بیٹھ کر اس قسم کے ہوائی انقلاب کی رہنمائی کرنا آسان ہے لیکن جن لوگوں کو بلیٹن بھیجے جا رہے ہیں انہیں خواہ مخواہ خطرے میں ڈالا جا رہا ہے۔ تیسرے جن واقعات کا بلیٹن میں ذکر کیا جاتا ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ ڈرامہ بازی درست نہیں ہے۔ آخر لبریشن فرنٹ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ الذوالفقار نے لے لی۔ الذوالفقار نے بھی تحریک بحالی جمہوریت میں کوئی مثبت کردار ادا نہ کیا۔ بلکہ یہ تحریک کو کچلنے کے لئے ضیاء حکومت کو بہانہ مہیا کرتی رہی اور بے شمار سرگرم سیاسی کارکنوں کو غلط راستے پر لگا دیا۔

یہ زمانہ نہایت ہی پر آشوب زمانہ تھا اور ملک کی سب سے بڑی پارٹی کے رہنماؤں کو سیاسی حالات کا صحیح ادراک نہ ہونے اور تنظیمی انتشار نے حالات کو اور بھی دگرگوں کر دیا تھا۔ منظم پراگندہ کے ذریعے خوف و ہراس کی فضاء شاہی قلعہ میں اذیتوں کی خوفناک داستانیں اور پیپلز پارٹی کی تنظیموں میں حکومتی ایجنسیوں کے ایجنٹوں کی بھرمار جیسے حالات عام آدمی کے اوسان خطار کرنے کے لئے کافی تھے۔ ایسے میں مارشل لاء حکومت پر تنقیدی مضامین لکھنا، انہیں سائیکلو سٹائیل کروانا اور پھر انہیں سیاسی کارکنوں میں تقسیم کرنا بہت ہی کٹھن اور خوفناک کام تھا لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود وطن عزیز میں ایسے نوجوانوں کی کمی نہ تھی۔ جو جان ہتھیلی پر رکھے ملک و قوم کی آزادی اور جمہوریت کی خاطر ہر اذیت اور مصیبت کو مسکراتے ہوئے سہنے کے لئے تیار تھے۔ روپوشی کی حالت میں پناہ گاہ میں کسی کونے میں بیٹھے مضامین لکھنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ زیادہ مشکل بلکہ تقریباً ناممکن کام

www.bhutto.org

ان مضامین کا سٹینسل کاٹنا، سائیکلو سٹائیل کرنا اور پھر انہیں تقسیم کرنا تھا۔

کرامت علی شمس ان نوجوان میں سے ایک تھا۔ وہ شرقپور کا رہنے والا تھا۔ چند ماہ ریلوے میں ملازم رہا تھا۔ جس وجہ سے اس کا میرے ساتھ تعلق قائم ہوا۔ اس کے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بڑی مشکل سے اسے داتا دربار سے آگے ایک مسجد کے ساتھ تنگ و تاریک حجرے میں سر چھپانے کی جگہ ملی تھی۔ میں اپنے لکھے ہوئے مضامین داتا دربار سے آگے سڑک پر رات کو مقررہ وقت پر شمس کو دے دیتا۔ یہ کام کرنے کی اسے اس قدر لگن تھی کہ اسے گھر والوں نے اپنی شادی کے لئے کپڑے بنانے کے لئے جو رقم دی وہ بھی اس نیک کام کی راہ میں لگ گئی اور وقت آنے پر اسے گھر والوں کے سامنے خفت اٹھانا پڑی۔

شمس یہ مضامین مرزا راحیل اسلم تک پہنچاتا جو ان کے سٹینسل کاٹتا۔ مرزا راحیل کمزور اور ناتواں دبلا پتلا شخص ہے۔ وہ جرنلسٹ اور بے لوث سیاسی کارکن ہے۔ اس ناتواں جان میں ترقی پسند خیالات کا بے پناہ جذبہ اور حوصلہ موجود ہے۔ وہ نہایت سادہ، قربانی کا پتلا، عزم و ہمت کا پکا، کم گو، صرف پان اور چائے کا رسیا شخص ہے۔ اسی نے ان مضامین کو "وقت کی پکار" کی سرخی کے ساتھ لکھا اور شمس نے سائیکلو سٹائیل کیا۔ سائیکلو سٹائیل ہونے کے بعد انہیں محفوظ رکھنے اور تقسیم کرنے کا مسئلہ تھا۔ وہ پرانے انقلابی مولانا غلام محمد ہاشمی نے حل کر دیا۔ وہ ان دنوں کسان ہال میں رہتے تھے۔ وہ بنڈل کو کمرے میں پڑی توڑی میں پولی تھین کے لفافہ میں چھپا کر رکھ دیتے۔ ان کے پاس اکثر بائیں بازو کے کارکنوں کی آمد رہتی تھی۔ وہ چپکے سے اٹھتے اور توڑی میں سے چند پمفلٹ نکال کر معتمد ملنے والوں کو تنہائی میں دے دیتے۔ ایک بار جب شام کو میں انہیں ملنے گیا تو انہوں نے کمال مہربانی سے مجھے بھی ایک پمفلٹ پڑھنے کے لئے دیا۔ اس وقت تک انہیں یہ علم نہیں تھا کہ یہ پمفلٹ میرے ہی لکھے ہوئے ہیں۔

ان پمفلٹوں کی کچھ کاپیاں بیرون ملک بذریعہ ڈاک بھی بھیج دی گئیں۔ ڈاکٹر فیروز احمد امریکہ میں مقیم تھے انہوں نے وہاں فوٹو کروا کر سیاسی کارکنوں میں تقسیم کیں۔ افضل بنگش نے جرمنی میں رہنے والے دوستوں کو بھیجیں جنہوں نے فوٹو کروا کر سارے یورپ میں بکھرے ہوئے سیاسی کارکنوں تک پہنچائیں۔

جون ۱۹۸۳ء تک یہ مضامین ساڑھے تین صد صفحات تک پہنچ گئے۔ چنانچہ انہیں کتابی شکل میں چھپوانے کے لئے کوشش شروع کی۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے کامریڈ نصیر

www.bhutto.org

احمد نے ذمہ لیا۔ وہ نہایت نڈر بیباک اور اپنے ترقی پسند خیالات کی ترویج کے لئے ہر خطرہ مول لینے کو تیار رہتا ہے۔ اس میں بے پناہ تنظیمی صلاحتیں موجود ہیں اور پہل قدمی کا وہ مجاہد ہے۔ کسی تنظیمی کام کو سر انجام دینے میں وہ یکتا ہے۔ مضامین کی کتابی شکل میں جب کتابت ہو گئی تو اس نے اسے چھاپنے کے لئے پریس کے مالک سے بات کی۔ وہ ایک سنجیدہ شخصیت ہیں اور ہمیشہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں وابستہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میں یہ کتاب چھاپ دوں گا بشرطیکہ اس کے پہلے صفحات سے پتہ نہ چلے کہ یہ حکومت کے خلاف ہے بلکہ ایسا ظاہر ہو کہ یہ ضیاء الحق کی حمائت میں ہے۔ اس مطالبہ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا لیکن دو چار دن سوچ بچار کے بعد کتاب چھپوانے کی خاطر یہ تجویز قبول کر لی اور میں نے کتاب کے پیش لفظ میں جلی حروف میں یہ سرخی جمائی۔۔۔ "عالی مرتبہ جناب محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے خیالات عالیہ"۔۔۔۔۔۔ اس سرخی کے نیچے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے تین ماہ کے اندر اندر انتخابات کروانے کے اعلان کی کتابت کروائی اور اس کے بعد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے تمام متضاد بیانات دے دیئے اور آخر میں آئین کے آرٹیکل چھ کی عبارت دے دی اور عاصمہ جیلانی کیس کے اس پیرا کا حوالہ دے دیا جس میں آئین کو ختم کرنے والے کو غدار قرار دیا گیا تھا۔

پیش لفظ میں سرخی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ فکر نہ کریں اب کتاب چھپ جائے گی۔

کتاب چھاپتے وقت پیش لفظ سے پہلے کامریڈ نصیر احمد نے اپنی طرف سے ایک نوٹ لکھا اور نیچے ہمایوں خان لکھ دیا۔ اس پر میں بہت سٹ پٹایا کیونکہ اگر مارشل لاء والوں نے کتاب کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا تو میں کیا بتاؤں گا کہ یہ ہمایوں خاں کون شخص ہے؟

کتاب اگست کے مہینہ میں چھپ گئی اور ۳۱ اکتوبر ۸۳ء کو میں نے تحریک بحالی جمہوریت کی آواز پر گرفتاری پیش کر دی۔ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔

میں جناب رحمت شاہ آفریدی کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی اہم ذمہ داری قبول کی۔

آخر میں احمد سلیم کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ احمد سلیم ہی ہیں جن کی بار بار تحریک پر میں ان تحریروں کو دوبارہ ترتیب دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ان کے نزدیک مقصد یہ ہے کہ مارشل لاء کے دوران حالات کی عکاسی کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنا ضروری ہے۔ ان سب دوستوں کا میں تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو لکھنے اور چھاپنے میں مختلف اوقات میں' مختلف طریقوں سے میری مدد کی۔

www.bhutto.org

پیش لفظ

عالی مرتبہ جناب محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر
ــــــــــ کے خیالات عالیہ ــــــــــ

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لا کے نفاذ کا اعلان

"میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے محض اسلام کے ایک سپاہی کے طور پر کیا ہے۔ پاکستان میں ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ اور ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروانے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دیا جائیگا۔ اور اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ انتخابات کے طریق کار کا اعلان بھی جلد ہی کر دیا جائیگا۔ اور آئندہ تین ماہ میں انتخابات پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھوں گا۔"

"آپ کو فی الحال انتخابات کو بھول جانا چاہئے۔ میں اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ بتاؤں کہ کب اور کس تاریخ کو انتخابات ہوں گے۔ ہم معاملات کو ان حالات میں چھوڑ کر بھاگنے والے نہیں۔"

(۱۰ مئی ۱۹۸۲ء روزنامہ مسلم)

"ان کے رفقاء اور سیاست دانوں نے انہیں ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۹ء میں انتخابات ملتوی کرنے پر مجبور کیا تھا اور اب انتخابات کے بارے میں اعلان صرف اس وقت کیا جائیگا جب یقین ہو جائے گا کہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

(۱۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء روزنامہ امن)

www.bhutto.org

"وہ دن گذر گئے ہے جب قومی اسمبلی میں نام نہاد عوامی پارٹی کی طرف سے اسلام کے نام لیواؤں اور پاکستان زندہ باد کہنے والوں کی تضحیک کی جاتی تھی۔ پاکستان کو دل سے قبول نہ کرنے والے تمام غیر اسلامی عناصر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے گا۔ اور ان کو ایسا سبق دیا جائے گا کہ ان کی نسلیں یاد رکھیں گی۔"

(۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء روزنامہ جنگ لاہور)

"پاکستان میں بار بار آنیوالے سیاسی بحران کا صحیح حل صدارتی نظام حکومت میں مضمر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی یہ رائے عوام کے خیالات کے مشاہدے پر مبنی ہے۔ ایسے نظام میں انتخابات علاقائی بنیادوں کی بجائے قومی سطح پر ہوتے ہیں۔ عوام ایک شخص کے لئے حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں اور اس طرح اثرات ختم ہو جاتے ہیں جو علاقیت میں ہوتے ہیں۔ صدارتی نظام حکومت پاکستان میں قومی یک جہتی پیدا کرے گا جسے پارلیمانی نظام حکومت پاکستان کے حالات میں حاصل نہیں کر سکا۔ پارلیمانی نظام حکومت کے ذریعے قومی یک جہتی حاصل نہیں کی جا سکتی۔"

(۲۸ مارچ ۱۹۷۸ء پاکستان ٹائمز)

"...... عوام کے جم غفیر کی موجودگی ان کی مجھ سے بطور ریاست کے سربراہ کے محبت کا اظہار ہے ...... جب تک ہمیں عوام کی حمایت حاصل ہے ہم قوم کی خدمت کرتے رہیں گے ......"

"ہمارے کوئی سیاسی عزائم نہیں اور نہ ہی ہماری کوئی سیاسی جماعت ہے۔"

ہماری پارٹی

اسلام اور پاکستان ہے ــــــــــــ

(۲۸ ۔ اپریل ۱۹۸۳ء ہفت روزہ ویو پوائنٹ)

www.bhutto.org

سپریم کورٹ پاکستان کے دو اہم فیصلوں کے اقتباسات

"یہ فیصلہ ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ سائل کے وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے ان کا ذکر کیا جائے کہ ان انتخابات کی منسوخی نے جو ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہونے والے تھے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے کئے گئے وعدوں پر شکوک کا سایہ ڈال دیا ہے۔ اپنے موکل سے ہدایات لینے کے بعد مسٹر اے کے بروہی نے عدالت کو مطلع کیا ہے کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر پبلک عہدیداروں کے احتسابات کے مکمل ہونے کے بعد جلد ہی انتخابات کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور وقت کے تعین کا دارومدار متعلقہ سول عدالتوں کے ان مقدمات کو نمٹانے کی رفتار پر ہے۔ فاضل اٹارنی جنرل نے عدالت کے سامنے بیان دیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مقصد کے لئے تقریباً ٦ ماہ کا عرصہ درکار ہے اور اس طرح دو ماہ کے اندر انتخابات کرانا ممکن ہو گا۔

جیسا کہ مسٹر یحییٰ بختیار نے تجویز کیا ہے۔ عدالت یہ مناسب خیال نہیں کرتی کہ انتخابات کرانے کے متعلق کسی حتمی ٹائم ٹیبل کے لئے کوئی ہدایت جاری کی جائے۔ عدالت واضح الفاظ میں بیان کرے گی کہ اس لئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ماورائے آئین اقدام کو جائز قرار دینا ممکن ہے' نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ خطرناک قومی اور آئینی بحران کے وقت ملک کو بچانے کے لئے آگے آئے بلکہ اس لئے بھی کہ انہوں نے یہ سنجیدہ عہد بھی کیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے گا آئین سے انحراف کی مدت کم سے کم ہو۔ اور اسی عرصہ کے دوران ان کی تمام توانائیاں ان حالات کو پیدا کرنے کے لئے صرف ہوں گی۔ جو آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے مدد گار ہوں گے۔ جو آئین کی روح کے مطابق جمہوریت بحال کرے گی۔ اس لئے یہ عدالت چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے یہ توقع کرتی ہے کہ وہ اس عہد کو پورا کریں گے جو پاکستان کے عوام سے حکمنامہ لینے کی صورت

www.bhutto.org

میں ہوجن کی اکثریت نے ان کی انتظامیہ کو عارضی حکومت کے طور پر بہ رضا ورغبت قبول کر لیا ہے۔"

بیگم نصرت بھٹو بنام چیف آف آرمی سٹاف

(پی ایل ڈی ۱۹۷۷ء سپریم کورٹ صفحہ ۶۵۷ بر صفحہ ۷۲۳-۷۲۲)

"اگر ایسا ہی ہے تو جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے کہاں سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا حق حاصل کیا؟ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے اس کو اپنے خط مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کے ذریعے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے یحییٰ خاں کو ملک میں امن بحال کرنے کے لئے صرف اپنی "آئینی اور قانونی ذمہ داریوں" کو پورا کرنے کے لئے کہا تھا۔ اگر اس کو یہی حکم ملا تھا تو اسے صرف امن بحال کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ کرنے کا حکم ملا تھا۔"

(پی ایل ڈی ۱۹۷۲ء سپریم کورٹ صفحہ ۱۹۰)

"...... دفعہ ۱۶ کے تحت اگر صدر کسی وقت اپنے عہدہ کے اختیارات استعمال کرنے کے قابل نہ ہو تو قومی اسمبلی کا سپیکر صدر کے فرائض سرانجام دے گا۔ محمد ایوب خاں نے اس لئے صدر کا عہدہ یحییٰ خان کو منتقل نہ کیا تھا اور درحقیقت نہ ہی اس کا ایسا کرنے کا مقصد تھا۔ انہوں نے یحییٰ خان سے صرف اپنی آئینی اور قانونی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے کہا تھا یحییٰ خاں نے آئین کے ضمن ۱۶ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عہدہ سنبھالا۔ جس آئین کی وفاداری کا حلف اس نے بطور کمانڈر انچیف اٹھایا تھا۔ اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ یحییٰ خاں پاکستان کا قانونی صدر بن گیا تھا۔ اور آئین نے صدر کو جو قانون سازی کے اختیارات دیئے تھے وہ اس کے تحت احکامات اور آرڈی نینس جاری کر سکتا تھا۔ لہٰذا تمام صدارتی احکامات اور آرڈی نینس جو اس نے جاری کئے تھے مکمل طور پر بے اثر تھے۔ اور ان کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔"

یحییٰ خاں کا نافذ کردہ مارشل لا غیر قانونی تھا اور اس کے جاری کردہ تمام مارشل لا ریگولیشن اور مارشل لا آرڈرز اس وجہ سے ابتدا ہی سے غیر قانونی اور بغیر کسی قانونی حیثیت کے تھے۔"

(پی ایل ڈی ۱۹۷۲ء سپریم کورٹ صفحہ ۲۳۸)

"مارشل لا جو آغا محمد یحییٰ خاں نے لگایا تھا غیر قانونی تھا۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کا اقتدار سنبھالنا بطور صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مکمل طور پر غیر آئینی تھا اور درست

www.bhutto.org

تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(پی ایل ڈی ۱۹۷۲ء سپریم کورٹ صفحہ ۲۴۲)

"کوئی شخص جو غیر قانونی طریقہ سے قومی قانونی ڈھانچہ کو تباہ کرتا ہے وہ کسی طرح بھی قانون سازی کا صحیح ماخذ متصور نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ریاستی اجباری ڈھانچہ پر قابض ہونے کی وجہ سے عوام اور عدالتیں وقتی طور پر خاموش رہیں مگر یہ بالکل واضح ہونا چاہئے کہ وہ ڈھانچہ جو غاصب نافذ کرے گا غیر قانونی رہے گا اور عدالتیں اس کی حکمرانی تسلیم نہیں کریں گی اور اس پر قانونی طور پر عمل نہیں کریں گی۔ جوں ہی پہلا موقع ملے گا اور غاصب اپنی متشددانہ طاقت کھو بیٹھے گا اس پر سنگین بغاوت کا مقدمہ چلنا چاہئے اور اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔ صرف یہی آنے والے مہم جوؤں کو باز و ممنوع رکھنے کے لئے کافی ہو گا۔"

(پی ایل ڈی ۱۹۷۲ء سپریم کورٹ صفحہ ۲۴۳)

www.bhutto.org

۱۹۷۳ء کے آئین کا آرٹیکل چھ

○ (ا) کوئی شخص جو آئین کو ختم کرتا ہے یا ختم کرنے کے لئے سازش کرتا ہے۔ طاقت کے استعمال یا طاقت کے بل بوتے یا دیگر غیر آئینی طریقوں سے آئین کو توڑتے یا اسے توڑنے کے لئے کوشش یا سازش کرتا ہے' سنگین بغاوت کا مجرم ہو گا۔

○ (ب) کوئی شخص جو ان اقدامات' جن کا ذکر ضمن ا میں کیا گیا ہے' کی مدد کرتا ہے یا ان کے لئے اکساتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح سنگین بغاوت کا مجرم ہو گا۔

○ (ج) پارلیمنٹ قانون کے ذریعے ایسے اشخاص کے لئے سزا تجویز کریگی جو سنگین بغاوت کے مجرم پائے جائیں گے۔

○ پاکستان کی افواج جمہوریت کی بحالی کو پاکستان کی بقا کے لئے ضروری سمجھتی ہیں۔ اور چونکہ کوئی شخص جو اس کام کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا ہے نہ صرف جمہوریت کا دشمن ہے بلکہ پاکستان کا بھی دشمن ہے۔س لئے اسے ایسی سزا دی جائے گی جس کا وہ مستحق ہے۔"

ضیاالحق کا قوم سے خطاب : ۱۴ - اگست ۱۹۷۷ء

GENERALS IN POLITICS صفحہ ۱۳۲

www.bhutto.org

۵ جولائی ۱۹۷۷ کو پاکستان میں تیسرا مارشل لاء لگا دیا گیا۔ اور جنرل ضیاء نے ایک مسلمان کی حیثیت سے عہد کیا کہ مارشل لاء صرف ۹۰ دن کے لئے ہے اور ۹۰ دن کے بعد ملک میں آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کروا کر اقتدار قوم کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن ۹۰ دن کے بجائے ساڑھے پانچ سال گذر جانے کے باوجود مارشل لاء کا اختتام نظر نہیں آتا۔ بلکہ مارشل لاء دن بدن زیادہ ہمہ گیر، سخت گیر اور لاقانون ہوتا جا رہا ہے۔ اور تمام فوجی، سیاسی اور قانونی طاقت فوجی جنتا میں جس کی رہنمائی جنرل ضیاء الحق کر رہے ہیں، مرکوز ہوتی جا رہی ہے۔ اب عام خیال یہ ہے کہ مارشل لا کی عمر جنرل ضیاء کی عمر کے برابر ہے۔ پہلے جمہوریت اسلام کے عین مطابق تھی۔ لیکن اب نظریاتی طور پر آمریت کو اسلام کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔

گذشتہ پانچ سالوں سے سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد ہیں۔ تمام سیاسی جماعتیں کالعدم قرار دی جا چکی ہیں۔ اور تمام ذرائع ابلاغ پر سنسر کے تحت پہرے ہیں۔ عدلیہ کا چنکبرا قانون۔ انگریزی، فوجی، اسلامی عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیرتا نظر آتا ہے۔ عدالتوں کو مارشل لاء کے تابع مہمل کر دیا گیا ہے۔ اور پنجاب میں مختلف مستقل ہائی کورٹیں میں بنا کر ان کی طاقت کو توڑ دیا گیا ہے۔ اور وکلا میں انتشار پیدا کر دیا گیا ہے۔ اب وکلاء کی تنظیموں پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن اور نام نہاد زر خرید علماء اور موقع پرست جاہ پسند لیڈر شپ مارشل لاء کی برکتیں گنوانے پر لگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملکی معیشت مستحکم ہو گئی ہے اور سماج کو رشوت، چور بازاری، دھوکے بازی، سمگلنگ جیسی لعنتوں اور دوسرے جرائم سے پاک کر کے ایک ارفع اسلامی معاشرے کے بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ ملک کو سیاسی استحکام بخش دیا گیا ہے۔ اور نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ملک و قوم کو تیار کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ ان کامیابیوں اور کامرانیوں کو دنیا کی کوئی طاقت بھی ہم سے چھین نہ سکے گی۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ بین الاقوامی برادری میں جو کامیابیاں اس دور میں حاصل کی گئی ہیں، ان کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ اور ملک کو بین الاقوامی سامراجی پریس بھی پاکستان کی ترقی کے گیت بڑھ چڑھ کر گا رہا ہے۔ اور پاکستان کی معیشت کے استحکام کی تعریفیں کر رہا ہے۔ ایوبی آمریت کے دوران بھی دس سالہ کامیابیوں اور ترقیوں کا جشن مناتے وقت ایسے

ہی بلند بانگ دعوے کئے گئے تھے لیکن چند ماہ بعد ہی عوام کو پتہ چلا کہ پاکستان کی ۸۵ فیصد دولت اور اثاثے صرف بائیس گھرانوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں اور عوام کے حصے میں صرف غربت' افلاس' پس ماندگی اور بھوک آئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء عوامی تحریک کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب ایوبی آمریت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا لیکن ایوبی دور کی پیدا کردہ سماجی اور معاشی ناہمواریوں نے یحییٰ خاں کی فوجی حکومت کے دوران ملک کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

ایسے حالات میں نظریاتی میدان میں یہ پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ شخصی حکومت مسلمانوں کے مزاج کے عین مطابق ہے اور اسلام کی روح ہے اور پاکستان کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت ترقی ایسی ہی حکومت کی مرہون منت ہے' پاکستان کی تمام بیماریوں کے لئے جنرل ضیاء الحق ایک مسیحا کا کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے۔ اور عاشق رسولؐ ہے اور ہر تین ماہ بعد مکہ مدینہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اس سے بہتر آج تک پاکستان کو کوئی رہنما میسر نہیں آیا۔ لہٰذا اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کا فرض ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا پاکستانی عوام کا مزاج آمریت کا متقاضی ہے اور یہ کہ کاتب تقدیر نے پاکستانی عوام کے مقدر میں ہمیشہ کے لئے آمریت تحریر کر دی ہے۔ اور اس سے بچنا کسی طور پر ممکن نہیں اور پاکستانی عوام کے مسائل۔ بھوک' بے روزگاری' پس ماندگی اور جہالت' صوبجاتی خود مختاری اور آزادی کے تحفظ کا حل اسی طرز حکومت میں پوشیدہ ہے۔ پچھلے ساڑھے پانچ سال میں آمریت کو بلاشرکت غیرے ان مسائل کو حل کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ آج کے زمانہ میں ساڑھے پانچ سال کا عرصہ کسی نظریے کی سچائی کو پرکھنے کے لئے معقول وقت ہے۔ اس لئے ہم سنجیدگی کے ساتھ پچھلے پانچ سال میں ہر شعبہ زندگی میں ضیاء الحق کی حکومت کا جائزہ لیں گے۔ اور دیکھیں گے کہ جن کامیابیوں کا ڈھنڈورا شب و روز پیٹا جا رہا ہے اس میں سچائی کیا ہے۔

صنعت

ہم سب سے پہلے معاشی میدان میں ترقی کا جائزہ لیں گے اور اس میدان میں بھی خصوصی توجہ صنعتی ترقی پر مرکوز کریں گے کیونکہ جدید دور میں زندگی کے تمام شعبوں کی ترقی کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہی منحصر ہے۔

آج یہ حقیقت سب پر روشن ہے کہ پاکستان کی صنعتی ترقی سخت بحران سے دو چار ہے۔ ارباب اختیار، بڑے بڑے سرمایہ دار اور رجعت پسند صنعتی بحران کی سب سے بڑی وجہ سابقہ حکومت کی صنعتیں قومیانے کی پالیسی کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس پالیسی کی وجہ سے صنعت کار صنعتوں میں روپیہ لگانے سے گریز کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس پالیسی کی وجہ سے وہ اپنے سرمائے کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ اس لئے یا تو وہ اپنا سرمایہ ملک سے باہر لے جا رہے ہیں (جو یقیناً ایک ملک دشمن اقدام ہے) یا تجارت، مکانات اور ہوٹلوں وغیرہ کی تعمیر میں لگا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا اعتماد بحال کرنے کے لئے قومی تحویل میں لی گئی صنعتوں کو ان کے مالکان کو واپس کر دینا چاہئے اور آئندہ کے لئے انہیں یقین دہانی کروانی چاہئے کہ کوئی صنعت قومی تحویل میں نہیں لی جائے گی۔ نجی ملکیت کے اصول کو مقدس ثابت کرنے کے لئے اسلام کی سند بھی پیش کی جاتی ہے۔ جس میں صنعتیں قومیانے کی پالیسی کو غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔

اول تو یہ استدلال ہی غلط ہے کیونکہ جس شعبے میں سب سے گہرا بحران ہے وہ نجی شعبے میں کپڑے کی صنعت ہے اور اس صنعت کے متعلق بارہا یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ اسے کسی صورت میں بھی حکومت قومیانے کا ارادہ نہیں رکھتی مگر اس کے باوجود اس صنعت میں بحران ختم ہونے میں نہیں آتا۔

"ایک اندازے کے مطابق کپڑے کی صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد پاکستان کے کل مزدوروں کا ۴۵ فیصد ہے۔ اور ہماری برآمدات کا ۲۵ فی صد حصہ کپڑے کی مصنوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان کی ۲۰۰ ٹیکسٹائل ملوں میں سے ۸۶ ملیں مکمل یا جزوی طور پر بند ہیں جن کی وجہ سے ۱۰ لاکھ تکلے اور ۱۰ ہزار لومز بے کار پڑے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ۷۲-۱۹۷۱ء کے مقابلہ میں کپڑے کی پیداوار نصف سے بھی کم ہے۔ اور دھاگہ کی پیداوار ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۷۴۳ کروڑ کلو گرام تھی جو ۷۳-۱۹۷۲ء کے مقابلہ میں کم ہے۔ چنانچہ دھاگے کی بین الاقوامی تجارت میں پاکستان کا حصہ جو ۱۹۷۲ء میں ۳۱ فیصد تھا۔ لیکن ۱۹۷۹ء میں ۱۴ فیصد رہ گیا۔ اور کپڑے کی تجارت میں ۱۹۷۴ء میں ۱۰ فیصد تھا۔ لیکن ۱۹۷۹ء میں ۶ فیصد رہ گیا۔ ۸۲-۱۹۸۱ء کے پہلے نصف میں برآمدی معاہدے اور حقیقی برآمد پچھلے سال کی نسبت ۵۰ فیصد کم ہو گئی۔" (۱۲ر اپریل ۱۹۸۲ء۔ مسلم) فنانس سیکرٹری ایچ یو بیگ کے مطابق کپڑے کی صنعت کو ۳۰ کروڑ روپے کی امداد کی گئی ہے لیکن اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔

www.bhutto.org

قالین سازی کی صنعت کا بھی یہی حال ہے۔ اس صنعت میں سات لاکھ مزدور کام کرتے تھے۔ اور اس میں اڑھائی ارب روپیہ لگا ہوا ہے اور یہ صنعت دو ارب روپیہ سالانہ زرمبادلہ کماتی تھی لیکن اب بالکل تباہی کے دھانے پر کھڑی ہے۔ اس وقت چار لاکھ کھڈیاں بند پڑی ہیں۔

لاہور میں فردوس ٹیکسٹریز اور سروس انڈسٹریز بند پڑی ہیں۔ المانیک انڈسٹریز تین سال ہوئے بند کر دی گئی ہے۔ کراچی میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کارخانے پورے یا جزوی طور پر بند ہیں اور ہزاروں مزدور بے کار ہو کر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ۵ر جون ۱۹۸۱ء کے "پاکستان اکانومسٹ" کے مطابق پاکستانی صنعتیں اپنی استعداد کا ۴۰ اور ۶۰ فیصدی تک کام کر رہی ہیں جن میں انجینئرنگ کی صنعت بھی شامل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تین سو صنعتی یونٹ ایسے ہیں جنہیں بیمار شمار کیا جاتا ہے۔

"توانائی (تیل اور گیس وغیرہ) کی موجودہ کمی سے مسئلے کی اہمیت اور نزاکت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ ماہرین کے اندازے کے مطابق ۱۹۹۰ء تک یہ کمی اڑھائی گنا زیادہ ہو جائے گی۔ اگر نئے ذخائر مل گئے تو اس عشرے کے آخر میں ۳۶ ہزار پیپے روزانہ پیداوار ہو گی۔ لیکن ملکی ضروریات پورا کرنے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار پیپے روزانہ مزید درآمد کرنے پڑیں گے۔ موجودہ پیداوار ---- ۱۲ ہزار پیپے روزانہ --- ملکی ضروریات کا صرف ۱۲ فیصدی پورا کرتی ہے۔ گیس کی پیداوار میں بھی کمی ہو رہی ہے اور اس میں بھی خود کفالت ختم ہونیوالی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تمام صنعتیں خصوصاً کھادیں' سیمنٹ اور توانائی پیدا کرنے والی صنعتیں سخت خطرے سے دوچار ہو جائیں گی۔ بلند بانگ دعوؤں کے باوجود حکومت پچھلے ساڑھے پانچ سال میں اس شعبے میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔"

(۲۳ جنوری ۱۹۸۲ء "مسلم")

"نجی سرمایہ داری کے فروغ کے لئے مارشل لاء حکومت نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور سرمایہ داروں کو نہ صرف کئی قومیائی ہوئی صنعتیں واپس دے دی گئی ہیں بلکہ قرضوں اور ٹیکس میں بھی بے پناہ رعائتیں دی گئی ہیں۔ صوبائی حکومتوں کی ملکیت میں لی گئی یا قائم کردہ گھی اور چینی کی فیکٹریاں بھی نجی سرمایہ داروں کو دی جا رہی ہیں۔ حالانکہ وہ برابر نفع کما رہی ہیں۔ ہڑتالوں پر گزشتہ ساڑھے پانچ سالوں سے کڑی پابندیاں ہیں۔ صنعتی تنازعات عام طور پر مارشل لاء کی مدد سے مل مالکان کے حق میں طے کئے جاتے ہیں۔ لیکن

www.bhutto.org

اس کے باوجود سرمایہ داروں نے سرمایہ کاری کی بھی ہڑتال کر رکھی ہے۔ پانچویں پنج سالہ منصوبہ کے مطابق نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کے لئے ۱۹۵ ارب روپیہ مخصوص کیا گیا ہے لیکن پچھلے سال تک جبکہ نصف مدت گذر چکی تھی صرف ۲۷ فیصدی سرمایہ استعمال کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گذشتہ تین سال میں صنعتی سرگرمیاں صفر کے برابر رہ گئی ہیں۔ گذشتہ چار سالوں میں بھی حکومت کی صنعتی پالیسیاں سرمایہ داروں کو اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر آمادہ نہیں کر سکیں۔ (مسلم۔ ۱۸ اپریل ۱۹۸۱ء) اسی روزنامہ کے ۲۲ جولائی ۱۹۸۱ء کے اداریہ کے مطابق ۱۹۷۹ء میں حکومت نے بناسپتی گھی اور خوردنی تیل بنانے کے لئے ۲۳ یونٹوں کی منظوری دی تھی لیکن ان میں سے صرف دو پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں۔ باقی کی تعمیر شروع ہی نہیں ہو سکی۔ جس کی وجہ سے گھی کی قلت متواتر بڑھ رہی ہے۔ واپڈا کے چیئرمین غلام صفدر بٹ نے کہا ہے کہ ملک کو دو سال بعد بجلی کی شدید قلت کا سامنا ہو گا۔ (نوائے وقت ۲۳ جولائی ۱۹۸۱ء) بجلی کی اس قلت کی وجہ سے صنعتی ترقی کی رفتار اور بھی کم ہو جائے گی۔

باوجودیکہ حکومت قومی پیداوار میں اضافے کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک کی صنعتی پیداوار میں نسبتاً کمی واقع ہو رہی ہے۔ اور خدمات (ملازمتوں) میں برابر ترقی ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کو بیرونی تجارت میں متواتر خسارہ ہو رہا ہے۔ اور افراط زر بڑھ رہا ہے۔ حسب ذیل اعداد و شمار سے یہ کیفیت ظاہر ہے۔

پاکستان کی معیشت میں پیداواری اور غیر پیداواری شعبوں کی ترقی

فیصدی کل ڈومیسٹک پیداوار (جی ڈی پی) موجودہ قیمتوں کے خسارے

پیداواری شعبہ	۱۹۷۵-۷۶	۱۹۷۶-۷۷	۱۹۷۷-۷۸	۱۹۷۸-۷۹
زراعت	۳۲٫۱۵	۳۲٫۷	۳۰٫۷	۲۹٫۵
پیداوری شعبہ	۱۹۷۵-۷۶	۱۹۷۶-۷۷	۱۹۷۷-۷۸	۱۹۷۸-۷۹
صنعت	۱۵٫۵	۱۴٫۳	۱۴٫۱۵	۱۴٫۸
غیر پیداواری شعبہ				
(خدمات)	۵۲٫۳۵	۵۳٫۵	۵۵٫۸	۵۷٫۲

فوجی تجارتی۔ انتظامیہ)

——— (مسلم ۲ دسمبر ۱۹۸۰) ———

www.bhutto.org

پچھلے سال سرکاری منصوبہ بندی کے مطابق صنعتی شعبے میں ۹۶۲ فیصد ترقی ہونی تھی لیکن ماہرین کے مطابق ترقی سات آٹھ فیصدی سے بڑھنے نہ پائی۔ سرمایہ داروں کی انجمن "ایوان صنعت و تجارت کی فیڈریشن" کے مطابق ۷۷-۱۹۷۶ء میں سرمایہ کاری کا حصہ ۲۷ فیصد تھا۔ جو ۸۰-۱۹۷۹ء میں کم ہو کر ۲۱ فیصد رہ گیا۔ ۱۹۸۲-۱۹۸۱ میں بھی منصوبہ بندی کے مطابق ترقی نہیں ہو سکی۔

ایک بار پھر ہارورڈ کے سند یافتہ معاشی ماہرین پاکستان کے معاشی منصوبہ بندی کے شعبے میں برسر اقتدار آگئے ہیں۔ عالمی بنک سے واپس آکر ڈاکٹر محبوب الحق نے وزارت منصوبہ بندی میں ڈپٹی چیئرمین کا عہدہ سنبھال لیا ہے اور ایوبی دور کی پالیسیوں کو لیپا پوتی کر کے پھر سے نافذ کیا جا رہا ہے۔ ان پالیسیوں کے تحت نجی سرمایہ داری کے فروغ پر زور دیا جا رہا ہے۔ ان کا مقصد محض پیداوار بڑھانا ہوتا ہے۔ پیداوار کی تقسیم کے متعلق کوئی پالیسی وضع نہیں کی جاتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکز ہو جاتی ہے جیسے ایوب کے زمانہ میں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود بڑے صنعت کار سرمایہ لگانے کو تیار نہیں۔ اول تو وہ منظور شدہ زرمبادلہ غیر ملکی بنکوں میں جمع کروا کر بین الملکی کارپوریشنوں میں لگا دیتے ہیں۔ دوسرے جب تک انہیں بے پایاں، بلا روک ٹوک منافع کمانے کی کھلی چھٹی نہ دی جائے وہ سرمایہ نہیں لگاتے۔اس پالیسی کا مطلب یہ ہے پاکستان کے محنت کشوں کو کم از کم اجرت دی جائے۔ اور ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ اور ان کے تمام شہری حقوق چھین لئے جائیں۔ گویا کہ پاکستانی بڑے سرمایہ دار اس وقت سرمایہ کاری کریں گے جب ان کو یقین ہو جائے کہ پاکستانی محنت کش اپنی زندگی کی تمام سہولتیں اور نعمتوں کو چھوڑ کر کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اور یہ سب کچھ ایسے حالات میں ہو رہا ہے جبکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک کے عرصہ میں مزدوروں کی کارکردگی میں چودہ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اگر ۶۰-۱۹۵۹ء کو بنیادی سال تصور کر لیا جائے تو مزدوروں کی یہ کارکردگی جو ۷۷-۱۹۷۶ میں ۲۱۷۳ روپے تھی۔ ۱۹۸۰-۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۲۵۲۱ روپے ہو گئی ہے۔ (مسلم ۱۳۔اپریل ۱۹۸۱ء)

۸۳-۱۹۸۲ء کے بجٹ میں ساڑھے بیس ارب روپیہ نجی شعبہ کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ جبکہ پبلک سیکٹر کے لئے ساڑھے بارہ ارب کے قریب روپیہ منظور کیا گیا ہے۔ کسی بڑے اور بنیادی پروجیکٹ کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ صرف کراچی میں فولاد کے کارخانہ کو تکمیل کرنے کے لئے روپیہ منظور کیا گیا۔ کراچی کے فولاد کے کارخانہ کے متعلق

بھی عام افواہیں گرم ہیں کہ اس کے بہت سے حصے ٹھیکے پر دے دیئے جائیں گے۔ اب حکومت نجی شعبے کی ترقی کے لئے من و سلویٰ کا بندوبست کر رہی ہے۔ اور پی آئی ڈی پی نے جو صنعتیں پبلک سیکٹر میں لگائی ہیں انہیں سرمایہ داروں کے ہاتھوں بیچنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ بلکہ چند ایک کارخانے نجی سرمایہ داروں کو بیچ بھی دیئے گئے ہیں۔ ان کارخانوں میں چینی اور سیمنٹ کے کارخانے شامل ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایوبی دور کی طرح صنعتیں لگائی تو پبلک سیکٹر میں جائیں گی لیکن جب وہ منافع دینے لگیں گی تو نجی سرمایہ داروں کے ہاتھوں بیچ دی جائیں گی۔ یعنی ان صنعتوں کے نقصانات کے تمام خطرات تو عوام برداشت کریں گے لیکن منافع حاصل کرنے کے وقت سرمایہ دار آ دھمکیں گے۔ چنانچہ پنجاب میں چینی کا ایک کارخانہ "منو" کے پاس فروخت کر دیا گیا ہے۔ اس طرح حکومت سرحد نے بھی پبلک سیکٹر میں لگی ہوئی چند صنعتیں فروخت کر دی ہیں۔ اب پنجاب میں گھی کی ملیں بھی مالکان کو واپس کی جارہی ہیں۔ اتفاق فونڈریز پہلے ہی مالکان کو واپس کی جا چکی ہیں جس کی وجہ سے سینکڑوں مزدور بے روزگار ہو گئے ہیں۔

۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۱ کے درمیان جتنی سرمایہ کاری ہوئی اس میں سے بیشتر حصہ پبلک سیکٹر کا تھا۔ لیکن پچھلے سال سے حکومت نے نجی سرمایہ داروں کی خوشنودی کے لئے پبلک سیکٹر سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور پبلک سیکٹر کے لئے جو روپیہ منظور کیا جاتا ہے وہ سروسز وغیرہ پر زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ یا ان منصوبوں پر لگایا جاتا ہے جو زیر تکمیل ہیں۔ نجی سرمایہ داروں کو صنعتوں میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے حکومت بے شمار سہولتوں کا اعلان کر رہی ہے اور کئی ٹیکسوں کی چھوٹ کر دی گئی ہے۔ لیکن سرمایہ دار اب بھی سرمایہ کاری کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے بلکہ قرضوں کی شکل میں جو روپیہ انہوں نے مختلف اداروں سے حاصل کر رکھا ہے وہ بھی ہضم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ "پکپ" اور آئی ڈی پی سی" کے پندرہ کروڑ روپے کے قرضے نجی سرمایہ داروں سے وصول نہیں ہو رہے۔ "فردوس ٹیکسٹریز" کے پابند صوم و صلوۃ مالکان اپنے حصہ داروں اور بیوپاریوں کا کروڑوں روپیہ ہضم کر کے راہ فرار اختیار کر گئے ہیں۔ فنانس کمپنیاں تقریباً تین ارب روپیہ عوام سے بٹور کر دیوالیہ ہو گئی ہیں۔ ان سب واقعات کے متعلق حکومت محض خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ اور فوجی عدالتوں کی نگاہ بھی اس طرف نہیں جاتی۔ شائد وہ اسلامی امن و امان قائم کرنے میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں اور کسی بات کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ادھر روزنامہ "نوائے وقت" اور کچھ ضمیر فروش علماء نجی شعبہ کے حق میں فتوے پر فتوے دیئے جا رہے ہیں۔ اور

نجی سرمایہ دار اسلامی مساوات کے قیام کے نام پر اپنے اسلامی مزدور بھائیوں کے خون کا آخری قطرہ تک بھی کشید کرنے کے درپے ہیں۔

حکومت عام طور پر گدو تھرمل سٹیشن اور کراچی میں سٹیل مل کو چالو کرنے' سیمنٹ اور چینی کی پیداوار بڑھانے کا سہرا اپنے سر لے رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں شعبوں میں صنعتیں پچھلی حکومت کے دور میں لگنی شروع ہوئی تھیں۔ لیکن وہ مکمل ہو کر موجودہ حکومت کے زمانہ میں چالو ہوئیں۔ ان سے نسبتاً صنعتی ترقی ایک قدم آگے بڑھی ہے۔ لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ سٹیل مل اور گدو تھرمل سٹیشن جس ملک (سوویٹ یونین) کی امداد سے بنے ہیں اس کے خلاف ہم امریکہ کی اسٹیبلشمنٹ پر فرنٹ لائن سٹیٹ بنے ہوئے ہیں اور پاکستانی پریس' ریڈیو اور ٹی وی شب و روز اس کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہے۔ سیمنٹ کی پیداوار میں ہم بالکل خود کفیل نہیں ہو سکے اور پچھلے دو سال سے سیمنٹ درآمد کر رہے ہیں۔ چینی میں خود کفالت کا مژدہ مضحکہ خیز ہے۔ دیہات کی ۸۰ فیصدی آبادی تو اس قابل ہی نہیں کہ وہ چینی خرید سکے۔ اور شہروں میں بھی غریب آبادیاں چینی کا استعمال اپنی غربت کی وجہ سے نہیں کر سکتیں۔

موجودہ حکومت رجعت پسند علماء اور اخبارات کی مدد سے پبلک سیکٹر کی نہایت ہی گھناؤنی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پالتو نوکر شاہی نے اپنی نااہلی' خود غرضی اور لوٹ مار سے پبلک سیکٹر کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پبلک سیکٹر میں بنکوں' انشورنس' گھی ملوں' چینی کے کارخانوں اور سیمنٹ کے کارخانوں میں متواتر پیداوار بڑھی ہے۔ زیادہ محنت کشوں کو ملازمتیں ملی ہیں۔ ٹیکسوں کے ذریعے زیادہ آمدنی ہوئی ہے۔ سوئی گیس اور بجلی کی آمدنی پبلک سیکٹر میں پرائیویٹ سیکٹر سے زیادہ ہے۔ ان تمام باتوں کو ملکی منافع میں شمار کیا جانا چاہئے۔

جس نجی سرمایہ داری کی عظمت کے شب و روز گیت گائے جاتے ہیں اور اسے عین اسلامی نظام کے مطابق بتایا جا رہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ آج دنیا بھر میں نجی سرمایہ کاری کی آزادانہ حیثیت جو کھلے مقابلہ اور ریاستی عدم مداخلت پر مبنی تھی ختم ہو چکی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی نجی سرمایہ داری کھلے مقابلہ پر پابندیوں اور ریاستی مداخلت کے بغیر نشوونما نہیں پا سکتی۔ درآمد برآمد کی پالیسیاں' ٹیکسوں کے نفاذ یا عدم نفاذ' تحفظات و غیرہ نجی سرمایہ داری کے فروغ کے لئے ضروری ہو گئی ہیں۔ پس ماندہ ممالک کا تو ذکر ہی کیا۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک بھی ان پالیسیوں کے بغیر نہیں چل سکتے۔ پس ماندہ ترقی پذیر

www.bhutto.org

پاکستان جیسے ممالک میں تو ان تحفظات کے علاوہ زیادہ تر سرمایہ بھی ریاست ہی مہیا کرتی ہے۔ مختلف سکیموں کے ذریعے اندرون ملک سے قرضے حاصل کئے جاتے ہیں اور امریکہ جیسے سامراجی ممالک سے مشروط قرضے ملک کی آزادی کو گروی رکھ کر فراہم کئے جاتے ہیں۔ بیرون ملک کام کرنے والے محنت کشوں کا زرمبادلہ ہتھیایا جاتا ہے اور یہ تمام سرمایہ صنعتی ترقی کی خاطر نجی سرمایہ داروں کی جھولی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ ہزار حیلے بہانوں سے بہت سا سرمایہ بیرونی ملکوں میں جمع کرتے ہیں۔ وہ مزدوروں کو کم تنخواہیں اور تھوڑی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔ حفظان صحت اور تعلیم کا بندوبست نہیں کرتے، ٹیکس چوری کرتے ہیں، بجلی اور گیس آدھی سے زیادہ مفت ہضم کرتے ہیں اور ملاوٹ والا مال اور ناقص مصنوعات تیار کرتے ہیں جیسا کہ اتفاق فونڈریز نے ۸۲-۱۹۸۱ء میں گندم کاٹنے کی مشین تیار کر کے کیا۔ اس مشین کی تیاری کے لئے حکومت کے بنکوں سے قرضہ حاصل کیا گیا۔ اس مشین کی کارکردگی کا بہت پروپیگنڈا کیا گیا۔ اور اس کی قیمت اٹھارہ ہزار روپیہ رکھی گئی۔ دھڑا دھڑ مشینیں سپلائی کی گئیں۔ لیکن چند ہفتوں بعد خریدار پریشان حال کارخانے میں پہنچے اور واویلا کیا کہ مشین کا میٹریل اس قدر ناقص ہے کہ وہ ایک کنال گندم بھی صحیح طریقے سے نہیں کاٹ سکتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی پرزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی کل بگڑ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اتفاق فونڈریز سے تعلق رکھنے والے ایک وزیر پنجاب کے کابینہ میں اسلامی نظام حکومت لانے کے لئے شامل ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے کاشت کاروں کی ایک بھی نہیں سنی۔ اور ان کے نقصانات کی تلافی نہیں کی۔

اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ نجی سرمایہ کاری کا موجودہ دور میں فروغ ضروری ہے۔ لیکن پبلک سیکٹر کی قیمت پر نہیں۔ اس شعبے میں مارشل لاء حکومت کی موجودہ پالیسی جو سامراجی اداروں اور ان کے مشیروں کے نہایت ہی "قیمتی" مشوروں سے عمل میں لائی جا رہی ہے ملک کے اندر بے انداز ناہمواریاں پیدا کرے گی۔ اول تو موجودہ بین الاقوامی اور ملکی حالات میں بڑے نجی سرمایہ داروں کو ۱۹۶۰ء کے عشرے کی طرح سرمایہ کاری کرنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر وہ تیار بھی ہو جائیں تو پبلک سیکٹر کو نقصان پہنچا کر جو پالیسی اختیار کی جائے گی وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گی۔

تجارت

گذشتہ پانچ سال کے دوران ملکی ذرائع ابلاغ تجارتی میدان میں حکومت اور نجی سرمایہ

www.bhutto.org

داروں کے کارناموں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے ہیں۔ اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس شعبے میں معجزے برپا کر دیئے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس شعبے میں بھی حالات نہ صرف بہتر نہیں ہیں بلکہ دگرگوں ہیں۔ پاکستان کی صنعت کو برآمدی تجارت کے فروغ کی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن نتائج اس کے بالکل برعکس نکل رہے ہیں۔ عوام کو برآمدات میں ترقی کی خوشخبریاں سنائی جاتی ہیں۔ لیکن درآمدات کا اول تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا ہے اور اگر کیا بھی جاتا ہے تو نہایت دبے لفظوں میں اور حقائق پر پردہ پوشی کے انداز میں ۔ ۱۹ مارچ ۱۹۸۱ء کے روزنامہ "مسلم" نے یہ لکھا ہے کہ "یہ بات درست ہے کہ پاکستان کی برآمدات نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہیں۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ہماری برآمدات ۲۳ ارب ۶۵ کروڑ روپیہ کی تھیں جو ۸۱-۱۹۸۰ء میں بڑھ کر ۲۹ ارب ۵۰ کروڑ روپیہ تک پہنچ گئیں لیکن یہ حکومتی نمائندے جان بوجھ کر درآمدات کا ذکر نہیں کرتے کہ وہ کس شرح سے بڑھ رہی ہیں۔ حکومت کے شائع کردہ بنیادی حقائق کے مطابق گذشتہ تین سالوں میں بیرونی تجارت میں خسارہ دوگنا ہو گیا ہے۔"

پاکستان کی تینتیس سالہ تاریخ میں کبھی بھی تجارت میں خسارہ ۴ ارب روپے سالانہ کے حساب سے نہیں بڑھا جیسا کہ گذشتہ تین سال میں بڑھا ہے۔ دوسرے یہ اس وقت ہوا ہے جبکہ ملک اسی خسارے کو ایک ارب ۵۰ کروڑ روپے تک کم کر چکا تھا اور پھر یہ ایسے سالوں میں ہوا ہے جبکہ یہ تین سال عموماً اس سے پہلے سات سالوں کی نسبت زیادہ پرامن سال شمار کئے جاتے تھے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ درآمدی اور برآمدی تجارت کا پھیلاؤ اعداد و شمار کی حد تک بڑی تیزی سے بڑھا ہے (اس کی ایک وجہ روپیہ کی قیمت میں متواتر کمی ہے) اور وہ ۷۰ ارب روپے سے بڑھ کر گذشتہ سال ۹۰ ارب روپے تک پہنچ گیا ہے۔ جو اس سے پہلے سال سے ۲۰ ارب روپے زیادہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ درآمدات جو ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۴۰ ارب ۷۰ کروڑ روپیہ تک تھیں۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں بڑھ کر ساٹھ ارب روپے تک پہنچ گئیں جبکہ برآمدات ۲۰ ارب ۳۰ کروڑ روپے سے صرف ۲۰ ارب ۸۰ کروڑ روپے تک بڑھ سکیں۔ جب سے مارشل لاء لگا ہے تجارت میں خسارہ متواتر بڑھتا ہی چلا گیا ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں تجارت میں خسارہ پونے بارہ ارب روپے کے قریب تھا۔ جو بڑھ کر ۸۱-۱۹۸۰ میں تیس ارب روپیہ کے قریب ہو گیا۔ اب ۸۲-۱۹۸۱ کے جولائی سے مئی تک

برآمدات ۲۲ ارب ۸۲ کروڑ روپے کے قریب تھیں اور درآمدات ۴۹ ارب روپے کے قریب ۔ ۲۶ ارب کے اس تجارتی خسارہ کے علاوہ پاکستان کو تیل کی درآمد کا بل جو ۲۰ ارب روپے کے قریب ہے بھی ادا کرنا ہو گا۔

درآمد برآمد تجارت کا ایک اور پہلو بھی حوصلہ افزا نہیں۔ پچھلے چند سالوں میں برآمدات میں زرعی اجناس کا حصہ پھر بڑھتا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں یہ ۳۵.۷ فیصد تھا۔ جو ۸۱-۱۹۸۰ میں بڑھ کر ۴۶.۱ فیصد ہو گیا۔ برآمدات میں ہماری مصنوعات کا حصہ کم ہو رہا ہے۔ اس دوران میں مصنوعات کی برآمدات کا حصہ ۴۹.۲ فیصد سے کم ہو کر ۴۲.۹ فیصد رہ گیا ہے اور نیم مصنوعات کا ۱۴.۷ فیصد سے کم ہو کر ۱۱ فیصد رہ گیا ہے۔

(مسلم ۱۹ جولائی ۸۱ء)

۸۲-۱۹۸۱ میں بھی یہی صورت حال قائم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ملک صنعتی ترقی کے راستے پر گامزن ہونے کی بجائے پس ماندگی کی ترقی کے راستے پر چل رہا ہے۔

۸۲-۱۹۸۱ میں زرعی اجناس (چاول اور کپاس) کی برآمد میں بھی کمی واقع ہوئی۔ چاول کی برآمد ۵۷۰ کروڑ روپیہ سے کم ہو کر ۳۹۲ کروڑ روپیہ رہ گئی۔ اور کپاس کی برآمد ۵۰۰ کروڑ روپیہ سے کم ہو کر ۲۸۳ کروڑ رہ گئی۔ اسی طرح قالینوں کی برآمد بھی ۲۱۵ کروڑ روپیہ سے کم ہو کر ۱۵۵ کروڑ روپیہ رہ گئی ہے۔

(۵ جولائی ۱۹۸۲ ۔ مسلم)

۸۲-۱۹۸۱ء میں منصوبہ بندی کے مطابق برآمدی تجارت کا ہدف پورا نہیں ہو سکا۔ یہ ہدف ۴۰ ارب روپیہ کی برآمدی تجارت کا تھا۔ لیکن ۸۲-۱۹۸۱ میں برآمدی تجارت ۲۵ ارب روپے سے نہ بڑھ سکے گی۔

ہماری برآمدات سے بھی ظاہر ہے کہ ہماری معیشت کی نشوونما صحیح بنیادوں پر استوار نہیں ہو رہی۔ کل درآمدات میں کیپٹل گڈز کا حصہ متواتر کم ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں ان کا حصہ ۵۰.۴ فیصد تھا۔ جبکہ ۱۹۷۸ میں ۳۳.۴ فیصد اور ۱۹۷۹ میں ۳۰.۱ فیصد' ۱۹۸۰ میں ۳۵.۵ فیصد اور ۱۹۸۱ میں ۲۷.۸ فیصد ہو گیا۔ اسی طرح ۱۹۷۰ء میں کل درآمدات کا ۱۰.۵ فیصد صنعتی سامان کے لئے کچا مال درآمد کیا گیا ہے۔ یہ ۱۹۸۰ میں ۶.۳ فیصد اور ۱۹۸۱ میں ۷.۶ فیصد ہو گیا لیکن استعمال کی چیزیں بنانے کے لئے صنعتی کچے مال کی درآمد ۲۹.۱ فیصد سے ۱۹۸۰ میں ۴۲.۳ فیصد اور ۱۹۸۱ میں ۵۰.۱ فیصد ہو گئی۔

(ویو پوائنٹ ۸ جولائی ۱۹۸۲)

www.bhutto.org

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ زور تو صنعتی سامان کی برآمدات بڑھانے پر دیا جا رہا ہے لیکن عملی طور پر معیشت کا انحصار درآمدات پر زیادہ ہوتا جا رہا ہے اور درآمدات بھی ایسے سامان اور مال پر مشتمل ہیں جو ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے کی بجائے سرمایہ دار ملکوں کا محتاج بنا رہی ہیں۔ اور اپنی مشین سازی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔

ہماری ساٹھ فیصد تجارت سامراجی ممالک سے بندھی ہوئی ہے۔ سامراجی ممالک چند سالوں سے نہایت خطرناک کساد بازاری کا شکار ہیں۔ وہ اپنے معاشی بحران کا تمام تر بوجھ پس ماندہ ممالک پر ڈالے چلے جا رہے ہیں اور ہماری پسماندگی اور محتاجی کو اور بڑھائے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے گماشتہ سرمایہ دار اور حکمران اپنے منافعوں اور حکومت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی معاشی ماتحتی کو ترقی کے لبادے میں پیش کر رہے ہیں اور وہ بھی ان شعبوں میں جن میں ترقی کر کے ہم خود کفیل نہ ہو سکیں بلکہ اور زیادہ محتاج ہو جائیں۔ وہ ہمیں سامان تعیش دینے کے لئے اپنے پروپیگنڈا کے حربے استعمال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری مارکیٹیں الیکٹرانک سامان سے بھری پڑی ہیں۔ ایک ارب روپے سالانہ کی کاریں تو ہم صرف جاپان سے ہی درآمد کر رہے ہیں اور مختلف ممالک سے ہم ہر سال اٹھارہ ہزار ٹریکٹر اور اس سے بھی زیادہ ٹرک اور بسیں درآمد کر رہے ہیں۔ ان مشینوں کے چھوٹے سے چھوٹے پرزے بھی ہم بنانے کے قابل نہ ہیں۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ فاضل پرزے اصل مشینری سے بھی زیادہ مہنگے درآمد کئے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں بیرونی تجارت میں خسارے ہم انسانی گوشت پوست اور عقل و دانش کی برآمد سے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

محنت کشوں کی برآمد

پاکستان کی سب سے "کامیاب" پالیسی انسانوں کی برآمد کی پالیسی ہے یوں تو پچھلے ۳۶ سال سے پاکستانی محنت کش بہتر زندگی کی سہولتوں کی تلاش کے لئے بیرون ملک خصوصاً یورپ اور امریکہ میں قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ لیکن ۱۹۷۰ کے عشرے میں اندرون ملک بے روزگاری' غربت اور اجرتوں اور بیرون ملک خصوصاً عرب ممالک اور یورپ میں نسبتاً بہتر اجرتوں نے پاکستانی محنت کشوں کے لئے مقناطیسی قوت کا کام کیا۔ اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں زیورات' گھربار' ڈھور ڈنگر اور اپنے دوسرے اثاثے بیچ بیچ کر پاکستان کو خیرباد کہہ

www.bhutto.org

کر دوسرے ممالک میں سرگرداں نظر آنے لگے۔ اس وقت تقریباً ۲۵ لاکھ پاکستانی کاریگر اور دوسرے فنی ماہرین ڈاکٹرز' انجینئرز' اساتذہ وغیرہ اور عام مزدور زمینوں کو آباد کرنے کے لئے بھی بیرون ملک کام کر رہے ہیں۔ صرف عرب ممالک میں اس وقت بارہ لاکھ پاکستانی ملازمتیں کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی محنت کش جنہیں مختلف کمپنیوں نے جعلی پاسپورٹوں پر باہر بھجوایا ہے۔ مختلف ممالک میں جیلیں کاٹ رہے ہیں۔ سعودی عرب میں ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی جیلوں میں بند پڑے ہیں۔ وزیر محنت کے مطابق اب بھی ۵ صد پاکستانی سعودی عرب کی جیلوں میں ہیں۔ صرف ۸۱-۱۹۸۰ میں دو لاکھ چھیانوے ہزار ایک صد چھتیس پاکستانی وطن عزیز کو چھوڑ کر تلاش معاش میں بیرون ملک گئے ہیں۔ اور ہر سال کم و بیش اتنی ہی تعداد اب بھی باہر جا رہی ہے۔ یہ پاکستانی نہایت ہی ناسماعد حالات میں اپنے عزیز و اقارب سے دور بیٹھے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے اربوں روپے کا زرمبادلہ کما کر پاکستان میں بھیج رہے ہیں جو ۸۱-۱۹۸۰ میں ۲۰ ارب روپے سے تجاوز کر گیا تھا۔ اور ۸۲-۱۹۸۱ میں تیس ارب روپے تک پہنچ گیا تھا۔ یہ لاکھوں افراد جنہیں اپنے ملک میں ملازمتیں نہیں ملتیں اور اگر ملتی ہیں تو پاکستانی حکومت اور سرمایہ دار انہیں اس قدر کم معاوضہ دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو دو وقت کی روٹی بھی ٹھیک طرح نہیں دے سکتا۔ چنانچہ وطن عزیز کے یہ جیالے فرزند ڈاکٹرز' کاریگر' انجینئر اور دوسرے ہنر مند جنہیں ماہر بنانے میں پاکستان کا کروڑوں روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کو بہتر معاوضہ کے حصول کے لئے دوسرے ملکوں میں جا کر بیچتے ہیں اور بیرونی ملکوں میں جا کر کمائی کرنے کی یہ کشش اس قدر پرزور ہے کہ اگر لوگوں کو باہر جانے کی سہولتیں میسر آ جائیں اور مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو بخدا سارے کے سارے پاکستانی کاریگر' دوسرے ماہرین اور نوجوان مرد اور عورتیں اس مملکت خداداد پاکستان کو جو اسلامی نظام کے قیام کے لئے وجود میں آئی تھی چھوڑ کے چلے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ ۳۵ سال میں سامراجی مشروط قرضوں سے یہاں بانجھ اور محتاج معیشت کی نشوونما کی گئی ہے۔ اس میں اتنی زرخیزی اور کشش ہی نہیں کہ وہ اپنے فرزندوں کو باعزت روزگار مہیا کر سکے۔ اور اگر باہر جانے کے یہ راستے نہ کھلتے تو یقیناً آج پاکستان میں ۴ لاکھ کی بجائے ۳۰ لاکھ بے روزگار ہوتے اور ایسا طوفان اٹھاتے کہ اس سامراج کے طفیلی نظام معیشت کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتے۔ اس طرح گویا یہاں کے ارباب اختیار کے لئے کچھ عرصہ کے لئے بے روزگاری کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو گیا ہے پھر یہ ۲۵ لاکھ افراد پاکستان میں رہ کر لاکھوں ٹن اناج استعمال کرتے اور گندم

www.bhutto.org

میں خود کفالت کے خواب کو کچھ عرصہ اور شرمندہ تعبیر نہ ہوتے اور سب سے بڑھ کر تو یہ بات ہے کہ بیرونی تجارت میں تیس ارب روپے کا سالانہ خسارہ ان کی بھیجی ہوئی رقوم کی وجہ سے کم ہو کر صرف ایک ارب روپے کے قریب رہ جاتا ہے۔ اس طرح وہ پاکستان کی ڈانواں ڈول معیشت کو سہارا دینے کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ اور ملک کے اندر سوا کروڑ انسانوں کی نہ صرف کفالت کرتے ہیں بلکہ انہیں آن واحد میں زندگی کی نئی اور مفید آسائشوں سے بھی بہرہ ور کر رہے ہیں۔ موجودہ حکمرانوں کی حکمرانی قائم رکھنے کے لئے تو یہ فوری فوائد بہت ہی منافع بخش ثابت ہو رہے ہیں مگر درحقیقت یہ راستہ پاکستانی معیشت کو کھوکھلا اور پاکستانی عوام کے مستقبل کو تاریک بنانے کا موجب بن رہا ہے۔ پاکستانی صنعت میں انجینئروں اور کاریگروں کی متواتر کمی واقع ہو رہی ہے۔ گدو تھرمل اسٹیشن کے ۳۰ انجینئروں میں سے ۲۸ بیرون ملک چلے گئے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹروں کی اکثریت بھی بیرون ملک چلی جاتی ہے۔ اور پاکستانی عوام کی صحت بہتر بنانے کے لئے انہیں ڈاکٹر میسر نہیں آتے۔ صنعتی پیداوار میں کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے یہ کاریگر اور ماہرین ملک کے اندر پیداواری عمل میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور جو حصہ لیتے ہیں ان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ملک سے باہر جانے والے افراد پیداوار تو کسی اور ملک میں کرتے ہیں اور جو زرمبادلہ وہ پاکستان میں بھیجتے ہیں اسے استعمال حکومت' صنعت کار' بڑے سرمایہ دار بڑے تاجر کرتے ہیں۔ اور اس کے عوض میں ان کے لواحقین کو پاکستانی کرنسی مہیا کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے افراط زر روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور مہنگائی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں بیرون ملک سے کمائے ہوئے روپے سے ملک کے اندر طرح طرح کی بے راہ رویاں جنم لے رہی ہیں۔ رنگ رنگ کے فتنے پرورش پا رہے ہیں۔ مصنوعی نام و نمود' چمک دمک' اخلاق باختہ عیاشیاں سارے سماج کو گھن کی طرح چاٹتے جا رہی ہیں اور فحاشی کے خلاف مہموں کا منہ چڑا رہی ہیں۔ مستقبل قریب میں جب بیرون ملک ملازمتوں کے دروازے بند ہو جائیں گے اور ان لوگوں کو مجبوراً وطن واپس آنا پڑے گا اور یہاں گذارہ کرنا پڑے گا تو انہیں پاکستان کی پس ماندہ معیشت آسانی سے جذب نہ کر پائے گی اور یہ لوگ پاکستانی سماج کے اندر ایک قسم کی انتاء کو پیدا کرنے کا موجب بنیں گے۔

زراعت

ارباب اقتدار نے اب کچھ عرصہ سے عوام کو یہ خوشخبری بھی سنانا شروع کر دی ہے کہ

www.bhutto.org

پاکستان زرعی اجناس کی پیداوار میں خود کفیل ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق زرعی جناس کی پیداوار میں ترقی ہوئی ہے۔ گندم' کپاس اور چینی کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے اور ۸۱۔۱۹۸۰ء میں گندم ایک کروڑ دس لاکھ چونتیس ہزار ٹن ہوئی اور کپاس اور چینی کی پیداوار میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ لیکن یہ اضافہ ارباب اقتدار کی کسی خاص نئی منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں ہے۔ زرعی شعبہ میں سرمایہ دارانہ نظام کی نشوونما کے لئے ایوبی دور میں معمولی سی زرعی اصلاحات ہوئی اسکے بعد پیپلز پارٹی کے دور میں اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مزید اصلاحات کی گئیں اور اس کے ساتھ ہی کاشتکاری اور خاص طور پر کسانوں کے لئے سودی قرضوں کی سہولتوں' کھاد اور کیڑے مار دوائیوں کی فراہمی اور چودہ پندرہ ہزار ٹریکٹروں کی سالانہ درآمد کا بندوبست کیا گیا۔ موجودہ حکومت نے اس شعبہ میں کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا بلکہ اسی پالیسی کو مزید آگے بڑھایا ہے اور اب ٹریکٹر ۱۸ ہزار کے قریب سالانہ درآمد ہو رہے ہیں۔ اور فیٹ اور آئی ایم ٹی ٹریکٹروں کو جوڑنے کے لئے ورکشاپیں بنائی گئی ہیں البتہ سوویت یونین کے ساتھ نئے معاہدہ کے ذریعے بیلارس ٹریکٹر بنانے کا کارخانہ لگانے کا فیصلہ کیا گیا ہے لیکن ابھی تک یہ منصوبہ بندی کے مرحلہ میں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مارشل لا کے پہلے چار سالوں میں قدرت پاکستان پر بے حد مہربان رہی ہے جس نے فیصلوں کے لئے بہترین موسم مہیا کیا ہے۔ دوسرے ملک سے ۲۵ لاکھ افراد ملک سے باہر ہیں اور آئندہ بھی دھڑا دھڑ لوگ باہر جا رہے ہیں جن کے حصے کے اناج کی بچت ہوتی ہے۔ اور چینی کی پیداوار میں اضافہ ان ملوں کا مرہون منت ہے جنہیں ۱۹۷۶ میں پتوکی' ساہیوال' پسرور' اور لاڑکانہ وغیرہ میں لگانا شروع کیا گیا تھا۔ اور جو ۱۹۷۹ء کے لگ بھگ چالو ہوئیں۔ لیکن ۸۲۔۱۹۸۱ میں موسم کی تھوڑی سی خرابی کی وجہ سے گندم کی پیداوار میں بھی ایک کروڑ بائیس لاکھ ٹن کا مقرر شدہ ہدف پورا نہیں ہو سکا۔ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ چاول جو ہماری برآمدات کی آمدنی کا بڑا حصہ یعنی ۵ ارب روپیہ مہیا کرتا ہے کی پیداوار میں بتدریج کمی ہو رہی ہے۔ چاول کی پیداوار جو ۷۹۔۱۹۷۸ میں ۳۰ لاکھ ۲۷ ہزر ٹن تک پہنچ گئی تھی' ۸۰۔۱۹۷۹ میں کم ہو کر ۳۰ لاکھ ۲۰ ہزار ٹن رہ گئی۔ اور ۸۱۔۱۹۸۰ میں ۳۰ لاکھ چھ ہزار ٹن۔ اس سال بارشوں میں کمی کی وجہ سے چاول کی بوائی ۲۵ فیصد کم ہوئی ہے اور بہت کم پیداوار ہونے کی امید ہے۔ دالوں کی پیداوار میں تیس فیصدی کمی واقع ہوئی ہے اور پاکستان کو ایک زرعی ملک ہوتے ہوئے بھی ہر سال کروڑوں روپے کا خوردنی

www.bhutto.org

تیل باہر سے منگوانا پڑتا ہے لیکن خوردنی تیل پیدا کرنے والی اجناس کی پیداوار میں برابر کمی واقع ہو رہی ہے۔

زرعی شعبہ میں اس "ترقی" کے باوجود قیمتوں میں کمی کا رجحان پیدا نہیں ہو سکا جبکہ جمیعت علمائے پاکستان کے سرکردہ رہنما نے ۱۹۷۷ میں یہ نعرہ لگایا تھا کہ وہ پیپلز پارٹی کی حکومت کو ختم کر کے ۱۹۷۰ کی قیمتیں واپس لائیں گے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت تو ختم ہو گئی لیکن یہ قیمتیں برابر بڑھ رہی ہیں۔ یہاں پر ۱۹۷۳ اور جولائی ۱۹۸۲ میں عام استعمال کی چیزوں کی قیمتوں کا موازنہ کیا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ باوجود مارشل لا کے سخت قوانین کے حکومت بھی قیمتوں پر کنٹرول نہیں کر سکی اور پاکستانی عوام باوجود پیداوار میں قدرے اضافہ کے قیمتوں کے بوجھ تلے پس رہے ہیں۔

	۱۹۷۳	جولائی ۱۹۸۲
گندم	۲۹ روپے من	۶۵ روپے من (بلکہ اس سے بھی زیادہ)
چاول	۱۰۰ روپے من	۲۸۰ روپے من
دال ماش	۱۴۰ روپے من	۳۰۰ روپے من سے زائد
چینی	۱۰۰ روپے من	۲۸۰ روپے من کنٹرول
گڑ	۸۵ روپے من	۱۳۰ روپے من
دیسی گھی	۴۰۰ روپے من	۱۴۰۰ روپے من
گوشت گائے	۳ روپے سیر	۱۵ روپے سیر
گوشت بکرا	۷ روپے سیر	۲۵ روپے سیر
مٹھائی	۵۰ / ۴ روپے سیر	۲۲ روپے سیر
مرغی	۱۰ روپے فی عدد	۳۵ روپے فی عدد
انڈے	۵۰ / ۳ روپے درجن	۹ روپے درجن
بناسپتی گھی	۷۵ / ۴ روپے فی سیر	۱۲ روپے فی سیر
صابن کپڑے دھونیکا	۵۰ / ۲ روپے فی سیر	۱۲ روپے سیر
لائف بوائے صابن	ایک روپیہ	۳.۵ روپے فی ٹکیہ
ململ	- / ۴ روپے گز	چھ روپے سے ۱۲ روپے فی گز
لٹھا	۵۰ / ۴ گز	۱۲ روپے فی گز

پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے مطابق ۷۹-۱۹۷۸ میں افراط زر کی شرح ۲۸

www.bhutto.org

فیصدی رہی اور ۸۰-۱۹۷۹ میں ۳۰ فیصدی، ۷۹-۱۹۷۸ میں عام استعمال کی چیزوں کی قیمت بالترتیب ۲۸ فیصدی اور ۳۰ فیصدی کے حساب سے بڑھی۔ اس دوران میں گندم کی قیمت ۳۲ فیصدی، دالوں کی قیمت ۴۶ فیصدی، بکرے کے گوشت کی قیمت ۲۶ فیصدی، گڑ کی قیمت ۱۳۴ فیصدی، سگریٹ کی قیمت ۴۴.۷ فیصدی، مٹی کے تیل کی قیمت ۱۴۵ فیصدی کپڑے کی قیمت ۲۶.۷ فیصدی، بناسپتی گھی کی قیمت ۱۰.۷ فیصدی اور پٹرول کی ۵۷ فیصدی کے حساب سے قیمت بڑھی۔ ریل اور بسوں کے کرائے بھی مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ حال ہی میں دوائیوں کی قیمتوں میں ۲۰ فیصدی اضافہ کر دیا گیا ہے پٹرول کی قیمت مزید بڑھا دی گئی ہے۔ دھان کی سرکاری خرید میں تین روپے کا اضافہ کیا گیا ہے اور ماہ اکتوبر ۱۹۸۲ میں گندم کی قیمت میں مزید تین روپے فی ۴۰ کلو اضافہ کیا گیا ہے۔ کھاد اور کیڑے مار دوائیوں اور بجلی کے نرخوں میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اور اب یوریا کھاد کی قیمت ۱.۳ روپے فی بوری سے بڑھا کر ۱۱۸ روپے فی بوری کر دی گئی ہے۔

حکومت کی جاری کردہ "پاکستان بنیادی حقائق ۸۱-۱۹۸۰" کے مطابق ۸۲-۱۹۸۱ میں عام استعمال کی چیزوں کی قیمتوں میں ۱۰.۴ فیصدی اضافہ ہوا ہے لیکن بڑھی ہوئی مہنگائی کے مطابق ملازمین اور دوسرے محنت کشوں کی تنخواہیں نہیں بڑھیں۔ حالیہ بجٹ میں تنخواہوں میں جو اضافہ کیا گیا ہے وہ محض اشک شوئی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جن اجناس کی پیداوار بڑھنے سے عوام کو بجائے سہولت کے مزید بوجھ اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اس صورت حال کو ایک مقامی روزنامے میں ایک کارٹون کے ذریعہ نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کارٹون میں دو آدمی نہایت ہی خضوع و خشوع سے دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ بدین میں مزید تیل کی دریافت کی خبر ٹھیک نہیں ہونی چاہئے ورنہ تیل کی قیمتیں اور بڑھ جائیں گی۔ معاشرتی ترقی کا یہ پہلو نہایت ہی اذیت ناک ہے۔ پیداوار کے بڑھنے سے صرف بڑے بڑے سرمایہ دار اور تاجر اور زمیندار ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ عوام کے لئے یہ صورت مزید مشکلات کا موجب بن رہی ہے۔

بیرونی قرضے، معاشی محتاجی، گماشتہ خارجہ پالیسی

پاکستان کی ترقی کے لئے بیرونی قرضے حاصل کرنے کی پالیسی کوئی نئی پالیسی نہیں ہے۔ یہ پالیسی اسی صدی کے پانچویں چھٹے عشروں میں پاکستان کی ترقیاتی پالیسوں کا بنیادی پتھر بنی رہی ہے اور سامراجی مشروط قرضوں کی مدد سے پاکستان کی محتاج معاشی ترقی اور بڑا بیڑہ میں

www.bhutto.org

امریکی سامراج کے فوجی اڈوں کے قیام کا باعث بنی رہی ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کی اس پالیسی کی بدولت امریکی سامراج پندرہ برس تک پاکستان کی معاشی' سیاسی اور ثقافتی زندگی پر چھایا رہا ہے۔ اور ہمارے ارباب اقتدار نے اسلامی قدروں کے فروغ' صنعتی اور زرعی ترقی اور ملکی دفاع کے نام پر پاکستان کو امریکی سامراج کا غلام اور اس کی طفیلی ریاست بنا کر رکھ دیا ہے۔ پاکستان کو مختلف غلامانہ معاشی' سیاسی اور فوجی معاہدوں میں جکڑا گیا۔ مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے پاکستان پہلے شاہ ایران کے ساتھ بغداد پیکٹ اور پھر سینٹو اور سیٹو کے معاہدوں کا ممبر بنا جن کے نتیجے میں پاکستان کی نام نہاد ترقی کے نام پر امریکی ماہرین کے ریوڑ کے ریوڑ پاکستان کی معاشی چراگاہوں میں "عقل کل" کی حیثیت سے دندناتے پھرنے لگے۔ آخر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر یہ پول بھی کھل گیا کہ امریکی سامراج کے ساتھ یہ دفاعی معاہدے پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کے لئے نہیں تھے بلکہ محض ان خطوں میں امریکی مفادات کی چوکیداری کے لئے تھے۔ اور اس تمام عرصہ میں پاکستان صرف امریکی سامراج کے گماشتہ کا کردار ادا کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد پھر چھٹے عشرے کے آخر میں سامراجی مشروط قرضوں کی مدد سے زرعی اور صنعتی ترقی کے متعلق بھی اصل حقائق عوام کے سامنے آنے لگے۔ اور لوگوں کو پتہ چلا کہ نہ صرف پاکستان کی دولت کا ۸۵ فیصدی حصہ بیس بائیس گھرانوں کے پاس مرکوز ہو چکا ہے بلکہ ایشیا کا یہ زرعی ملک گندم اور خوردنی تیل کا مستقل طور پر درآمد کا محتاج بھی بن چکا ہے اور اس ملک کی اکثر صنعتیں فالتو پرزوں اور خام مال کے لئے سامراجی ممالک کی دست نگر بن چکی ہیں اور پاکستان میں ایک محتاج معیشت کو اس انداز سے ترقی دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اور ایک آزاد مملکت کی بجائے معاشی طور پر بالکل غلام بن کر رہ گیا ہے۔ اربوں روپے کا مقروض ہونے کے باوجود وہ کوئی بنیادی صنعت نہیں لگا سکا۔ اس نے ایک بھی فولاد کا کارخانہ نہیں لگایا۔ وہ اپنی ملکی ضروریات کے لئے مشینوں کے فالتو پرزے تک نہیں بنا سکتا۔ بلکہ تمام مشینری اور پرزے باہر سے منگوانے پر مجبور ہے۔ اور اگر وہ اس راہ سے انحراف کرے تو وہ امریکی سامراج کے عتاب کا نشانہ بنے اور اس کی تمام تر معیشت کا بھٹہ بیٹھ جائے۔ الغرض کہ پاکستان کو نظر نہ آنے والے سامراجی شکنجوں میں اس طرح جکڑ دیا گیا کہ اس سے نجات حاصل کرنا ایک کٹھن اور صبر آزما جدوجہد کا کام ہے۔

چنانچہ چھٹے عشرے کے آخر اور ساتویں عشرے کے شروع میں تمام اطراف سے مشروط سامراجی قرضوں کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔ بائیں بازو کے سیاسی رہنما اور

www.bhutto.org

کارکن تو شروع سے ہی ان غلامانہ پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کرتے چلے آرہے تھے اور اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے تھے' اب ملک کے معاشی ماہرین کا بھی ماتھا ٹھنکا اور وہ بھی اپنے مضامین اور بیانات کے ذریعے ان مشروط سامراجی قرضوں کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ حتیٰ کہ دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کو بھی عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مجبوراً ان کے خلاف آواز اٹھانی پڑی اور "نوائے وقت" جیسے رجعت پسند اخبار نے بھی بالآخر مشروط قرضوں کی ان حکومتی پالیسیوں کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ بین الاقوامی ماہرین اقتصادیات بھی سامراجی مشروط قرضوں کے تیسری دنیا پر مرتب ہونے والے زہریلے اثرات کو ننگا کرنے لگے۔ اور ان قرضوں سے کی جانے والی تعمیر و ترقی کو پسماندگی کی ترقی سے تعبیر کرنے لگے۔

کچھ عرصہ ہوا روزنامہ "مسلم" نے اپنے ایک اداریئے میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پاکستان اس قدر مقروض ہونے کے باوجود عالمی برادری میں پیداوار کے لحاظ سے دنیا کے ملکوں میں ۱۰۱ نمبر پر ہے۔ اور دنیا کے غریب ترین ۳۴ ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ گذشتہ ۳۵ برسوں میں مختلف سامراجی ممالک سے جو قرضے لئے گئے ہیں' ان سے ملکی معیشت میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ اس اداریہ میں خود ہی اس کا جواب یوں دیا گیا ہے۔ "اقتصادی ماہرین کے مطابق یہ سرمایہ صنعتی ملکوں کو ہی واپس لوٹا دیا گیا اور ایسے سامان کی قیمت ادا کرنے میں صرف کیا گیا جو ترقیاتی قدر و قیمت نہ رکھتے تھے جبکہ باقی روپیہ (ان قرضوں کا) مشکوک ماہرین کی رائے وغیرہ حاصل کرنے اور ان کے مشورے اور خدمات خریدنے میں صرف کیا گیا۔

("مسلم" ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء)

چند سال پہلے مغربی جرمنی کے ماہر اقتصادیات مسٹر شیل جو جرمنی کی نازی پارٹی کے رکن رہ چکے ہیں' نے بھی کثیر معاوضہ لے کر ایسے ہی مشوروں سے مارشل لاء حکومت کو نوازا۔ پاکستانی معاشی ماہرین کے ہر مکتبہ فکر نے ان مشوروں کو مسترد کر دیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں جب امریکی حکومت پاکستان میں ایٹمی تحقیقات بند کروانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے پاکستان کی امداد بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس پر صدر ضیاء الحق نے ایک بیان میں کہا۔ "امریکہ ایک آزاد ملک ہے اور سپر پاور ہے۔ اسے ہر فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ امداد بند کر کے امریکہ نے حقیقتاً ہماری مدد کی ہے۔ اب ہم اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بن جائیں گے"۔

www.bhutto.org

(پاکستان ٹائمز ۲۳ اپریل ۷۹ء)

ظاہر ہے کہ یہ اعلان کرتے وقت جنرل ضیا بھی یہ سمجھتے تھے کہ امریکی امداد پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قابل نہیں بناتی بلکہ اپاہج اور طفیلی بناتی ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد امریکی صدر نے سولہویں صدی میں بحری قذاق اور لٹیرے کی طرح یہ اعلان کیا کہ خلیج کے علاقے سے اس کے قومی مفادات وابستہ ہیں اور وہ ایک لاکھ دس ہزار فوجیوں پر مشتمل ایسی تیز رو (R.P.S) فوج تیار کر رہے ہیں جو آن واحد میں امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے اس علاقے میں پہنچ جائے گی۔ اور پھر اس علاقے کے گردا گرد صومالیہ' سوڈان' مصر' کینیا اور اومان وغیرہ میں فوجی اڈے بھی حاصل کر لئے گئے۔ لیکن امریکہ کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ وہ اس علاقے کے قریب ہی اپنی فوج رکھ سکے۔ اور اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کی نگاہیں پاکستان کے صوبہ بلوچستان پر مرکوز ہیں۔ اس سلسلہ میں صدر کارٹر نے پاکستان کو ۴ ارب روپے قرضے کی پیش کش کی جسے صدر ضیاء الحق نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ بہت کم ہے اور مونگ پھلی کے برابر ہے۔ اس لئے وہ اسے قبول کر کے مفت میں سوویت یونین کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتے۔ گویا کہ صدر ضیاء الحق نے یہ امریکی امداد قبول کرنے سے محض اس بنا پر معذوری ظاہر کر دی کہ یہ بہت کم ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہ امداد پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں بنا سکے گی بلکہ محتاج بنا دے گی۔ اور پھر اس یک ساتھ ہی افغان مجاہدین کو ہر قسم کی سہولتیں' اخبار چھاپنے' جلسے کرنے' ٹریننگ لینے' پراپیگنڈہ کرنے' دفاتر بنانے اور اسلحہ کی ترسیل وغیرہ کے لئے مہیا کرنی شروع کر دی گئیں۔ اور یہ پراپیگنڈہ نہایت ہی منظم طریقے سے شروع کر دیا گیا کہ خلیج کے علاقے کو سوویت یونین سے خطرہ ہے۔

"واشنگٹن پوسٹ" کے نامہ نگار "جوزف کرافٹ" کو انٹرویو دیتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے یہ کہا کہ "افغانستان پر سوویت یونین کے حملہ نے پاکستان کو صف اول کی ریاست بنا دیا ہے کیونکہ پاکستان خلیج کا عقبی دروازہ ہے اور اگر یہ دروازہ محفوظ نہ رہے گا تو خلیج بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اس لئے افغان مدافعت کو مدد کی ضرورت ہے خاص طور پر توپ بردار ہیلی کاپٹروں کو مار گرانے کے لئے زمین سے چلائے جانے والے میزائیلوں کی ------- دراصل امریکہ کی طرف سے یہ امداد بہت پہلے ملنی چاہئے تھی۔"

(پاکستان ٹائمز ۸ مارچ ۸۱ء)

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک امریکی افسر مسٹر مرفی کے مطابق پاکستان نے امریکہ کی تین

ڈویژن فوج اپنے علاقے میں رکھنے کی پیش کش کی ہے۔ اگرچہ آغا شاہی نے اس خبر کو غلط قرار دیا ہے لیکن مسٹر مرفی نے اس کی تردید نہیں کی۔ ۱۹۸۱ء کے شروع میں آغا شاہی نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ پاکستان امریکہ سے کوئی فوجی معاہدہ نہیں کر رہا اور نہ ہی اسے کوئی اڈہ وغیرہ دے رہا ہے اور یہ کہ پاکستان اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یہ خبریں متواتر آرہی ہیں کہ پاکستان بلوچستان میں اپنے ہوائی اڈوں کی توسیع کر رہا ہے چنانچہ غیر جانبدارانہ پالیسی پر جس قدر زیادہ زور دیا جاتا ہے اسی قدر عوام میں شکوک و شبہات بڑھتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اس حکومت نے گذشتہ پانچ سالوں کے دوران جو بھی وعدے کئے' عمل اس کے بالکل برعکس کیا۔ کئی بار انتخابات کروانے کا اعلان کیا گیا لیکن ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے سے یہ انتخابات ملتوی کر دیئے گئے۔ بار بار ۱۹۷۳ء کے آئین کو قائم رکھنے کے عزم کا اظہار کیا گیا لیکن ہر بار اس آئین میں بنیادی ترامیم نافذ کر دی گئیں اور آخر اس آئین کو دفن کرنے کے لئے نئے آئین کی تیاری شروع کر دی گئی۔ اس لئے پاکستان کے عوام بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کے ساتھ نئے تعلقات کے غیر مشروط ہونے کے حکومتی دعوؤں پر ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں امریکی صدر ریگن نے برسر اقتدار آتے ہی پاکستان کو ۳۰ ارب روپے کے قرضے دینے کی پیش کش کی جو پانچ سال کی مدت میں دیا جائیگا اور جس میں سے ہر سال ۴ ارب روپے کا سامان حرب بھی خریدا جا سکے گا۔ اور اس پیش کش کے ہوتے ہی جنرل ضیاء الحق اور پاکستان کے تمام رجعت پسند بھول گئے کہ امریکی قرضے پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دینے کی بجائے' اسے محتاج بناتے ہیں۔ چنانچہ ان قرضوں کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیا گیا اور ریگن کی ڈپلومیسی اور فرض شناسی پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی امریکی سامراج کے زیر اثر بین الاقوامی ادارے عالمی بنک اور بین الاقوامی فنڈ اور دوسرے سامراجی ممالک نے بھی پاکستان کو قرضوں کی پیش کش میں فراخدلی سے کام لینا شروع کیا اور قرضوں کی اقساط کی وصولی بھی ملتوی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

عالمی بنک کے کنسورشیم نے پچھلے سال پیرس میں ہونے والی میٹنگ کے لئے ۸۲-۱۹۸۱ء کی مدت کے لئے ۱۱ ارب ۷۰ کروڑ روپے کا قرضہ منظور کیا تھا جبکہ موجودہ سال کے لئے ۱۰ ارب ۸۷ کروڑ روپے منظور کئے گئے۔ ان میں سے ۶۵ فیصدی قرض پروجیکٹ منصوبوں پر خرچ ہو گا جبکہ ۳۵ فیصدی قرض اجناس کی خریداری پر خرچ ہو گا۔

www.bhutto.org

۸۳۔۱۹۸۲ء کے لئے امریکہ نے اپنی امداد دوگنی کر دی ہے۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے بھی اگلے تین سالوں میں ۱۷ ارب روپے کا نیا قرضہ منظور کیا ہے۔ اور اسلامی ریاستوں نے ۸۲۔۱۹۸۰ء میں ڈیڑھ ارب روپیہ بطور قرض دیا ہے۔ اسی طرح جاپان اور مغربی جرمنی نے پچھلے سال اپنی مالی امداد دوگنی کر دی ہے۔ مارچ ۱۹۸۱ میں ختم ہونے والے سال میں جاپان نے ۱۳ ارب ین امداد دی ہے جو گزشتہ سال سے دوگنی ہے۔ ای ای سی کے ممالک نے ۱۹۸۱ سے پاکستان کے لئے قرضوں کی رقم دو یا تین گنا کر دی ہے۔ اس کے علاوہ پِکک اور آئی ڈی پی سی (پاکستانی ادارے) بھی عالمی بنک سے علیحدہ قرضے لیتے ہیں۔ دو سال پہلے پکک نے عالمی بنک سے ۴۰ کروڑ روپیہ کا قرضہ لیا۔ آئی ڈی پی سی نے بھی ۴۰ کروڑ روپے کے دو قرضے حاصل کرنے کے لئے دو مختلف اداروں کو درخواستیں دے رکھی ہیں۔ (مسلم ۲۶ مئی ۸۱) ۲۳ جولائی ۸۱ء کو پاکستان نے دو ارب روپے کا قرض یورپی کرنسی میں حاصل کیا ہے۔ اس کی مدت ایک سال ہے اور اسی سے خوردنی تیل' مصنوعی کھاد' گندم اور پیٹرول درآمد کیا جائیگا جبکہ سرکاری اعلانات کے مطابق پاکستان گندم میں خود کفیل ہو چکا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ایشیائی ترقیاتی بنک بھی پاکستان کو ۶۰ کروڑ روپے کے قریب قرض دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ سوشلسٹ ممالک سے بھی پاکستان برابر قرض لے رہا ہے۔

وزیر خزانہ غلام اسحاق خاں کے ایک بیان کے مطابق گزشتہ مالی سال کے مقابلہ میں ۸۳۔۱۹۸۱ء کے دوران پاکستان نے غیر ممالک سے قرضوں کی واپسی کے ضمن میں ۹۔ارب ۱۰ کروڑ ۶۶ لاکھ روپے ہو جائے گی حصہ مگر اس رقم کا ۸ء۱۷ فیصد ضہ یعنی ۸ ارب ۸۹ کروڑ ۸۶ لاکھ روپے غیر ملکی قرضوں کے سود کی ادائیگی پر اٹھ جائیگا اور صرف ۲ء۲۸ فیصد رقم اصل قرضہ کی واپسی پر خرچ ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں ملک پر قرضوں کے بوجھ میں کوئی خاص کمی نہیں ہو گی اور یہ جوں کا توں برقرار رہے گا۔ مندرہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ غیر ملکی قرضوں کا خالص سود بھی اس قدر تیزی سے بڑھتا رہا ہے کہ اس کی ادائیگی بھی ہمارے بس سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء تک پاکستان نے غیر ممالک سے کل ۸ء۱۱ ارب ڈالر کے برابر قرضے حاصل کئے ہیں جن میں سے اس تاریخ تک ۹ ارب ڈالر کے قرضے ہم پر واجب الادا ہیں۔ یعنی ۱۱۰ ارب روپے کے قریب' یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان قرضوں کا ایک بڑا حصہ یعنی تقریباً ۴۱ فیصد غیر ترقیاتی مقاصد یعنی اناج' خام مال وغیرہ کی درآمد یا بیرونی ادائیگیوں کا خسارہ

دور کرنے کے لئے حاصل کیا گیا۔"

(مشرق ۱۰ جولائی ۸۲ء)

ایک اندازے کے مطابق حکومت اگلے پانچ سال میں ۸۰ ارب روپے کے نئے قرضے لے گی۔ اس طرح پانچ سال بعد پاکستان ۲۰۰ ارب روپے کا مقروض ہو گا۔ اور سود کی روز افزوں شرح کی وجہ سے اسے ۳۰ ارب روپے سالانہ سے بھی زیادہ قسط ادا کرنی ہو گی۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ نیا قرض صرف پرانے قرض کی ادائیگی پر ہی صرف ہونے لگے گا۔

پاکستان پہلے ہی ہر سال پچھلے قرضوں کی ادائیگی پر غیر پیداواری اخراجات کا ۲۷ فیصد خرچ کرتا ہے جو کہ ہماری برآمدات کا ۳۸ فیصدی ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق جس ملک کو برآمدات کا ۲۰ فیصدی قرضوں کی ادائیگی میں خرچ کرنا پڑے اسکی اقتصادیات سخت مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ سامراجی قرضوں کے نقصان دہ اثرات کے باوجود اور ۲۵ سالہ تجربات سے ان کے پاکستانی معیشت کے لئے تباہ کن ثابت ہونے کے باوجود ہمارے ارباب اقتدار اور حکوت کے ذرائع ابلاغ نہایت ہی احمقانہ طریقے سے خوشیاں منا رہے ہیں اور آن واحد میں وہ اس بات کو بھول گئے ہیں کہ ایسے مشروط قرضوں نے ہی پاکستان کی معیشت میں پسماندگی کا بیج بویا ہے اور اسے سامراجی معیشت کا تتمہ بنا کے رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان آجتک نہ صرف کہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکا بلکہ اس کی معیشت کو سامراجی معیشت کا اس طرح تابع کر دیا گیا ہے کہ اس دلدل سے نکلنے کے لئے اسے سخت جدوجہد اور طویل مدت درکار ہے۔ جس بات کا سب سے زیادہ ذکر اور پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ قرضے غیر مشروط ہیں اور پاکستان نے قرضہ دینے والے ممالک پر واضح کر دیا ہے کہ وہ مشروط قرضے حاصل نہیں کرے گا اور کسی بھی صورت میں اپنی آزادی اور خود مختاری اور غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی کو گروی نہیں رکھے گا۔

آیئے اب ذرا یہ دیکھیں کہ یہ دعوے کس حد تک درست ہیں۔ دراصل حقائق ان بلند بانگ دعووں کے بالکل برعکس ہیں اور یہ دعوے پاکستانی عوام کو محض لوریاں دینے کے مترادف ہیں تا کہ وہ خوشگوار مستقبل کی موہوم امید میں محو خواب ہو جائیں۔ امریکی سامراج میں آج وہ کس بل نہیں کہ جب وہ ساری دنیا کا ان داتا بنا ہوا نظر آتا تھا۔ آج تو

خود امریکہ میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کے قریب محنت کش بے روز گار ہو چکے ہیں اور چند ماہ تک ان کی تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ سے بھی تجاوز کرنے والی ہے۔ اے پی پی کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ کے طول و عرض میں معاشی بحران نے تباہی مچا دی ہے اور لوگ دیہات چھوٹے قصبوں اور بڑے صنعتی شہروں میں ایک ہی طرح پریشان ہیں' بے روز گار اپنی کاروں میں سو رہے ہیں' کاشتکار دیوالیہ ہو رہے ہیں اور دوکانیں بند ہو رہی ہیں۔

(مسلم ۲۶ فروری ۸۲ء)

پچھلے سال صدر ریگن کو مجبوراً عوام کی بہبود کے بجٹ میں کمی کرنی پڑی۔ اور اس میں برابر کمی کی جارہی ہے۔ سابق امریکی وزیر خارجہ مسٹر ہیگ نے امدادی بجٹ میں ۱۶۵ ارب روپے کی کمی کر دی تھی۔ اور ان کے خیال کے مطابق آئندہ حکومت کی کوشش یہ ہو گی کہ صرف مستحق حکومتوں کو براہ راست امداد دی جائے صدر ریگن کے الفاظ میں "ترقی پذیر ممالک کو امداد کے معاملے میں آئندہ امریکہ کے استحکام سے متعلق قومی مفادات کو فیصلہ کن حیثیت ہو گی۔" وزیر خارجہ نے اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ۔ "امریکی امداد ان ممالک پر دباؤ ڈالنے کا ایک بیش قیمت ذریعہ ہے جو اس عنایت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔" چنانچہ امریکی ایوان نمائندگان کی خصوصی سب کمیٹی برائے امور یورپ اور مشرق وسطیٰ کے اجلاس میں شام کو ۱۳۶۴ ملین ڈالر کی اقتصادی امداد فراہم کرنے کی تجویز پر رائے شماری ہوئی تو اسے مسترد کر دیا گیا اور وجہ یہ بتائی گئی کہ شام مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کے خلاف کام کر رہا ہے۔" (روزنامہ امن ۳ مئی ۸۱ء) ۲۸ مئی ۸۱ء کو امریکہ نے ترکی کو ایک تار بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کے بعض نجی ادارے پاکستان کو ایسا سامان فراہم کر رہے ہیں جن سے ایٹم بم بنایا جا سکتا ہے۔ تار میں ہدایت کی گئی ہے کہ یہ سلسلہ بند کیا جائے ورنہ اس قسم کی فروخت سے ترکی کو ملنے والی امداد خطرے میں پڑ سکتی ہے جو کانگریس میں زیر غور ہے (امن ۲۸ جون ۸۱ء) جولائی اگست ۸۲ء میں امریکی نمائندہ نے بار بار اسرائیل کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کیا اور اس طرح اسرائیل کو فلسطینیوں پر لبنان میں بہیمانہ مظالم ڈھانے کے مواقع فراہم کئے۔ جب عرب ممالک نے اسرائیل کو اقوام متحدہ سے نکالنے کے لئے اجلاس طلب کرنے کی کوشش کی تو ریگن نے نہایت ہٹ دھرمی سے اعلان کیا جو ملک اسرائیل کے خلاف ووٹ دے گا اسے امریکی امداد اور قرضے نہیں دیئے جائیں گے چنانچہ اس کھلی امریکی دھمکی نے اقوام متحدہ میں اسرائیل کو نکالنے کے لئے قرار داد پیش کرنے والے ممالک کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ ان حقائق

www.bhutto.org

سے صاف ظاہر ہے کہ امریکی امداد اور قرضے صرف اور صرف امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ خلیج کے علاقے میں امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے شہنشاہ ایران کی جگہ پاکستان کو ایک گماشتہ کا کردار ادا کرنے کے عوض قرضوں کی یہ بارش کی جا رہی ہے اور پاکستان کے ارباب اقتدار اپنی حکمرانی کو طویل کرنے کے لئے پاکستان کو امریکی سامراج کا تابع مہمل بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ حال ہی میں جنوبی یمن کے صدر نے یہ الزام لگایا ہے کہ پاکستان خلیج کے علاقہ میں پولیس مین کا کردار ادا کرے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان امریکی سامراج کاسہ لیسی کیوں اختیار کرتا ہے۔ سامراجی قرضے حاصل کرنے اور پاکستان کے مستقبل کو ایک بار پھر گروی رکھنے اور اس کی آزادی اور یک جہتی کو داؤ پر لگانے کی سب سے بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پاکستان خطرات میں گھرا ہوا ہے اور افغانستان میں سوویت یونین کی فوجوں کی موجودگی کی وجہ سے پاکستان کی آزادی خطرے میں ہے اور یہ خطرہ اس لئے لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا ہے کہ پاکستان اصولوں کا پابند ہے اور انہیں اصولوں کی وجہ سے افغان مجاہدین کی بھی حمائت اور مدد کر رہا ہے اور افغانستان سے سوویت یونین کی افواج کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے اور افغانستان کے عوام کو اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہا ہے۔

دراصل یہ حقیقت نہیں ہے۔ پاکستان کے حکمران طبقوں نے محض افغانستان کے مسئلہ کی وجہ سے ہی سوویت یونین کے ساتھ معاندانہ پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ پاکستان کے حکمران طبقوں کی شروع دن سے خارجہ پالیسی کا یہ بنیادی عنصر رہا ہے پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ماسکو میں لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کو سوویت یونین کے دورہ کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا لیکن وزیر اعظم نے اس دعوت نامہ کو مسترد کر دیا اور واشنگٹن یاترا پر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد ارباب اختیار روز بروز امریکی سامراج کے شکنجے میں جکڑتے چلے گئے۔ بغداد پیکٹ کی ممبری اختیار کی۔ سیٹو میں شامل ہوئے اور پھر سنٹو کے ممبر بنے اور پاکستانی عوام کے علم اور مرضی کے خلاف پشاور میں بڑا بیڈ کے مقام پر سوویت یونین کے خلاف امریکی سامراج کی جاسوسی کا اڈہ قائم کروایا۔ حتیٰ کہ امریکی جاسوس فرانسس پاور کا جہاز سوویت یونین میں مار گرایا گیا اور پاکستان کے ارباب اقتدار کا یہ گھناؤنا کردار ننگا ہو گیا۔

اس کے برعکس سوویت یونین نے بار بار پاکستان کو یقین دہانی کرائی ہے کہ اس کے پاکستان کے خلاف کوئی عزائم نہیں اور وہ پاکستان کی آزادی اور سالمیت کا تحفظ چاہتا ہے۔

www.bhutto.org

اور پاکستان کی ترقی میں ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ بلکہ پاکستان کے حکمرانوں کے رویہ کے باوجود سوویت یونین پہلے ہی پاکستان کی ترقی کے لئے ٹھوس امداد دے رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔ سوویت یونین کی امداد سے گدو تھرمل پاور سٹیشن کی تکمیل کے بعد افتتاح ہو چکا ہے اور اسے مزید بڑھانے کے لئے امداد اور تعاون کا معاہدہ بھی ہو چکا ہے۔ ٹیکسلا میں بھی سوویت یونین کی مدد سے الیکٹریکل کمپلیکس بن چکا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر کراچی (پپری) میں پاکستان میں پہلا فولاد کا بڑا کارخانہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اور اس کا ایک حصہ چالو بھی ہو چکا ہے۔ جب یہ کارخانہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائیگا تو فولاد کی پیداوار ۱۲ لاکھ ٹن سالانہ ہو جائے گی جس کی قیمت (موجودہ قیمتوں کے لحاظ سے) ۱۰ ارب روپے ہو گی یعنی پاکستان سالانہ ۱۰ ارب روپے کا زر مبادلہ بچائے گا اور اپنی بے شمار ضروریات ملکی پیداوار سے پوری کریگا۔ اس سال کے شروع میں پاکستان میں بیلا رس ٹریکٹر بنانے کے متعلق معاہدہ بھی ہو چکا ہے اور کارخانہ کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ پچھلے سال روسی سفیر نے ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا تھا کہ سوویت یونین پاکستان سے ایک کروڑ ٹینیس خریدنا چاہتا ہے۔ سوویت یونین جو قرضے ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے دے رہا ہے انکی وصولی انہی کارخانوں کی پیداوار خرید کر کرنے کو تیار ہے۔ سوویت یونین پاکستان کو یہ تمام امداد اور سہولتیں اس بے ہودہ' لغو اور جھوٹے پراپیگنڈا کے باوجود جاری رکھے ہوئے ہے جو رات دن پاکستان کے ذرائع ابلاغ سے اس کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ اور یہ رویہ سوویت یونین کی بردباری' تحمل اور امن پسند پالیسی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

جہاں تک اصولوں کی پابندی اور ان پر مرمٹنے کے عزم کا تعلق ہے۔ یہ ایک نہایت ہی احمقانہ اور منافقانہ بات ہے۔ افغانستان میں تو آج تک عوام کی منتخب حکومت کبھی قائم ہی نہیں ہوئی لیکن پاکستان جو بنا ہی عوام کے ووٹوں سے تھا اور جس میں عوام کی منتخب حکومت قائم تھی وہاں انہی حکمرانوں نے اپنے ان سنہرے اصولوں کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اور ملک کو عین اس وقت سویلین حکومت سے محروم کر دیا جس وقت حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے درمیان ملک میں نئے انتخابات کے اصول پر سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ اب پچھلے ساڑھے پانچ سالوں سے پاکستان نوجوانوں کے جسموں کو محض ایک نعرہ لگانے پر کوڑوں سے داغا جاتا ہے ہزاروں سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کو جیلوں اور قلعوں میں مختلف وقتوں میں بند کیا گیا ہے۔ جھوٹی شہادتیں فراہم کر کے یا پھر بلا شہادت ہی سیاسی کارکنوں کو قید' کوڑوں اور بھاری جرمانوں کی سزائیں سنائی جاتی ہیں' ہزاروں سیاسی رہنما اور کارکن ملک بدر ہیں

www.bhutto.org

اور دنیا بھر میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ ملک کے تمام اخبارات پر سنسر شپ کے کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ اپنے ہی ملک میں سیاسی رہنماؤں پر ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جانے پر پابندیاں عائد ہیں۔ کوئی شخص بول نہیں سکتا۔ کوئی سیاسی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ افغانستان کی صورت حاصل پر محض مگرمچھ کے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ دراصل پس پردہ محرکات اور ہیں جن کے ڈانڈے امریکی سامراج کی عالمی پالیسی سے ملتے ہیں اور امریکی سامراج پاکستان کو اپنے ایک مہرے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔

جہاں تک سوویت یونین کی فوجوں کے افغانستان سے واپس جانے کا سوال ہے ہر پاکستانی دل سے چاہتا ہے کہ یہ فوجیں واپس چلی جائیں لیکن موجودہ حالات سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی واپسی کے لئے ساز گار حالات صرف پاکستان ہی پیدا کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے امریکی سامراج کا مفاد یہ ہے کہ سوویت یونین کی فوجیں لمبے عرصہ کے لئے افغانستان کی سیاسی دلدل میں پھنسی رہیں اور وہ دنیا بھر میں اپنی ننگی جارحانہ اور جنگجو آنہ پالیسیوں میں بلا روک ٹوک عمل کرتا رہے۔ پاکستانی حکومت اور عوام کو اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ فوجیں سوویت یونین کے خلاف جارحانہ پراپیگنڈہ جاری رکھنے اور اپنی سر زمین پر فوجی سرگرمیوں کی اجازت دینے سے واپس نہیں ہوں گیا اور نہ ہی زمین سے مار کرنے والی میزائیلوں سے انہیں واپس کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ سوویت یونین نے بارہا یہ کہا ہے کہ اگر یہ گارنٹی دے دی جائے کہ سرحد پار سے (پاکستان کی طرف سے) افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت بند کر دی جائے گی تو ان کی فوجیں واپس چلی جائیں گی۔ لیکن سامراجی طاقتوں کی شہ اور دباؤ کی وجہ سے اور ان سے قرضے اور اسلحہ لینے کی لالچ نے ہمارے حکمرانون کو ملکی مفادات کی طرف سے اندھا کر دیا ہے۔ اور وہ سر زمین پاکستان پر جارحانہ سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں جو اس مسئلہ کو اور بھی الجھانے کا باعث بن رہی ہیں۔ پاکستانی عوام جانتے ہیں کہ دو سال پہلے اسلامی وزرائے کارجہ کی کانفرنس میں ایرانی وفد جب شمولیت کے لئے آیا تو سربراہ قطب زادہ اپنے ہمراہ افغان مہاجرین کے نمائندوں کو بھی سستی شہرت حاصل کرنے اور امریکی سامراج کے مفادات کے لئے کانفرنس میں لے گیا آج قطب زادہ کو امریکی سامراج کا ایجنٹ ہونے اور ایرانی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کرنے کی پاداش میں گولی کا نشانہ بنایا جا چکا ہے پاکستان کے اندر بھی افغان مہاجرین کو ان کے کیمپوں سے نکال کر پاکستانی سیاست میں حصہ لینے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ اور ان سے جہاد پر تقریریں

www.bhutto.org

کروائی جاتی ہیں۔ دراصل جہاد کی آڑ میں قطب زادہ جیسے یہ لوگ بھی امریکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے مفادات کی حفاظت میں مصروف ہیں۔ پاکستان کے اندر رجعت پسند طاقتیں یہ پالیسی اختیار کر کے ایسے حالات پیدا کر رہی ہیں جن میں دوسرے بھی ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کے طریقے ڈھونڈیں گے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ وہ پہلے ہی چند اقدامات کر چکے ہیں۔

۱۹۷۹ء میں عظیم ایرانی انقلاب کی کامیابی کے بعد پاکستان کے رجعت پسندوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے نظام ناکام ہو چکے ہیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور دورہ ہے اور جنرل ضیاء الحق کی قیادت میں پاکستان میں بھی اسلامی نظام برپا ہو رہا ہے۔ اور ایک نئی پاک صاف سماجی زندگی کو تراشا جا رہا ہے چنانچہ سوویت یونین اس بات سے خائف ہے کہ اگر سمرقند و بخارا کے مسلمانوں نے پاکستان میں نئی اسلامی سماج کو دیکھ لیا تو سوویت یونین کے مسلمان علاقوں میں بھی انقلاب برپا ہو جائے گا اس لئے سوویت یونین نے افغانستان میں فوجیں داخل کر دی ہیں۔ مغربی ذرائع نے اس نظریے کو نہایت منظم طریقے سے نشر کرنے کا بندوبست کیا۔ لیکن آج تین سال بعد یہ جھوٹے خواب بھی چکنا چور ہو چکے ہیں اور پاکستان میں "نئی اسلامی سماج" نہایت ہی گھناؤنی شکل پیش کر رہی ہے اور ہر شعبہ زندگی میں غلاظتیں چھائی جا رہی ہیں اور پاکستان کی شاہراؤں پر "نماز قائم کرو" کے بورڈ رسما سر جھکائے کھڑے ہیں۔

رجعت پسند علماء نے سوویت یونین کی مخالفت اور امریکی دوستی کے لئے ایک اور دلیل بھی تراش رکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سوویت یونین میں دہریت ہے اور خدا کی نفی ہے۔ اور مادیت کا دور دورہ ہے۔ لیکن امریکی خدا کو ماننے والے ہیں، روحانیت پر یقین رکھتے ہیں اس لئے پاکستان کا سوویت یونین کے ساتھ اصولی اور نظریاتی اختلاف ہے۔ اور دونو ملکوں کے درمیان جو بعد ہے وہ دور نہیں ہو سکتا اور چونکہ امریکہ خدا کی واحدانیت پر یقین رکھتا ہے اس لئے پاکستان کے ساتھ اسکا نظریاتی اتحاد ہے۔ اور وہ ایک ہی نظریہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن یہ دلیل دینے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ پاکستان چین کی دوستی کا دم بھرتا ہے اور اس دوستی کو لازوال قرار دیتا ہے۔ حالانکہ چین ایک سوشلسٹ ملک ہے اور چینی ریاست کا کوئی مذہب نہیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود ہماری چین کے ساتھ دوستی روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ملکوں کی باہم دوستی محض مذہبی اختلافات کی وجہ سے کمزور یا مضبوط نہیں ہوتی بلکہ وہ اور محرکات ہوتے ہیں اور باہمی مفادات ہوتے

www.bhutto.org

ہیں جو ملکوں کی دوستی کو بناتی بگاڑتی ہیں۔

آخر میں یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ اور ہندوستان تین بار پاکستان پر حملہ کر چکا ہے اور اس نے پاکستان کو سوویت یونین کی مدد سے دولخت کیا تھا اس لئے امریکہ سے ہتھیار اور قرضے ضروری ہیں۔ تا کہ ملکی دفاع کو مضبوط کیا جا سکے۔ اور ان خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود دفاعی معاہدوں کے امریکہ نے پاکستان اور ہندوستان کی باہمی جنگوں میں کبھی پاکستان کا ساتھ نہیں دیا۔ الٹا اس نے پاکستان کو ہتھیار فروخت کرنے پر بھی پابندی لگا دی۔ اور علی الاعلان کہا کہ اس کی مداد اور ہتھیار ہندوستان کے خلاف جنگ میں استعمال نہیں ہو سکتے لیکن آج پھر وہی بوسیدہ دلائل عوام کے ذہنوں کو ماؤف کرنے کے لئے دیئے جا رہے ہیں۔

جہاں تک پاکستان کی آزادی اور سالمیت کے دفاع کا تعلق ہے پاکستان کے حکمرانوں کو ۱۹۷۱ء کے واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہم اپنے دو ہمسایہ ملکوں۔ ہندوستان اور سوویت یونین سے بہت چھوٹے ہیں اور ہمارے وسائل اتنے نہیں کہ ہم ان سے جنگ کر سکیں۔ اور اگر ہم اس قابل ہوں بھی تو ہمیں جنگ کی نہیں امن کی ضرورت ہے۔ اور ہم امن قائم رکھ کر ہی اپنے نظریات اور ضرورتوں کے مطابق ایک خوشحال' ترقی پسند اور پاک صاف معاشرہ کی تعمیر کر سکتے ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ باوجودیکہ پاکستانی عوام غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور پاکستان کا شمار دنیا کے غریب ترین ۳۴ ممالک میں ہوتا ہے پاکستان کے بجٹ کا بیشتر حصہ ملکی دفاع کے نام پر فوج اور سامان حرب خریدنے پر خرچ کیا جا رہا ہے اور یہ خرچ دن بدن بڑھ رہا ہے اور اب امریکہ سے اگلے پانچ سال میں بیس ارب روپے سے بھی زائد کا اسلحہ خریدا جائیگا۔ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد اصولی طور پر دفاع پر خرچ کم ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں جبکہ پاکستان متحد تھا دفاع کا بجٹ ۳۲۰ کروڑ روپے تھا جو ۷۹-۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۱۰۰۶ کروڑ روپیہ ہو گیا یعنی پہلے سے تین گنا زیادہ۔ پاکستان اپنی ملکی پیداوار (جی۔ڈی۔پی) کا ۶٫۶ فیصدی دفاع پر خرچ کر رہا ہے اور اس طرح ان ملکوں میں شامل ہے جو اپنی آمدنی کا دنیا میں سب سے زیادہ دفاع پر خرچ کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پاکستان کی تحریک کے پرانے اور مسلم لیگ کے بزرگ رہنما میاں ممتاز خاں دولتانہ کے الفاظ کو دہرانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ دولتانہ صاحب نے مشرق کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے یہ کہا "...... یہ بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہئے کہ

پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے اور ہمارا کردار بھی چھوٹا ہے۔ ہم اس قابل نہیں کہ دنیا کے حالات کا رخ پھیر سکیں اور نہ ہم اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ دنیا میں جہاں جہاں ظلم اور ناانصافی ہو رہی ہے وہاں سے اسے دور کر سکیں۔ ہمارے سامنے تو ایک چھوٹا سا مقصد اپنی ہی آزادی کی حفاظت کا ہے اور یہی ہمارے لئے ایک بڑا مقصد ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ ہم کسی بڑی طاقت سے نہ الجھیں اور ان بڑی طاقتوں کی کش مکش سے دور رہیں۔"

(مشرق ۳ جون ۸۱ء)

اس کے بعد دولتانہ صاحب نے شیخوپورہ کے طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔
"روس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔" (نوائے وقت ۱۵ جون ۸۱ء)

لیکن ہم نہ صرف بڑی طاقتوں کی کش مکش سے دور نہیں رہ رہے بلکہ امریکہ سامراج کی جنگ کو اپنی جنگ بنا رہے ہیں۔ اور جس طرح مشرق وسطے کے تیل کے میدانوں کی ایک طرف اسرائیل امریکی گماشتے کا کردار ادا کر رہا ہے اسی طرح دوسری طرف پاکستان کو امریکی مفادات کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

امریکی سند یافتہ ڈاکٹر محبوب الحق جیسے معاشی ماہرین آج یہ پراپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں کہ امریکہ اور دوسرے سامراجی ممالک کی اس فراخدالانہ امداد سے پاکستان ایک بار پھر شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جائے گا۔ ملک میں سرمایہ کاری بڑھے گی نئی نئی ملازمتیں نکلیں گی، پیداوار بڑھے گی اور افراط زر میں کمی ہو جائے گی۔ قیمتوں میں ٹھہراؤ پیدا ہو گا مگر حالات شاہد ہیں کہ خوشحال مستقبل کے یہ مفروضے بھی ماضی کی طرح نقش بر آب ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ان قرضوں اور امداد کا بنیادی مقصد پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا نہیں بلکہ سامراجی مفادات کو آگے بڑھانا، ان کے روز افزوں معاشی بحران کا بوجھ پاکستان کی پیٹھ پر لادنا اور پاکستانی معیشت کو مزید کچھ عرصہ کے لئے محتاج بنانا ہے۔ اور پسماندگی کو ترقی دینا ہے۔ پچھلے سال پاکستان کے ایک بڑے سرمایہ دار محمد علی رنگون والا جو انٹر نیشنل چیمبرز آف کامرس کا سربراہ بھی ہے پاکستان کے دورے پر تھا۔ اس کا بے انداز سرمایہ بیرون ملک لگا ہوا ہے۔ اور پاکستانی ارباب اقتدار اور سرمایہ داروں کو بین الاقوامی سرمایہ داروں کی طرف سے یہ قیمتی مشورہ دے رہا تھا کہ پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اس لئے صنعت کی بجائے زراعت پر توجہ دینی چاہئے۔

ہمارے ارباب اقتدار اور افسر شاہی کی ان قرضوں کے استعمال کے متعلق منصوبہ

www.bhutto.org

منڈی میں بھی بنیادی اور بھاری صنعتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے قرضے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پاکستان درآمدات کے متعلق لبرل پالیسی اختیار کرے گا۔ یعنی قرض دینے والے ممالک سے سامان تعیش اور زرعی پیداوار بڑھانے والی اشیاء اور مشینری وغیرہ بھی زیادہ سے زیادہ درآمد کرے گا۔ دراصل یہ قرض نئے حالات میں پاکستان کو زیادہ سے زیادہ درآمد کرے گا۔ دراصل یہ قرض نئے حالات میں پاکستان کی اندرونی منڈی کو وسعت دینے کے لئے ہیں تاکہ سامراجی ممالک کی مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ کھپت ہو سکے۔ چنانچہ ایک بار پھر زرعی معیشت کو ہی ترقی دینے پر' تمام توجہ مرکوز کی جا رہی ہے اور اس حقیقت کو ایک بار پھر نظرانداز کیا جا رہا ہے کہ زرعی ترقی کے لئے بھی دراصل بنیادی صنعتوں کا قیام ضروری ہے کیونکہ اگر ہم ٹریکٹر' ٹرک اور دوسری مشینری بنانے کے قابل ہوں گے تو زراعت بھی ترقی کر سکے گی۔ خود امریکہ کی زرعی ترقی ہمارے سامنے ہے۔ یہ ترقی امریکہ کی بھاری اور بنیادی صنعتوں کی مرہون منت ہے۔ مئی ۱۹۸۱ء میں روزنامہ "نوائے وقت" نے بھی ایک اداریے میں اس حقیقت کی وجہ سے تلملا کر لکھا تھا کہ سامراجی امداد ہمیں غیر ضروری شعبوں میں ترقی کے لئے دی جا رہی ہے۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ایک ارب دس کروڑ روپیہ کی بیرونی امداد سے نہری کھالے بنائے جائیں گے۔ گویا کہ پاکستان اپنے وسائل سے یہ نہری کھالے بھی درست نہیں کر سکتا۔ نہری کھالوں کی درستگی کے لئے یہ امداد تو نوکر شاہی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنے کے مصداق ثابت ہوئی۔ پولیس اور محکمہ مال کے عمال نے کسانوں سے زبردستی کھال درست کروائے اور تقریباً سارا روپیہ خود ہضم کر گئے۔

سامراجی ملکوں کی مشروط امداد نے اس قدر گھناؤنا کردار ادا کیا ہے کہ تحریک پاکستان کے پرانے رہنما اور مشرقی پاکستان سے آئے ہوئے اور موجودہ مارشل لاء حکومت کے ایک وزیر محمود علی کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "۳۴ سال گذرنے کے باوجود ہم پاکستان کو خوشحال اور مستحکم نہیں بنا سکے۔ اس کی وجہ دوسروں پر انحصار ہے جس کی بنیاد ۱۹۵۴ء میں رکھ دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان اربوں روپے کے قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ جو غیر ملکی امداد حاصل کرنے کے باوجود ابھی تک ادا نہیں کئے جا سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک میں پھیلی ہوئی غربت اور بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ثابت کر دیا ہے کہ غیر ملکی امداد اور قرضے ہمارے اقتصادی مسائل کا حل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی قومی خزانہ کو حاصل ہونے والی آمدنی کا ۲۵ فیصد سود کی ادائیگی کے لئے خرچ کیا جا رہا ہے۔"

www.bhutto.org

(نوائے وقت ۲۴ جولائی ۸۱ء)

اس میں شک نہیں کہ ان قرضوں کی وجہ سے پاکستان میں چند سال تک روپے کی خوب ریل پیل رہے گی۔ کچھ شعبوں کی ترقی ہوگی' کچھ افسروں کے بنک بیلنس بڑھیں گے اور بیرون ملک ان کے حسابات کھلیں گے۔ لیکن بالاخر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پاکستان کی معیشت مزید محتاج اور دست نگر ہو جائیگی۔ اور سامراجی معیشت کی طفیلی بن کر رہ جائے گی۔ سامراجی ممالک پر ہمارا انحصار اور بڑھے گا اور پاکستان کے دور دراز علاقے بھی سامراجی منڈی کے طور پر کھل جائیں گے۔ بین الاقوامی لوٹ کھسوٹ کے نظام سرمایہ داری کو تھوڑا بہت سہارا اور سنبھالا مل جائے گا اور ملک کے اندر بائیس خاندانوں میں بیس بائیس خاندان اور شامل ہو جائیں گے۔ لیکن ہماری آزادی اور عزت نفس گروی پڑ جائے گی۔ پاکستانی عوام کی اکثریت تہی دست اور مفلس ہی رہے گی بلکہ اس ترقی معکوس سے ان کی محرومیوں میں اور بھی اضافہ اور شدت پیدا ہو گی۔

ہمارے ارباب اختیار کا استدلال یہ ہے کہ جب تک وہ برسر اقتدار ہیں ملک میں بحرانی کیفیت نہیں ہونی چاہئے اور ظاہرہ ترقی کی چمک دمک قائم رہنی چاہئے اور ان کے جانے کے بعد ملک کی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ تو انکی بلا سے۔

خارجہ پالیسی کے چند اور پہلو

ہم نے سامراجی مشروط قرضوں کے حوالے سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم خارجہ پالیسی کے چند دوسرے پہلوؤں پر تبصرہ کریں گے۔

شروع دن سے ہی پاکستان کی خارجہ پالیسی کو دو ایسے ستونوں پر استوار کیا گیا جنہوں نے ایک طرف تو عوام سے حقائق کو مخفی رکھا اور دوسری طرف نظریاتی ریاست کے نام پر پاکستان کو سامراج کے کیمپ سے منسلک کر دیا۔ یہ دو ستون ہندوستان دشمنی اور سوشلسٹ دشمنی تھے۔ اور ایک خیالی مفروضہ تھا کہ پاکستان کی برطانوی تربیت یافتہ فوج عالم اسلام کا بازوئے شمشیر زن ہے اور فوج دنیا بھر میں نہ صرف عالم اسلام کے مفادات کے دفاع کے لئے سپر کا کام کرے گی بلکہ اسلامی نظریات کو پھیلانے میں ہراول دستے کا کام دے گی۔ ان غلط مفروضوں نے پاکستان کے جاگیردار اور گماشتے سرمایہ دار حکمرانوں نے (جو کبھی کسی روپ میں اور کبھی کسی روپ میں برسر اقتدار آئے) خارجہ پالیسی کے میدان میں دائرہ کار

www.bhutto.org

اور سوچ کو محدود کر کے رکھ دیا۔

چنانچہ اس پالیسی کے نتیجے میں بجائے اس کے ہندوستان کے ساتھ تقسیم کے خونی اوراق کو دفن کر کے بہتر ہمسایوں کے تعلقات قائم کرنے کی سعی کی جاتی کشمیر حاصل کرنے کے لئے دوبار "مجاہدین" کو کشمیر میں داخل کیا گیا اور تین بار ہندوستان سے جنگیں کیں۔ حتیٰ کہ پاکستان کو دو لخت کروا کے بیٹھ گئے۔ لیکن اس سانحہ عظیم کے باوجود پاکستان کے حکمرانوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

ہندوستان چونکہ وسیع و عریض ملک تھا اور وہاں ایسا سرمایہ دار طبقہ برسراقتدار تھا جس نے برطانوی سامراج کے خلاف طویل جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی تھی۔ اس لئے وہ ان جنگوں کا بار بھی برداشت کر گیا اور ملک کو بنیادی صنعتی ترقی کے راستے پر گامزن کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دنیا میں سب سے زیادہ بڑی سرمایہ دارانہ جمہوریت کے بل بوتے پر آزاد خارجہ پالیسی بھی اپنانے میں کامیاب رہا۔

آج ہندوستان معدودے چند سائنسی اور صنعتی ترقی یافتہ ممالک کی صفوں میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ہندوستان میں پاکستان کی نسبت زیادہ غربت ہے۔ اور مرکزی حکومت کے خلاف وسیع پیمانہ پر خونیں تحریکیں بھی چلتی ہیں لیکن وہاں مارشل لا کی نوبت نہیں آتی۔ اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کو اپنی سرزمین پر فوجی اڈے تعمیر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور نہ ہی بین الاقوامی سطح پر سامراجی مفادات کے حصول کی پالیسیوں کی حمائت کی جاتی ہے۔

بدقسمتی سے پاکستان میں ہر حکومت ہندوستان دشمنی کی فضا پر قائم کی جاتی رہی ہے اور ہندوستان کا ہوا دکھا کر پاکستان کے عوام کو ذہنی طور پر غلام بنائے رکھا ہے۔ پے درپے مارشل لا لگائے گئے اور ہندوستان کے خطرہ کی دہائی دے کر حکومتوں کو قائم رکھا گیا۔ باوجودیکہ آج امریکی سامراج کے دباؤ کی وجہ سے ہندوستان کے ساتھ عدم جارحیت کے معاہدہ کی پیش کش کی گئی ہے۔ مثبت دوستی کی طرف قدم نہیں بڑھایا جاتا۔ ہندوستان کے ساتھ باہمی فائدے کے لئے وسیع پیمانہ پر تجارت نہیں کی جاتی۔ آمدورفت کی سہولتوں کا دائرہ وسیع نہیں کیا جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں ممالک جو ایک دوسرے کی مختلف شعبوں میں بے انداز مدد کر سکتے تھے ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نقصان اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔

ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہندوستان کے خلاف ایک اور جنگ کسی صورت بھی نہیں لڑ

www.bhutto.org

سکتے اور نہ ہی ہمیں اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ہندوستان کے ساتھ ایک اور جنگ کا مطلب پاکستانی ریاست کے وجود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہو گا۔ کوئی سبز پوش یا نیلی پوش پاکستان کی حمایت میں نہیں آئیں گے۔ امریکی سامراج جس کے کھونٹے کے بل بوتے پر ارباب اقتدار اتراتے ہیں اسکا مفاد محض ہندوستان پر دباؤ ڈال کر ہندوستان کو سوویت یونین سے دور کرنا ہے اور بس۔ ہمیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ پچھلے ۳۵ سال میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ سامراجی ممالک کے لئے ہندوستان ایک وسیع و عریض منڈی ہے۔ اور جس رفتار سے ہندوستان صنعتی میدان میں ترقی کے منصوبے بنا رہا ہے وہ ایک عرصہ تک ترقی یافتہ سرمایہ دار صنعتی ملکوں سے جدید تکنیک اور مشینوں کی درآمد کرتا رہے گا۔ اس لئے یہ سوچنا عبث ہے کہ سامراجی طاقتیں کبھی پاکستان کو ہندوستان پر ترجیح دیں گی۔

ہم نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں پاکستان کے رجعت پسند علماء کے خیالی مفروضوں کا پہلے ذکر کیا ہے۔ اس نظریے کو اسلامی ملکوں کی تنظیم کے وجود میں آنے اور سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے بعد بہت زور دار طریقے سے پھیلایا گیا تھا۔ اور اسلامی اخوت' یک جہتی اور اتحاد کے روح پرور نظاروں کو مسلمانوں کی نئی زندگی کے آغاز سے تعبیر کیا گیا تھا۔ لیکن یہ نظریہ ساز بھول گئے کہ نام نہاد اسلامی ملکوں کی اکثریت میں فیوڈل ازم کا دور دورہ ہے اور مطلق العنان بادشاہ اور امیر بر سر اقتدار ہیں۔ اور ان کے مفادات اپنے ہی مفلس عوام کے خلاف ہیں۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی جدوجہد نے یہ ثابت کر دیا کہ نیشنلزم کی طاقت آج بھی مذہبی ناطوں سے مضبوط ہے۔ ایران عراق جنگ نے ان مفروضوں کے کھوکھلا پن کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔

یہ پروپیگنڈا بھی کیا جاتا ہے کہ چونکہ مسلمان ایک خدا' ایک قرآن' ایک رسول' اور جہاد پر یقین رکھتے ہیں۔ اور وہ ایک ناقابل تقسیم ملت ہیں اور ان کی تمام ریاستیں ایک جسم کی مانند ہیں اور اگر ان میں سے ایک پر آنچ آئے تو سب کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ ان مذہبی رشتوں کی وجہ سے ایک ہو کر مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے پابند ہیں...... لیکن اس نظریے کو بھی مسئلہ فلسطین نے چکنا چور کر دیا ہے لبنان میں جس طرح فلسطینی عرب مسلمانوں کا اسرائیل اور فلانجسٹ عیسائی ملیشیا نے امریکی سامراج کی شہ' منصوبہ بندی اور امداد کے ساتھ حشر کیا ہے وہ مسلمانوں کے لئے نہایت ہی عبرتناک ہے۔ وہ یہودی جن کے متعلق عام مولوی پرچار کرتے تھے کہ وہ راندہ درگاہ ہیں اور ان پر خدا کی لعنت اور پھٹکا

رہے اور تاقیامت دردر کی ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر ہے اور انہیں اس روئے زمین پر کبھی وطن نصیب نہیں ہوگا۔ انہوں نے جدید علوم، تنظیم اور ہتھیاروں اور سامراجی طاقتوں کی مدد سے ارض فلسطین کو زبردستی اپنا وطن بنایا ہے اور فلسطینیوں کو کسی جگہ بھی پناہ نہیں لینے دیتے۔ جب مغربی بیروت کی سرزمین ہزاروں معصوم اور بے گناہ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں کے خون سے رنگین ہو رہی تھی اور اٹلی، فرانس اور خود اسرائیل میں ان بہیمانہ مظالم کے خلاف عوام لاکھوں کی تعداد میں مظاہرے کر رہے تھے، ایک سعودی شہزادہ خانہ کعبہ کو غسل دے رہا تھا اور مسلمان ممالک میں ان انسانیت سوز مظالم کے خلاف مظاہرے کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ایک طرف خدا، ایک قرآن، ایک رسولؐ اور جہاد پر ایمان رکھنے والے مسجدوں میں دعائیں مانگ رہے تھے۔ وہ امریکی سامراج کے ڈر اور دبدبے اور اپنے مفادات کی حفاظت کی وجہ سے اپنے اسلامی بھائیوں کی رتی بھر بھی مدد نہ کر سکے۔ عرب سربراہ کانفرنس کے بعد یاسر عرفات نے ایک انٹرویو میں برملا کہا کہ ان کی مدد صرف سوویت یونین اور لیبیا نے کی ہے اور کسی مسلمان ملک نے ان کی مدد نہیں کی۔

عام خیال تو یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں اور امیروں کی ملی بھگت سے یہ خونیں ڈرامہ رچایا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ فلسطینی تباہ و برباد ہو جائیں اور اس طرح فلسطین کا مسئلہ ہی دفن ہو جائے۔ عرب سربراہی کانفرنس کے دوران میں یاسر عرفات نے جب مطالبہ کیا کہ عرب ممالک سامراجی ممالک خصوصاً امریکہ کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کریں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ تو امریکہ بنکوں سے اپنے اربوں ڈالر بھی نکلوانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ عین اس وقت جب فلسطینیوں کے قتل عام کے خلاف پاکستان کے ارباب اختیار ایک گھنٹہ کی ہڑتال کروا رہے تھے اور مسجدوں میں ان کے حق میں دعائیں منگوانے کا بندوبست کر رہے تھے اور جماعت اسلامی جہاد کانفرنس منعقد کر رہی تھی۔ اسرائیل کے محسن و مربی اور آقا امریکی سامراج سے ایف ۱۶ طیارے اور قرضے حاصل کرنے کے لئے پاکستانی وفد واشنگٹن کے دورے کر رہا تھا۔ دراصل جو کچھ ہوا اسی طرح ہونا تھا کیونکہ مسلمان حکمرانوں کے طبقاتی مفادات کا یہی تقاضا بھی تھا۔ وہ صرف مسلمان عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ہی کاروائی کر سکتے تھے۔ اور فلسطینیوں کی عملی مدد کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اور پاکستان کی فوج جسے عالم اسلام کا بازوئے شمشیر زن کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی خون میں غلطاں ملت اسلامی کے ایک حصہ کی

www.bhutto.org

مدد نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اسے امریکی ہتھیار مسلمانوں کی مدد کے لئے نہیں بلکہ امریکی سامراج کے مفاد کی حفاظت اور اندرون ملک مسلمان عوام کی حریت کے لئے جدوجہد کو کچلنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔

پاکستان کے سیاسی اور آئینی مسائل

گزشتہ صفحات پر ہم نے معاشی میدان میں پاکستان کے ارباب اقتدار کی ساڑھے پانچ سالہ پالیسیوں، منصوبہ بندیوں اور ان کے دعوؤں، مشروط قرضوں اور خارجہ پالیسی کے متوقع نتائج کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کی معیشت کو کس طریقہ سے ترتیب دیا جارہا ہے اور پاکستان کے مستقبل کو کن سانچوں میں ڈھالا جا رہا ہے۔ اور دنیا کے اندر پاکستان کیا کردار ادا کر رہا ہے۔ اب ہم پاکستان کے آئینی اور سیاسی مسائل پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے اور دیکھیں گے کہ ان شعبوں میں پاکستان نے کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

پاکستان کے آئینی مسائل میں دو بنیادی مسئلے ہیں کہ جو ملک کے دو نیم ہونے اور ۳۶ سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک حل طلب ہیں۔ پہلا اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا پاکستان میں وفاقی پارلیمانی نظام ہو گا یا نہیں۔ اور اگر ایسا ہو گا تو وہ نظام امریکہ یا فرانس کی طرز کا صدارتی نظام ہو گا یا برطانوی نظام کی طرز پر۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد یہ مسئلہ اور بھی الجھ گیا ہے اور شب و روز کہا جا رہا ہے کہ ملک میں اسلامی نظام قائم کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ملک اسلام کے نام پر ہی وجود میں آیا ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے لہٰذا اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں اور اسے من و عن نافذ کیا جائیگا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی پرچار کیا جا رہا ہے کہ نظام کوئی بھی ہو اس میں فوج کا نیا آئینی کردار متعین ہونا چاہئے۔ دوسرا بڑا مسئلہ صوبجاتی خود مختاری اور خود اختیاری کی حد اور اس پر عملدرآمد کا ہے۔

پاکستان میں جب بھی مارشل لاء لگایا گیا ہے ہر فوجی حکمران نے پاکستانی سماج کی تمام بیماریوں، ناہمواریوں، غلاظتوں، باہمی خوں ریزیوں، پسماندگی، غربت، اور جہالت کا سیاست دانوں کو ہی ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہاں تک پاکستانی عوام کو جاہل اور سادہ لوح اور ان کے لئے جمہوری سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دیا ہے۔ پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ پاکستان کی ۳۶ سالہ زندگی میں فوجی جرنیلوں نے ۲۰ سال تک براہ راست حکومت کی ہے اور پھر سیاستدانوں کی

www.bhutto.org

ظاہری حکومت میں بھی انہیں اندرونی اور خارجہ پالیسیوں پر قدرت حاصل رہی ہے۔ حالانکہ پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں فوج کا کردار صفر کے برابر ہے۔ لیکن پھر بھی تمام سیاستدان ہی تمامتر بدعتوں اور خرابیوں کی جڑ قرار پاتے ہیں۔ دوبار اسمبلیوں نے آئین بنایا اور ہر بار ان فوجی جرنیلوں نے جنہوں نے اسکی حفاظت کا حلف اٹھایا تھا' آزادی اور یک جہتی اور امن و امان اور اسلام اور نظریہ پاکستان کی حفاظت کے نام پر' ان آئینوں کو منسوخ کر دیا اور پھر کئی سال تک براہ راست مارشل لاء کے ضابطوں اور آرڈی نینسوں کے ذریعے بلاشرکت غیرے عوام پر حکومت کی۔ ہر بار آئین کو اس وقت ختم کیا گیا جب نئے انتخابات ہونے والے تھے یا ہو چکے تھے۔ اور ہر بار یہ کہا گیا کہ پارلیمانی جمہوری نظام پاکستانی عوام کے مزاج اور نظریات کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے یہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور ہر بار یہ بھی کہا گیا کہ پاکستانی عوام کے مزاج اور نظریات کے مطابق نیا آئین بنایا جائے گا۔ پاکستان کے قیام کے نو سال بعد ۱۹۵۶ء میں ایک آئین کے ذریعے یہاں پارلیمانی جمہوری نظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی (اگرچہ اس آئین میں مغربی پاکستان میں صوبجاتی خود مختیاری کو ختم کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو۔۔۔۔۔ (Parity) کے فارمولے کے ذریعے مٹا دیا گیا) لیکن ایوب خاں' جس کا آج بھی کئی جمہوریت پسند ڈنکا بجاتے ہیں نے اس آئین کو بھی نئے انتخابات کے انعقاد سے پہلے ہی ختم کر دیا اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ۔ پھر بسیار سوچ بچار کے بعد ایوب خاں نے بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی بنیاد رکھی اور بلاواسطہ صدارتی انتخاب کو پاکستان کی ضروریات کے عین مطابق قرار دیا۔ اور مارچ ۱۹۶۲ء میں نئے آئین کا اعلان کر دیا۔ جس کا نفاذ ۱۹۶۳ء میں ہوا۔ اور حکومتی مشینری کے تمام ذرائع ابلاغ نے عوام کو یہ باور کرانے میں شب و روز ایک کر دیا کہ ایوبی آئین عوام کی امنگوں کا حامل ہے اور اسی میں پاکستان کے الجھے ہوئے مسائل کا حل پوشیدہ ہے اور یہ آئین عوام کے مزاج اور ثقافتی روایات اور ملک کے سیاسی حالات کے عین مطابق ہے۔ اور یہ پراپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ ایوب خان پاکستان کی یک جہتی' سلامتی اور ترقی کی علامت ہے۔ اس تمام پراپیگنڈہ کو روحانی چاشنی دینے کے لئے پیر صاحب دیول شریف کی خدمات بھی حاصل کی گئیں اور ہندوستان کے ساتھ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران اور بعد میں یہ مشہور کیا گیا کہ سبز پوش اور نیلی پوش پاکستانی افواج کے ہمراہ دشمن سے نبرد آزما رہے ہیں۔ گویا کہ مافوق الفطر طاقتیں ایوب خان کی پشت پناہی پر ہیں۔ جن لوگوں نے ان دعووں کو کھوکھلا اور غلط قرار دیا اور اس بات کی نشاندہی کی کہ ایوب

www.bhutto.org

خاں کا دیا ہوا آئین اور حکومت بالآخر اس ملک کو توڑنے پر منتج ہو گی انہیں پاکستان کا دشمن قرار دے کر ان کے لئے پاکستان کی سرزمین کو تنگ کر دیا لیکن آخر ایوب خاں خود ذلیل و خوار ہوا اور اس کے دس سالہ دور سے پیدا شدہ حالات نے ملک کو دو ٹکڑے کر دیا۔ چونکہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور آمد و رفت کے کوئی ذرائع نہ تھے۔ اس لئے مغربی پاکستان کے لوگوں کو پوری طرح یہ علم نہ ہو سکا کہ مشرقی پاکستان میں دونو صوبوں کے اسلامی بھائیوں نے کس بھیانک اور ظالمانہ طریقہ سے ایک دوسرے کے گلے کاٹے اور کس درندگی اور بربریت کا وہاں مظاہرہ کیا۔ اور کیسے کیسے ظلم و ستم مشرقی پاکستان کے اسلامی بھائیوں پر روا رکھے اور وہ مشرقی پاکستان جو ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں واحد صوبہ تھا جہاں مسلم لیگ کی اکثریتی حکومت قائم ہوئی کیونکر بنگلہ دیش بن گیا اور وہ مسلمان جنہوں نے پاکستان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا کیسے اور کیونکر پاکستان کے نام سے بیزار ہو گئے۔

ایوب خاں کے خلاف عظیم عوامی جدوجہد کا ثمر پس پردہ طاقتوں نے ہڑپ کر لیا اور ایک بار پھر پاکستان پر مارشل لاء کی حکمرانی ہو گئی۔ یحییٰ خاں نے ایک یونٹ کو حالات کے دباؤ اور اپنے مخفی عزائم کو حاصل کرنے کے لئے ختم کر دیا اور ملک میں پہلی بار عام انتخابات غیر جانبدارانہ انداز میں کرا دیئے۔ اور ہر مکتبہ فکر اور بین الاقوامی مبصرین سے خراج تحسین وصول کیا۔ یحییٰ خاں کا خیال تھا کہ کوئی بھی سیاسی پارٹی اس قابل نہ ہو گی کہ وہ اکیلی حکومت بنا سکے۔ چنانچہ بندر بانٹ میں منصف کا کردار اسے سونپا جائے گا جو ملک کا صدر متفقہ طور پر منتخب ہو جائیگا۔ لیکن عوامی لیگ کی مکمل کامیابی نے یہ خواب چکنا چور کر دیا اور یحییٰ خاں، جس نے غیر جانبدارانہ انتخاب کروا کر تحسین حاصل کی تھی عام انتخابات کے "مثبت نتائج" برآمد نہ ہونے کی وجہ سے انتقال کے سلسلہ میں لیت و لعل کرنے لگا۔ جس کے نتیجہ میں ایک عظیم قومی تحریک نے مشرقی پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور چپڑاسی سے لے کر چیف جسٹس تک اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ اور ہندوستان نے مشرقی پاکستان کو اس "قومی تحریک" کی فوجی امداد کر کے پاکستان کے ۹۳ ہزار فوجیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے نہ صرف ایک ذلت آمیز شکست کھائی بلکہ اپنے حریف کی قید میں چلے گئے۔

ایک بار پھر ایک فوجی جرنیل، یحییٰ خان نے عوام کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر کے عوام کے غم و غصہ اور نفرت کا نشان بنے اور آخر نظربندی میں چل بسے۔

www.bhutto.org

پھر ۱۹۷۳ء میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار حزب اختلاف اور حزب اقتدار نے متفقہ طور پر ایک آئین منظور کیا جو کہ وفاقی پارلیمانی اصولوں پر مبنی تھا اور جس میں صوبجاتی خود مختاری کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا (اگرچہ اس دور کی حکومت نے بھی عمل میں اسے مسخ کر کے رکھ دیا تھا) پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں بھی پس پردہ فوجی جرنیل حکمرانی کرتے رہے۔ اور بیسویں صدی کے ساتویں عشرے کے فیوڈل سوشلسٹ اور پیٹی بورژوا حکمرانی کے نشے میں اس حقیقت کو بھول گئے کہ ۱۹۷۰ء کی شکست خوردہ فوج نے بلوچی عوام کے خلاف نبرد آزما ہو کر ایسے حالات پیدا کر لئے ہیں جس میں پنجابی عوام پھر سے اسے پاکستان کی یک جہتی کا نشانہ سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ فوجی کاروائی نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنایا تھا۔ اس عوامی دور کا المیہ یہ ہے کہ باوجود حکمران پارٹی کی بے پناہ مقبولیت کے سارا عرصہ ۱۴۴ کے نفاذ کے ذریعہ حکومت کیگئی اور نہ صرف حزب اختلاف کی آواز کو مار دھاڑ کے ذریعے کچلا گیا بلکہ خود حکمران جماعت کے اندر نکتہ چینی اور اختلاف رائے کو بھی برداشت نہ کیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں شہری آزادیوں اور عوام کی حکمرانی جیسے خوبصورت اور دل پذیر الفاظ کے معنی ہی بدل گئے۔ ان تکلیف دہ حالات نے مارچ ۱۹۷۷ء کی تحریک کو جنم دیا اور پاکستان کے رجعت پسند امریکی سامراج کے ایجنٹ جمہوریت پسند طبقوں کے کچھ حصوں کی رہنمائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ محنت کشوں اور غریب کسانوں کو تنہا اور بے بس کر دیا گیا۔ اور مذہبی نعروں کی آڑ میں رجعت پسند طبقوں کو بالا دستی حاصل ہو گئی۔ چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ایک بار پھر فوجی جرنیل۔۔۔۔۔۔ ضیاء الحق نے جس نے چند روز پہلے بحری اور ہوائی فوج کے سربراہوں کے ساتھ مل کر پریس کانفرنس کے ذریعے' منتخب حکومت کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا تھا' عین اس وقت ۱۹۷۳ء کا آئین منسوخ کر دیا جبکہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان نئے انتخابات کروانے کے متعلق تقریباً سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ (حقیقت یہ ہے کہ منتخب حکومت کی حفاظت کا اعلان محض رد انقلاب کے منصوبہ کی پردہ پوشی کے لئے تھا۔

چنانچہ اس موقع پر جنرل ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ "میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے محض اسلام کے ایک سپاہی کے طور پر کیا ہے۔ پاکستان میں ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی ہے اور ملک میں آزدانہ اور منصفانہ انتخابات کروانے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دیا جائیگا اور میں اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ انتخابات کے طریق کار کا اعلان بھی جلد ہی کر دیا جائیگا'

اور آئندہ تین ماہ میں انتخابات پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھوں گا"۔۔۔۔۔ اس کے بعد اقوام متحدہ میں بھی پاکستانی نمائندے نے اعلان کیا کہ ۱۸ اکتوبر ۷۷ء کو ہر صورت میں انتخابات منعقد ہوں گے۔" (یعنی نوے دن کے اندر اندر)

مگر تمام تر دعوؤں اور وعدوں کے باوجود ان مجوزہ انتخابات کو ملتوی کر دیا گیا۔ صدر ضیاء الحق آج تک بار بار دہرا رہا ہے کہ یہ عام انتخابات سیاسی رہنماؤں کے کہنے پر ملتوی کئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیپلز پارٹی نے انتخابات ملتوی کروانے کے لئے درخواست نہ کی تھی بلکہ قومی اتحاد کے ان رہنماؤں نے کی تھی جو مارچ ۷۷ کے انتخابات میں دھاندلیوں کی بنا پر نئے انتخابات کا مطالبہ کر رہے تھے اور فوج کے ہاتھ میں آمریت کے لئے راہ ہموار کرنے کا ہتھیار بن گئے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ جو نظام مصطفےٰ اور جمہوریت کا علم لے کر اٹھے تھے ایک بھیانک آمریت عوام کے سروں پر مسلط کرنے کا باعث بن گئے۔ لیکن انتخابات کو ملتوی کرنے کے لئے کوئی بہانہ چاہئے تھا۔ پہلے احتساب پھر انتخاب۔۔۔۔۔ کا دلفریب نعرہ گھڑا گیا اور بے پناہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں کے حلق کے اندر اتار دیا گیا۔ چنانچہ انتخابی مہم کی جگہ احتسابی مہم نے لے لی۔ احتسابی مہم کے حسین نتائج دیکھنے کے لئے عوام آج تک چشم براہ ہیں لیکن نئی نئی دھاندلیوں کی دھندلاہٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ انتخابات کو ملتوی کروانے کے بعد قومی اتحاد کی ایک جماعت جسے اپنی تنظیم، اثر و رسوخ اور پاکستان دوستی پر ناز ہے نے معاشرے کی اصلاح کے نام پر ایک عظیم الشان مہم کا آغاز کیا۔ لیکن اس مہم کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور یہ مہم نہایت ہی کسمپرسی کے عالم میں دم توڑ گئی۔ جب احتسابی مہم سے عوام کو مطمئن نہ کر سکی اور اصلاح معاشرہ کی مہم ناکامیوں کی انتہاہ گہرائیوں میں دفن ہو گئی تو پگارا مسلم لیگ اور چند دوسرے ماہرین کو حکومت کا مشیر مقرر کر دیا گیا اور پھر جماعت اسلامی بھی حکومت میں شامل ہو گئی۔ چنانچہ جمہوریت کی بحالی کی مہم کے جھنڈے جلاتی قومی اتحاد کی یہ جماعتیں آمریت کی ساجھے دار اور نقیب بن گئیں۔ پھر ان سب کی ملی بھگت سے انتخابات میں مثبت نتائج کا نعرہ لگایا گیا۔ انتخابات میں مثبت نتائج سے مراد یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح پیپلز پارٹی کو انتخابات میں شکست ہو جائے۔ مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے ملک کے انتخابی قوانین کو ہی بدل ڈالا گیا۔ اور مخلوط طرز انتخاب کی جگہ جداگانہ انتخابات کا طریقہ رائج کیا گیا اور اس طرح ۷۳ء کے متفقہ آئین کی جگہ نیا شوشہ کھڑا کر کے اس آئین کی بنیادوں پر گہرا وار کیا گیا۔ اسکے علاوہ سیاسی پارٹیوں کو رجسٹرڈ کرنے اور حکومت کو حساب کتاب پیش کرنے کا قانون بنایا گیا۔ تا کہ جس پارٹی کو

www.bhutto.org

بھی چاہے حکومت اپنی مرضی سے انتخابات میں حصہ لینے کے نااہل قرار دے کر اپنے راستے سے ہٹا دے۔ مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو پھر اکتوبر ۷۹ء میں انتخابات کروانے کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پگاڑا مسلم لیگ اور جماعت اسلامی وغیرہ کے وہ نمائندے جو حکومت میں شامل تھے انہوں نے یہ اعلان کر کے استعفےٰ دے دیئے کہ جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے آمرانہ حکومت کے کابینہ میں شمولیت کی تھی وہ حاصل ہو گئے ہیں لہٰذا وہ حکومت سے مستعفی ہو گئے ہیں یعنی نئے انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہو گیا ہے اور سول حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ گو اس طریق کار نے بہت سی سیاسی پارٹیوں کو انتخاب میں حصہ لینے کے نااہل قرار دے دیا لیکن پھر بھی حکمرانوں کے دل میں مثبت نتائج کے متعلق کھٹکا ختم نہ ہوا۔ وہ پارٹیاں جنہوں نے انتخابات کے انعقاد کا اعلان کروا کر بزعم خود ایک بہت بڑا معرکہ سر کیا تھا اور اپنے لئے مثبت نتائج کا بندوبست کیا تھا ایک بار پھر مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکیں۔ کیونکہ اچانک ان انتخابات کا پروگرام بھی ملتوی کر دیا گیا اور بجائے سیاسی سرگرمیاں بحالی کرنے کے تمام سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اس اعلان سے جن تھوڑی بہت سیاسی سرگرمیوں کی اجازت تھی وہ بھی ختم ہو گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پگاڑا مسلم لیگ اور جماعت اسلامی جسے اپنی سیاسی بصیرت اور زیرک نگاہی پر مان ہے کو فوجی حکومت نے لیموں کی طرح نچوڑ کر گٹر میں پھینک دیا۔ اس طرح پگاڑا مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے موجودہ فوجی حکومت سے تعاون کے ذریعے جمہوریت بحال کروانے اور انتخابات منعقد کروانے کی مہم سے ۱۹۷۳ء کے آئین کو گہرا دفن کر دیا گیا اور ایک عبوری آئین (Provisional constitutional order) نافذ کر دیا جس کے ذریعے ہائی کورٹوں کے اختیارات محدود کر دیئے گئے ہیں اور رہی سہی سیاسی آزادیاں بھی ختم ہو کر رہ گئی ہیں ——— جس کے نتیجے میں سپریم کورٹ اور مختلف ہائی کورٹوں کے ججوں نے استعفےٰ بھی دے دیئے ہیں حتیٰ کہ چیف جسٹس پاکستان بھی مستعفی ہو گئے ہیں حالانکہ اس چیف جسٹس نے بھٹو کے مقدمہ میں حکومت سے پورا پورا تعاون کیا تھا۔

اس نئے اقدام کے کچھ عرصہ بعد "نیوز ویک" کے ایک نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے جنرل ضیا الحق نے کہا کہ "یہ درست ہے کہ پاکستان میں مارشل لا کی طوالت بھی درست نہیں ہے اور میں نے گذشتہ چار سالوں کے دوران کوشش کی ہے کہ یہاں پر جمہوری ادارے قائم کروں اور ہم نے ایسے ادارے قائم کئے ہیں کہ جن کی جڑیں عوام میں ہیں۔

اس سلسلے میں بلدیاتی انتخابات کروا دیئے گئے ہیں اور میں اسلامی اقدار کے ذریعے کوشش کر رہا ہوں کہ ہم کیونکر بہتر طریقہ سے فوج سے عوام کو اقتدار منتقل کر سکتے ہیں۔

(۱۱ جون ۱۹۸۱ء نوائے وقت)

اور پھر اسی انٹرویو کے چھپنے کے چند روز بعد ۱۴ جون ۸۱ء کو مارشل لاء کا ضابطہ نمبر ۵۱ جاری کر دیا گیا۔ جس کے ذریعے حکومتی اداروں، دفاتر، کارپوریشنوں اور دوسرے سرکاری محکموں وغیرہ میں کام کرنیوالے ملازمین کے بچے کھچے ٹریڈ یونین حقوق بھی چھین لئے گئے ہیں۔ اور ان کی معمولی سی خلاف ورزی کے لئے بھی پانچ سال قید اور کوڑوں کا مژدہ سنایا گیا ور اس کے بعد پی آئی اے اور کئی دوسرے اداروں سے بلاوجہ ہزاروں ٹریڈ یونین کے سرگرم کارکنوں کو نکال دیا گیا۔

دراصل ضیاء الحق کی حکومت سائیکلا جیکل جنگ میں بہت کامیاب رہی ہے وہ ایک طرف تو اپنے ذرائع ابلاغ ٹاؤٹوں اور نمائندوں کے ذریعے عوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ انتخابات کے انعقاد کے متعلق نہایت سنجیدگی سے سوچ رہی ہے اور بورژوا سیاسی پارٹیاں اور رہنما اسے حقیقت مان کر الیکشنوں کی تیاریاں کرنے لگ جاتے ہیں لیکن جونہی یہ سرگرمیاں عروج پر پہنچتی ہیں وہ کسی نئے استبدادی قانون یا ضابطے کا اعلان کر دیتی ہے اور اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لئے گرفتاریوں، سزاؤں اور نظربندیوں کا نیا سلسلہ شروع کر دیتی ہے۔ اب پھر پچھلے چند ماہ سے حکومت نے ووٹروں کے اندراجات اور لسٹوں کو درست کرنے کا شوشہ چھوڑ رکھا ہے۔ متوقع امیدوار ووٹ بنوا رہے ہیں، حلقہ بندیوں کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی یہ کوشش اختتام کو نہیں پہنچی کہ ضیاء الحق نے مارشل لاء کا نیا ضابطہ نمبر ۵۳ جاری کر دیا ہے اور اسے ۵ جولائی ۷۷ء سے نافذ کیا ہے۔ اس کے تحت حکومت کے خلاف معمولی سی نکتہ چینی بھی طویل سزا کا باعث بن سکتی ہے۔ اور کوڑوں اور پھانسی کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ظہور الٰہی کے قتل کا مقدمہ شروع کر دیا ہے اور چند نوجوانوں کو "عوام دوست" کے نام سے ایک پمفلٹ چھاپنے کی پاداش میں ۵ اور ۷ سال قید اور پندرہ پندرہ کوڑوں کی سزا سنا دی ہے۔ حالانکہ یہ نوجوان پچھلے ڈیڑھ دو سال سے بلا مقدمہ چلے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے۔ ۷ اکتوبر کو آل پاکستان وکلاء کے کنونشن میں تقاریر کرنے والے چار وکلاء کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے گئے اور دو کو ایک ایک سال قید سنا دی گئی۔ اب کراچی بار ایسوسی ایشن کے صدر اور سیکرٹری کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ انتخابات کے انعقاد کے

www.bhutto.org

پراپیگنڈا کے ساتھ ساتھ سختیاں مزید بڑھا دی گئی ہیں۔ ضیاء الحق نے پاکستانی عوام کے مذہب سے لگاؤ کے جذبات کو بھی خوب استعمال کیا ہے۔ مجلس شوریٰ کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ "غیر اسلامی عناصر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے گا اور انہیں ایسا سبق سکھایا جائیگا کہ ان کی آئندہ نسلیں تک یاد رکھیں گی (۱۰ اکتوبر ۸۲ روزنامہ جنگ)

حقیقت یہ ہے کہ ۳۰۔ ارب روپے کے امریکی قرضوں (جن پر پاکستان کے مسلمانوں کو جو بلا سود معیشت کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور جن کے لئے سود دینا اور لینا حرام ہے) پر ۱۴ فیصدی سود بھی ادا کرنا ہو گا۔ نئے قوانین ان امریکی قرضوں کا پہلا تحفہ ہیں۔ پاکستان اور امریکہ کے درمیان ۳۰ ارب روپے کے قرضے کے سمجھوتے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ اس سے پاکستان کی آزادی اور سلامتی کی حفاظت ہو گی اور یہ امریکی امداد اور قرضے آزاد دنیا کے دفاع میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ اس آزاد دنیا میں اسرائیل بھی شامل ہے جو عربوں کی شہ رگ پر بیٹھا ہے اور جس نے فلسطینیوں کی سرزمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور جس نے لبنان میں ہزاروں بے گناہ اور نہتے فلسطینیوں کا خون نہایت ہی ظالمانہ اور بہیمانہ طریقے سے بہایا ہے اور جو آزاد دنیا میں ایک امریکہ غنڈے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اس آزاد دنیا میں جنوبی افریقہ بھی شامل ہے جس کے اصلی باشندے ان سڑکوں پر نہیں چل سکتے۔ جن پر ان کے گورے آقا چلتے ہیں اور جو بد ترین قسم کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور صرف اس لئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ سونا اور دوسری قیمتی اور نایاب دھاتیں وہاں دستیاب ہیں۔ اور آزاد دنیا میں "السلوے ڈار" بھی شامل ہے جہاں نوجوانوں کو امریکی ہتھیاروں اور فوجی مشیروں کی مدد سے قتل کیا جا رہا ہے اور اس آزاد دنیا کی حفاظت کے لئے پاکستان امریکہ کی خارجہ پالیسی کے ساتھ نتھی ہو گیا ہے۔ اور حال ہی میں مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کی تشکیل دی گئی امریکی فوجی کمانڈ میں ایک پرزے کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور اندرون ملک بھی ہر قسم کی آزادی کو ختم کر رہا ہے۔

۱۹۸۱ء میں ملک کا نیا سیاسی ڈھانچہ بنانے کے لئے پولیس، نوکر شاہی اور فوجی محکموں کی سفارشات کی بنا پر ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی اور ۱۹۸۲ء کے شروع میں ہی پروپیگنڈا کروایا گیا کہ ضیاء الحق ایک قومی حکومت قائم کرنیوالے ہیں۔ مجلس شوریٰ پٹھوؤں، مفاد پرستوں اور چمچوں پر مشتمل ہے۔ پارلیمنٹ کی بجائے اسے شوریٰ کا نام دے کر ایک اور اسلامی اقدام بتایا گیا ہے۔ یہ بحث پر بحث کر سکتی ہے لیکن ترمیم نہیں کر سکتی۔ قوانین پر

خیالات کا اظہار کر سکتی ہے لیکن قانون بنانے کا اسے اختیار نہیں۔ ایک سال کی مدت میں ہی اس کے اپنے ممبران اپنے کھوکھلا پن اور بے حیثیت اور کھلے آلہ کار ہونے کی وجہ سے بیزار نظر آنے لگے ہیں اور سخت نکتہ چین ہیں لیکن ان کے ذاتی مفادات انہیں اس سے وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

ان حقائق سے ظاہر ہے کہ صدر ضیا الحق کوئی نیا جمہوری سیاسی نظام قائم نہیں کر رہا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ بلکہ ایوب زمانے کی بنیادی جمہوریتوں کو کونسلوں کا نام دے کر بالواسطہ انتخابات کے ذریعے نامزد مجلس شوریٰ کی جگہ نئی مجلس شوریٰ قائم کرنا چاہتا ہے لیکن مارشل لا کے سائے تلے۔ وہ ہر صورت میں فوج کو آئین میں سیاسی کردار دینا چاہتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ ایک بات واضح ہے کہ آئینی ارتقا کا رخ الٹی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ برطانوی دور غلامی میں بھی آئینی ارتقا کا راستہ۔۔۔۔ نامزدگی' بالواسطہ انتخاب اور آخر براہ راست انتخاب تھا۔ لیکن اب سب کچھ الٹا ہو گیا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ ایک فوجی آمر کی نامزد کردہ مجلس شوریٰ کو اسلامی کہا جا رہا ہے اور اسے عوام کے مزاج اور ملکی ضروریات کے مطابق بیان کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اقدام اسلام کی سیاسی اقدار پر کاری ضرب لگا رہا ہے۔

صدر ضیاء الحق نے الیگزنڈر ٹامس کو ایک انٹرویو میں یہ کہا کہ "میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام انتخابات کے خلاف ہے لیکن میری یہ کوشش ہے کہ مجھے اس کے اصولوں کے دائرہ کار میں ہی کام کرنا چاہئے۔ یہاں میں یہ وضاحت کرنا پسند کروں گا کہ اسلام کی تجویز کردہ حکومت کے علاوہ کوئی بھی حکومت زیادہ جمہوری نہیں ہے۔" جب الیگزنڈر ٹامس نے کہا "بصد احترام میرا کہنا ہے کہ متعدد علمائے اسلام کہتے ہیں کہ مارشل لا اور فوجی آمریت بھی غیر اسلامی ہے۔" تو صدر ضیاء الحق نے جواب دیا کہ "نہیں بالکل نہیں۔ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسلام کے حقیقی تصور میں یہ ہے کہ اس میں حاکمیت کا کوئی طریقہ کار طے نہیں کیا گیا ہے لیکن اس میں اہمیت ان لوگوں کو دی گئی ہے جو مملکت کے امور کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ان کی کارکردگی قرآن و سنت کے مطابق ہے تو کوئی بھی شخص اسے چیلنج نہیں کر سکتا۔" اس پر الیگزنڈر ٹامس نے کہا۔ "کہ آپ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذمہ داری سونپی ہے۔" صدر ضیاء نے جواب دیا۔ ہاں اس بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔"

قرون وسطیٰ میں تو مسلمان بادشاہ علمائے دین میں سے کسی ایسے شخص کو ڈھونڈتے تھے

www.bhutto.org

جو اپنا ایمان اور ضمیر بیچ کر حاکم وقت کی خوشنودی حاصل کر لے اور اسکی خواہش کے مطابق فتوے دے کر اسے ظل الٰہی قرار دے دے۔ لیکن ضیاء الحق نے بیسویں صدی کے آخر میں اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور خود ہی اعلان کر دیا ہے کہ پاکستان میں آمریت قائم کرنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اسے سونپی ہے۔ اور حقیقی اسلام ہے۔

لیکن تمام سیاسی پارٹیاں' علمائے دین اور محبان وطن صدر ضیاء الحق کی حکومت کو اسلامی حکومت نہیں سمجھتے اور نہ ہی اسے جمہوری حکومت کہنے کو تیار ہیں۔ وہ یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ یہ ذمہ داریاں خود اللہ تعالیٰ نے صدر ضیاء الحق کو تفویض کی ہیں۔ بلکہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو اگر ختم کیا گیا تو پھر نیا آئین نہیں بن سکے گا۔ اور لامتناہی مسائل کی پٹاری کھل جائے گی۔ جنہیں حل کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہو گی۔ اور بچے کچے پاکستان کی بنیادیں ہل جانے کا بھی خدشہ لاحق ہو گا۔ پاکستان عام آدمی کے ووٹ کے ذریعے وجود میں آیا تھا اور اس کے بانی حضرت قائد اعظمؒ نے واشگاف الفاظ میں وفاقی جمہوری پارلیمانی نظام کو ہی پاکستان کے لئے بہترین گردانا تھا۔ وفاقی جمہوری پارلیمانی نظام پر پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیاں متفق ہو چکی ہیں اور موجودہ حالات میں ایسا اتفاق کسی دوسرے آئین پر نہیں ہو سکتا۔ جو ۱۹۷۳ء کے آئین پر ہوا۔ اگر آج اس طے شدہ مسئلے کو پھر سے چھیڑا گیا تو یقیناً پاکستان کی آزادی اور یک جہتی پر کاری ضرب لگانے کے مترادف ہو گی۔

لیکن بدقسمتی سے مارشل لا کی طوالت اور اس کی کارکردگی کی وجہ سے صورتحال اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ ۱۹۷۳ء کا آئین آسانی سے بحال نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کے تحت انتخابات منعقد ہو سکتے ہیں۔ مارشل لا حکومت کو قائم رکھنے کے لئے ہر قسم کے حربے اختیار کئے جائیں گے۔ اور بگڑتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر کوئی نیا آئین بنایا بھی گیا تو فوجی جرنیل صدارت کے عہدے پر ہمیشہ کے لئے متمکن ہونے کی کوشش کریں گے تاکہ جب چاہیں ملک میں مارشل لا نافذ کر دیں۔

صوبجاتی خود مختاری کا مسئلہ

آئین سے متعلق دوسرا اہم مسئلہ صوبجاتی خود مختاری کا مسئلہ ہے۔ قیام پاکستان سے ہی یہ مسئلہ سیاستدانوں اور حکمرانوں کے لئے الجھنیں پیدا کر رہا ہے۔ اور اس کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں ڈھونڈا جا سکا۔ حتیٰ کہ اس مسئلے کے حل نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان دو

لخت ہو چکا ہے۔ اور آج بھی بچے کچھے پاکستان کی یک جہتی کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس لئے اس مسئلے کو ٹھنڈے دل اور حقائق کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ۱۹۵۷ء میں مغربی پاکستان میں ایک یونٹ بنایا گیا تھا اور میں میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ نے وادی سندھ اور موہنجوڈارو' ہڑپہ اور ٹیکسلا کی قدیم تہذیب کی یک جہتی اور عظمت کے متعلق اسمبلی میں ایک محققانہ اور عالمانہ تقریر فرمائی تھی۔ درحقیقت مغربی پاکستان میں ایک یونٹ کا قیام مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو ختم کرنے کا ایک حربہ تھا۔ ایک یونٹ کے قیام نے چھوٹے صوبوں کے عوام میں' جنہیں تمام امور میں پنجاب کے ساتھ ضم کر دیا تھا سخت بے چینی پیدا کر دی تھی۔ ایک یونٹ کا صوبائی دارالحکومت ہائی کورٹ' بورڈ آف ریوینیو وغیرہ سب لاہور میں مرکوز تھے۔ چنانچہ انتظامی امور اور انصاف کے حصول میں چھوٹے صوبوں کو بے پناہ مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی وجہ سے عوام متواتر ایک یونٹ کو توڑنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۸ء کی تحریک نے یحییٰ خاں کو ایک یونٹ توڑنے پر مجبور کر دیا۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق کے خیال میں یحییٰ خاں نے ایک یونٹ توڑ کر سخت غلطی کی۔ ایک یونٹ قائم رہنا چاہئے تھا۔ چنانچہ ضیاء الحق چاہتا ہے کہ موجودہ صوبائی حد بندیوں کو ختم کر کے پاکستان کو ۵۳ ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس طرح نسلی امتیازات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاکستان کے نقشہ سے مٹا دیا جائے۔ (افغانستان کے سائے تلے۔ صفحہ ۱۵۱۔ سلیگ ہیریسن)

دراصل اس مسئلے کو دو غلط مفروضوں نے پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ان مفروضوں کا اس قدر پراپیگنڈا کیا گیا ہے اور انہیں ایمان کا یوں درجہ دیا گیا ہے کہ اکثریتی صوبہ پنجاب کے لوگ ان کی صداقت پر رتی بھر بھی شک و شبہ نہیں کرتے اور ان مفروضوں کو اپنے ایمان کا ایک جزو سمجھنے لگے ہیں۔ اول تو یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے سب لوگ ایک قوم ہیں۔ کیونکہ وہ ایک خدا' ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور چونکہ ان کی بہت بڑی اکثریت کا مذہب ایک ہے اس لئے وہ ایک قوم ہیں۔ اس مفروضے کو چیلنج کرنے والا یا اس مفروضے سے اتفاق نہ کرنے والا پاکستانی ریاست کا غدار کہلاتا ہے اور اسلام کا دشمن ٹھہرتا ہے اور کوئی بھی اس سادہ سی حقیقت کو جاننے اور پرکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ اگر اسلام کی وجہ سے پاکستان میں بسنے والے لوگ ایک قوم ہیں تو مشرق وسطیٰ کے لوگ سعودی عرب' ایران' یمن' عراق' شام' ترکی' کویت' دوبئی' ابو ظہبی اور افریقہ کا

www.bhutto.org

مصر اور سوڈان اور الجیریا' ٹیونس مراکو اور لیبیا) وغیرہ جو کہ نہ صرف ایک خدا' ایک رسول' ایک کتاب کو ماننے والے ہیں بلکہ سب کی زبان ایک ہے۔ کیوں ایک قوم نہیں۔ وہ ایک ریاست کیوں نہیں بناتے' ایک ریاست تو کجا وہ ایک فیڈریشن تک نہیں بنا سکے۔ ظاہر ہے وہ اپنے آپ کو مختلف قومیں کہتے ہیں۔ وہ مختلف ممالک میں بسے ہوئے ہیں اور مختلف ریاستیں بنائے ہوئے ہیں جن کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے بے پناہ اسلحہ خریدے جا رہے ہیں۔ نئی فوجیں بنا رہے ہیں۔ اس وقت بھی دو مسلمان ممالک۔ ایران و عراق میں جنگ جاری ہے۔ نہ تو وہ اسلام کے دشمن سمجھے جاتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے ہموطنوں کے غدار کہلاتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والے مختلف لوگ جن کی اکثریت کا مذہب تو ایک ہے (حالانکہ اس میں بیشمار متحارب فرقے موجود ہیں) لیکن جن کی زبانیں مختلف ہیں۔ رسم و رواج' تہذیب' تمدن اور تاریخ مختلف ہے' کیوں مختلف قومیں نہیں کہلا سکتیں۔ خطرہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر انہیں مختلف قومیں مان لیا جائے تو پاکستان کی یک جہتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ پاکستان کے اتحاد میں دراڑیں آجائیں گی۔ اور مختلف قوموں کی ایک ریاست قائم نہیں رہ سکے گی۔ اور اسلام خطرے میں پڑ جائے گا۔ قومی سوال کا ان مختلف پہلوؤں سے جائزہ لینے کے لئے اگر ہم اپنے ہمسایہ سوویت یونین کے نظام کے مطالعہ کریں تو بے جا نہ ہو گا۔ سوویت یونین میں مختلف قومیں آباد ہیں۔ جن کے مذاہب مختلف ہیں' جن کی زبانیں مختلف ہیں' جن کے تہذیب و تمدن مختلف ہیں۔ اور جو ایک براعظم کی بجائے دو براعظموں پر پھیلی ہوئی ریاست ہے اور یہ سب قومیں ایک ہی ریاست میں رہ رہی ہیں اور وہ ریاست آج دنیا کی بہت بڑی طاقت ہے اور اس ریاست میں قوموں کے حق خود اختیاری کو بمعہ علیحدگی کے حق کے تسلیم کیا گیا ہے اور یہ اس کے آئین کا حصہ ہے کہا جا سکتا ہے کہ سوویت یونین تو ایک سوشلسٹ ریاست ہے اور اس ریاست کی بنیادیں ہی ایک ایسے نظریے پر اٹھائی گئی ہیں کہ ہم اس کے تجربہ سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

سوویت یونین کی مثال کو چھوڑ کر ہندوستان کی مثال کو ہی لیجئے۔ ہندوستان اور پاکستان نے تو ایک ہی وقت میں ایک ہی بیرونی طاقت سے آزادی حاصل کی ہے ان کے قومی مسائل بھی ایک ہی جیسے ہیں۔ ہندوستان میں بھی مختلف قومیں آباد ہیں۔ بنگالی ہیں' بہاری ہیں' پنجابی ہیں' مرہٹے ہیں اور ان کے علاوہ درجنوں دوسری قومیں ہندوستان میں مختلف ریاستوں میں رہ رہی ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بعد کئی بار ہندوستان کے اندر ریاستی خود مختاری

حتیٰ کے جغرافیائی سرحدوں اور ریاستوں کے نام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کر چکی ہیں۔

چند برس پہلے تامل ناڈو کے عوام نے اپنی علیحدہ ریاست بنائی اور ریاست کی نئی سرحدوں کا تعین طویل اور خونیں جدوجہد سے کروایا۔ ابھی دو سال ہوئے آسام میں ایک زبردست اور طوفانی تحریک چلتی رہی ہے۔ جس کا مطالبہ تھا کہ غیر آسامی لوگوں کو آسام کی ریاست سے نکال دیا جائے۔ بہت کشت و خون ہوا۔ پولیس اور فوج استعمال ہوئی۔ ہزاروں کی تعداد میں گرفتاریاں ہوئیں۔ درجنوں تشدد اور گولی کا نشانہ بنے لیکن کسی کو غدار نہیں کہا گیا۔ کسی پر کیچڑ نہیں اچھالا گیا بلکہ گفت و شنید کی گئی اور قانونی کاروائی کی گئی۔ سول قانون کو ختم نہیں کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے ملحق صوبہ مشرقی پنجاب میں پنجابی اپنی ریاست کی حدود کو تبدیل کرنے اور دوسرے مطالبات کے لئے زبردست ایجی ٹیشن کر رہے ہیں اور کچھ نوجوان آزاد سکھ ریاست کا بھی نعرہ لگا رہے ہیں۔ لاٹھی چارج ہوئے ہیں بم چلے ہیں۔ جیلیں سیاسی قیدیوں سے بھر گئی ہیں۔ اپنا علیحدہ ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں، لیکن کسی کو غدار نہیں کہا گیا۔ کسی کی پیٹھ کوڑوں سے نہیں داغی گئی۔ ہندوستانی ریاست خطرے میں ہے کا نعرہ نہیں لگایا گیا۔ بلکہ تحریک چلانے والوں سے افہام و تفہیم کی جاتی رہی ہے۔ اتنی زبردست ایجی ٹیشن، مظاہروں اور تحریک کے باوجود کبھی مارشل لا لگانے کے متعلق سوچا بھی نہیں گیا اور ہمیشہ جمہوری طاقتوں کی مدد سے جمہوری طریقوں سے ان مسائل کا کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ ہی لیا جاتا ہے۔ ان تحریکوں کے دوران اور بعد میں ہندوستانی ریاست کے ٹوٹنے کا الارم نہیں بجایا جاتا۔ اور نہ ہی مذہب خطرے میں ہے کا نعرہ لگایا جاتا ہے بلکہ تاریخی ارتقا کے تقاضوں کو پورا کر کے ہندوستانی تاریخ کو رقم کیا جاتا ہے۔ ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے جس میں موجودہ پاکستان کی نسبت کئی ریاستوں میں زیادہ پس ماندگی اور غربت موجود ہے لیکن پھر بھی لوگ ہندوستان کی عظمت کے گیت گاتے ہیں اور اپنی اپنی تہذیبوں اور ثقافتوں کو فروغ دیتے ہوئے ہندوستانی ثقافت اور تہذیب کی نشوونما کرتے ہیں جیسا کہ ایشیائی کھیلوں (۱۹۸۲) کے افتتاح کے دوران رنگا رنگ کے ناچ گانے جو مختلف قوموں کے خصوصی اوصاف کے حامل تھے سے ظاہر ہوا۔ ابھی حال ہی میں جنوبی ہند کی ریاست میں صوبائی ریڈیو پر ہندی کے پروگرام نشر کرنے کی اجازت بند کر دی گئی ہے اور مرکزی حکومت نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام نو آزاد اور پسماندہ ممالک ایسے ہی مسائل سے دو چار ہیں یہ مسائل تاریخ کے پیدا کردہ ہیں۔ ان مسائل کو تاریخ کے تقاضوں کے مطابق ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

www.bhutto.org

لیکن پنجاب اور کراچی کے محتاج اور گماشتے بڑے سرمایہ دار، جو اپنے فیوڈل ازم کے خلاف جدوجہد کئے بغیر سامراجی مشروط قرضوں سے پلے ہیں اور برطانوی حکومت کی پیدا کردہ فوج کے افسر اور نوکر شاہی ان کے جائز حقوق نہیں مانتے۔ بڑے سرمایہ داروں کا مفاد یہ ہے کہ ان کی اندرونی منڈی وسیع ہو۔ وہ جہاں چاہیں صنعتیں لگا سکیں اور صنعتیں لگانے کے لئے انہیں یکساں مراعات حاصل ہوں۔ ان کی تجارت بلا روک ٹوک پاکستان کے کونے کونے میں پھیل سکے۔ اور پاکستان کے تمام علاقے ان کے لئے ایک وسیع اور مربوط منڈی کا کام دیں۔ افراد اور نوکر شاہی بھی اپنی ملازمتوں کے مفادات کے لئے ان قومیتوں کے حقوق ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ہر جگہ اپنی حکمرانی قائم کئے ہوئے ہیں اور وہ اس حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ جب بھی مختلف چھوٹی قومیتیں حقوق مانگتی ہیں وہ پاکستان کی یک جہتی اور آزادی خطرے میں ہے کا نعرہ لگاتے ہیں اور اسلامی اخوت اور اتحاد پر اسے کاری ضرب قرار دیتے ہیں۔

اس پروپیگنڈا اور حکمرانوں کے ان مفروضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان نیشنل پارٹی کے رہنما غوث بخش بزنجو نے ۲۸ اگست ۱۹۷۸ء کو لاہور میں ایک بیان دیتے ہوئے اس سرکاری پوزیشن کو مضحکہ خیز قرار دیا کہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے پاکستانی سب ایک قوم ہیں۔ کیونکہ ان کا مذہب ایک ہے۔ قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے بزنجو نے کہا کہ روئے زمین پر مسلمان قوم نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قبائل اور قومیتوں کو تسلیم کیا ہے۔۔۔۔۔۔ (امروز ۲۹ اگست ۱۹۷۸ء)

غوث بخش بزنجو نے ان لوگوں کو انتباہ کیا جو ایک پاکستانی قوم کے داعی ہیں۔ بزنجو نے کہا "کہ وہ لوگ پاکستان کو توڑنے کے ذمہ دار ہوں گے جو ایک پاکستانی قوم کے داعی ہیں...... کل جو نظریہ پاکستان کے علمبردار بنے بیٹھے تھے وہی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ذمہ دار ہیں۔ آج وہ لوگ بچے کھچے پاکستان کو توڑنے کے مجرم ہوں گے۔ ہم تاریخ کے ایسے دوراہے پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہمیں ایک دوسرے پر علیحدگی پسندی کے ناجائز حملوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ میرے نزدیک ان نازیبا حملوں کا نتیجہ بہت مہلک ہو گا۔"

پنجابی اور ہندوستانی مہاجر عوام کے ذہنوں میں دوسرا بڑا مفروضہ مسلسل پراپیگنڈہ کے ذریعے یہ قائم کر دیا گیا ہے کہ پاکستان کے تمام لوگ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق پاکستانی ریاست میں شامل ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد (جہاں اس مسئلہ پر ریفرنڈم کرانا پڑا جس سے ظاہر ہے کہ عوام اس بات پر پوری

طرح متفق نہ تھے) کہ عوام نے اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق پاکستانی ریاست کو تشکیل دیا ہے۔ اور اس کے لئے جدوجہد بھی کی ہے لیکن جہاں تک بلوچستان کا معاملہ ہے یہ مفروضہ درست نہ ہے اور حقائق پر دبیز پردے ڈال دیئے گئے ہیں اور اسطرح انہیں عوام کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے بلوچستان چند ریاستوں' آزاد علاقوں اور برطانوی بلوچستان پر مشتمل تھا۔ جہاں تک برطانوی بلوچستان کا تعلق ہے اس میں برطانوی سامراج نے تقسیم کرو اور حکومت کرو کے سنہری اصول کے مطابق کچھ پختون علاقوں کو بھی شامل کر رکھا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کے نامزد ممبران اسمبلی نے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو ایک میٹنگ بلائی جس میں صرف تین بلوچ تھے اور باقی پانچ غیر بلوچ۔ اس میٹنگ میں برطانوی بلوچستان کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ریاست قلات میں والیئے ریاست احمد یار خاں نے ۵۲ ممبروں پر مشتمل اسمبلی کی تشکیل کی اور اس کا انتخاب کرایا۔ انتخاب میں ۳۹ نشستیں قلات نیشنل پارٹی نے جیت لیں۔ اس اسمبلی کا ۱۹۴۷ء ستمبر کے پہلے ہفتہ میں اور پھر دسمبر میں اجلاس ہوا اس اجلاس میں جو تقاریر ہوئیں ان سے ظاہر ہے کہ بلوچ رہنما پاکستان کے ساتھ اپنی آزادی پر مبنی اتحاد چاہتے تھے لیکن وہ اس بات پر سخت ناراض تھے کہ پاکستان نے ان تین علاقوں کو جنہیں برطانوی سامراج نے ریاست قلات سے علیحدہ کر رکھا تھا' قلات کے ساتھ مدغم نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ کو ایک تقریر میں غوث بخش بزنجو نے کہا۔ "افغانستان' ایران کی طرح ہماری ثقافت علیحدہ ہے اور اگر محض اس لئے ہمیں پاکستان میں مدغم ہونے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں تو افغانستان اور ایران کو بھی پاکستان میں مدغم کرنا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ایٹمی زمانہ میں بلوچ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو کیا افغانستان اور ایران اور پاکستان سپرپاورز کے خلاف اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو اور بھی بہت سے لوگ اپنا دفاع نہیں کر سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاشی وجوہات کی بنا پر پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے لیکن ہمارے پاس معدنیات ہیں' پٹرول ہے اور بندرگاہیں ہیں۔ سوال ہے کہ ہمارے بغیر پاکستان کیا ہوا گا۔"

۱۹۴۷ء میں بزنجو صاحب نے مزید کہا کہ وہ خود مختار بلوچستان کا اتحاد پاکستان سے کر سکتے ہیں...... میں وجود میں آنے والی نئی ریاست کے راستے میں۔ دفاع۔ خارجہ امور اور رسل و رسائل کے معاملات میں رکاوٹیں کھڑی کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ہم ذلت پر مبنی نہیں بلکہ باعزت تعلقات چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان میں ضم ہونا نہیں چاہتے۔ ہم تاریخ کے سامنے

www.bhutto.org

ایسا مجرم نہیں بننا چاہتے کہ ہم نے بلوچ علاقوں کو غیر بلوچ علاقے ہیں شامل کر دیا۔ اگر پاکستان ہمارے ساتھ آزاد اور خود مختار لوگوں کی طرح سلوک کرتا ہے تو ہم دوستی کا ہاتھ آگے بڑھائیں گے لیکن اگر پاکستان ایسا نہ کرے اور تمام جمہوری اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمیں ایسے حالات ماننے پر مجبور کر دے تو ہر بلوچ اپنی آزادی کے لئے لڑے گا۔"

بلوچ قوم کی تاریخ کے چند پریشان دفتر اوراق۔ مرتبہ ملک اللہ بخش سے سلیگ ہیرسن نے اپنی کتاب "افغانستان کے سائے تلے۔"

صفحہ ۲۵ پر حوالہ دیا۔

پہلی اپریل ۱۹۵۸ء کو پاکستانی فوج نے بلوچستان میں اپنے گر-سن کمانڈر کو قلات پر حملہ کرنے اور اگر خاں آف قلات الحاق کے متعلق معاہدہ پر دستخط نہ کرے تو اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا خان آف قلات نے تو ہتھیار ڈال دیئے لیکن اسکے چھوٹے بھائی شہزادہ عبدالکریم نے، جو پاکستانی قبضہ سے پہلے مکران کے بلوچ علاقے کا گورنر تھا، ہتھیار، گولہ بارود اور خزانہ جمع کیا اور پاکستان کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔"

آخر خان آف قلات نے اپنے بھائی کو پاکستانی فوج سے ان شرائط پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر لیا کہ اس کی حفاظت کی جائے گی اور اسے معافی دے دی جائیگی۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کی فوج نے شہزادہ عبدالکریم کے نمائندوں سے ہر جوئی سلسلہ ہائے کوہ میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاہدہ پر دستخط کئے۔ اور قرآن پاک پر حلف اٹھایا کہ وہ اس معاہدہ کے پابند رہیں گے۔"

لیکن پاکستانی فوج نے اس معاہدہ کو توڑتے ہوئے شہزادہ عبدالکریم اور اسکے ۱۰۲ ہمراہیوں کو قلات جاتے ہوئے گرفتار کر لیا۔"

"اس کے بعد ۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو یعنی ایوب خان کے مارشل لاء لگانے سے ایک دن پہلے پاکستانی فوج قلات میں داخل ہو گئی اور اس طرح ایوب خان کے مارشل لا لگانے کا جواز مہیا کر دیا۔ فوج نے خان آف قلات اور اس کے عملہ کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے علاوہ تین اور سیاسی رہنماؤں کو بھی حراست میں لے لیا۔ اور ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ شہزادہ عبدالکریم اور اس کا چچا بغاوت کرنے کے لئے افغانستان سے خفیہ طور پر بات چیت کر رہے تھے۔ اور اس لئے ۸۰ ہزار قبائیلوں پر مشتمل فوج تیار کر لی گئی تھی۔ لیکن اس سازش کو ثابت کرنے کے لئے صرف شہادت یہ مہیا کی گئی کہ خان آف قلات کی افغانی

بیوی اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لئے افغانستان گئی ہوئی تھی۔"

کچھ عرصہ بعد فوج نے قبائلیوں کو ہتھیار جمع کروانے کے لئے حکم دیا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔ اور نوے سالہ نو روز خاں کی رہنمائی میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ۷۵۰ یا ایک ہزار کے قریب قبائلی لشکر نے موضع وڈ کے مقام پر پاکستانی فوج کے ساتھ خوں ریز جنگ کی۔ یہ جنگ آہستہ آہستہ جاری رہی۔ اور آخر ۱۹۶۰ء میں فوج اور گوریلوں کے نمائندے گفت و شنید کے لئے ملے اور یہ طے پایا کہ نوروز خاں ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور اس کے عوض ایک یونٹ کی سکیم واپس لے لی جائیگی۔ لیکن اس بار پھر نو روز خاں اور اس کا بیٹا اور ان کے پانچ ہمراہی گرفتار کر لئے گئے۔ نوروز خاں کا بیٹا اور پانچ دوسرے بغاوت کے الزام میں تختہ دار پر لٹا دیے گئے۔ جن میں سے ایک لڑکا گلے میں قرآن لٹکائے ہوئے یہ کہتے ہوئے پھانسی پر چڑھ گیا کہ اس کے ساتھ قرآن کو بھی پھانسی دی جائے کیونکہ پاکستان حکومت نے قرآن پاک کی قسم کو توڑ دیا ہے۔ نوروز خاں کی سزا پھانسی عمر قید میں تبدیل کر دی گئی اور وہ ۱۹۶۴ء میں کوہلو جیل میں وفات پا گیا۔ (ایضاً) اس کے بعد شیر محمد مری کی رہنمائی میں ۱۹۶۹ء تک پاکستانی افواج کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں لڑائی جاری رہی۔

۱۹۷۰ء میں یحیے خاں نے تحریک کے شدید دباؤ کے تحت ایک یونٹ کو توڑ دیا اور پہلی بار بلوچستان میں عام انتخابات ہوئے اور آخر ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت بلوچستان میں صوبائی اسمبلی تشکیل دی گئی۔ اور پہلی مرتبہ بلوچستان میں نمائندہ صوبائی حکومت قائم ہوئی۔ غوث بخش بزنجو گورنر بنے اور عطاء اللہ مینگل وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر متمکن ہوئے۔ لیکن بھٹو مرحوم نے ۱۲ فروری ۱۹۷۳ء کو اچانک صوبائی حکومت کو ڈسمس کر دیا۔ اپریل ۱۹۷۳ میں بلوچ گوریلوں نے جنگ شروع کر دی۔ جس میں ۸۰ ہزار فوج نے حصہ لیا۔ اس میں ہیلی کاپٹر استعمال کیے گئے حتیٰ کہ شاہ ایران نے اس بغاوت کو کچلنے کے لئے فوجی امداد بھی دی۔ ۱۷۸ کے قریب بڑی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں اور چار سال تک جنگ جاری رہی۔ دونوں اطراف کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اور اس جنگ نے پاکستان کی معیشت کو جس نے ۱۹۷۰-۷۱ کے واقعات کے بعد ابھی تک پوری طرح سنبھالا نہیں لیا تھا تباہ کر دیا۔ اس تمام دور میں بزنجو اور مینگل نیشنل عوامی پارٹی کے دوسرے رہنماؤں کے ہمراہ حیدر آباد جیل میں رہے جہاں ان پر بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلتا رہا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے بعد جب قومی اتحاد کی تحریک کے نتیجے میں ملک میں مارشل لاء لگ گیا تو ضیا الحق نے جس کی

www.bhutto.org

سربراہی میں پاکستانی افواج بلوچ گوریلوں کی سرکوبی کرتی رہی تھیں اور جن کے ہاتھوں میں عطا اللہ مینگل کا نوجوان لڑکا مارا گیا تھا اپنی مصلحتوں کے تحت جنگ بند کر دی۔ اور پاکستان کی جیلوں سے چھ ہزار بلوچ قیدیوں کو رہا کر دیا اور بلوچ رہنماؤں کے ساتھ گفت و شنید شروع کر دی۔ لیکن ۱۹۷۹ء کے آخر میں بلوچ طلباء کی تنظیم کے اراکین کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ یہ پالیسی تادم تحریر جاری ہے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کے امروز میں چھپنے والے نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی کے دس رہنماؤں کے ایک بیان کے مطابق نوکر شاہی نے اپنی ایجنسیوں کے ذریعے میر غوث بخش بزنجو، عطاء اللہ مینگل اور خیر بخش مری کو قتل کروانے کی سازش کی ہے تاکہ جمہوریت اور سیاسی اختلاف کی یہ موثر آوازیں خاموش کر دی جائیں۔ وفاق کے زیر اہتمام سیاسی ایجنسیاں متعصب افسروں کے مشورے پر کوشش کر رہی ہیں کہ بلوچ رہنماؤں کو بلوچستان میں معمولی اور چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں الجھا دیا جائے اور یوں انھیں قتل کر دیا جائے۔" اس کے بعد خیر بخش مری اور عطا اللہ مینگل نومبر ۱۹۷۹ء میں ملک سے باہر چلے گئے اور وہ کئی سالوں سے جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۱ جون ۱۹۸۱ء کو ایک بلوچ نوجوان عبدالحمید بلوچ کو مچھ جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ اس کے خلاف الزام یہ تھا کہ اس نے حکومت اومان کے ایک ایجنٹ کو جو اومانی عوام کو کچلنے کے لئے کرائے کے سپاہی بھرتی کر رہا تھا قتل کر دیا تھا۔ ۸ دسمبر ۱۹۸۰ کو بلوچستان ہائی کورٹ نے اسے پھانسی دینے کے خلاف اس لئے حکم امتناہی جاری کر دیا تھا کہ مقدمہ کی کارروائی شک و شبہ سے بالا نہ تھی۔ مقدمہ کے دوران مقتول کا نام دو بار تبدیل کر دیا گیا تھا جبکہ مقتول زندہ ثابت ہو گیا تھا لیکن ۱۹۸۱ء کے پی سی او کے تحت ہائی کورٹوں کے اختیارات چھین لئے گئے اور حکم امتناعی کے ہوتے ہوئے اسے پھانسی دے دی گئی۔

عبدالحمید بلوچ نے شہادت سے پہلے لکھا۔ "اس وقت جبکہ میں لکھ رہا ہوں میرے ارد گرد مسلح پہریدار موجود ہیں اور میری تمام حرکات پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ میری زندگی اور موت کے درمیان صرف آٹھ گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ اس وقت سے آٹھ گھنٹے بعد مجھے تختہ دار پر لے جایا جائے گا۔ مجھے کسی قسم کی ندامت نہ ہے اور نہ ہی میرے ذہن میں اس بات کا بوجھ ہے کہ مجھے اس قدر جلد جہان فانی سے کوچ کرنے کی بجائے کچھ دیر اور زندہ رہنا چاہئے تھا کیونکہ بغیر کسی نصب العین کے زندہ رہنا یا غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانا ایک لعنت ہے۔"

میں نہ تو بلوچستان کے لئے خون دینے والا پہلا آدمی ہوں اور نہ ہی آخری۔ سینکڑوں بلوچوں نے مادر وطن کے لئے جانیں قربان کی ہیں......"

"میرے بھائی' میرے دوست' میرے عزیز و اقارب اور عظیم بلوچ قوم یقیناً میرے نامکمل مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی"۔۔۔۔۔۔

پہاڑ بلوچوں کے قلعے ہیں
اور غار اس کی پناہ گاہیں
بہتے چشمے ان کی پیاس بجھاتے ہیں
اور ان کے بچے ان کی تلواریں ہیں۔
کھجور کے چھال سے بنی ہوئی جوتیاں ان کے گھوڑے ہیں
اور خنجر ان کے داماد....."

(پاکستان پروگریسو ۔۔۔۔ ۸۲ء جلد ۴۔شمارہ ۱۰)

حمید بلوچ کی سزا کے خلاف کوئٹہ اور بلوچستان کے تمام کالجوں کے طلباء نے زبردست مظاہرے کئے۔ اور پاکستان کے جھنڈے جلائے۔ حکومت کو آخر کار کالج بند کرنے پڑے۔

بلوچستان کے ایک نوجوان فرزند کی یہ آواز جواں سینوں میں حب الوطنی کی آگ کو شعلوں میں تبدیل کر رہی ہے اور آخر بلوچستان کے مستقبل کے متعلق لندن سے وہ آواز اٹھی ہے جو پاکستان کی یک جہتی کے لئے نہایت ہی تشویشناک ہے۔ یہ آواز نہ اٹھتی اگر بلوچ عوام کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جاتا۔ حقیقتی معنوں میں بھائی چارے اور مساوات کی نشوونما کی جاتی اور جمہوری اداروں کو مضبوط کیا جاتا۔ لیکن چونکہ پچھلے ۳۵ سال سے پاکستان کی مختلف حکومتوں نے یہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے جبر اور دباؤ اور حقارت آمیز رویے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جمہوری اداروں کی نشوونما کی بجائے بار بار مارشل لاء لگانے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور اس طرح فوج (جس میں پنجاب کی اکثریت ہے) کا تسلط قائم کیا ہے۔ اس لئے آج عطاء اللہ مینگل جو بلوچستان کے پہلے منتخب وزیر اعلیٰ تھے' اور آج جلا وطنی کے ایام لندن میں گذار رہے ہیں' نے اعلان کیا ہے کہ "بلوچستان کی مکمل آزادی چاہتے ہیں .... بلوچ عوام کو آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلح جدوجہد کرنی ہوگی۔" انہوں نے مزید کہا۔ ہم آخر کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ پاکستان میں رہ کر بلوچ اپنے حقوق حاصل کر سکیں وہ بھی اس وقت جب پنجابی اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ اس ارادہ پر تلا وہ ہوا ہے کہ وہ بلوچوں کے تشخص کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا........

www.bhutto.org

اگر بلوچ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور وہ بھی ایک قوم کی حیثیت سے تو انہیں پاکستان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا اور اپنے لئے ایک آزاد وطن کو جنم دینا ہو گا۔ جس کا نام خود ہی انہوں نے ایک عرصہ دراز سے بلوچستان رکھ چھوڑا ہے۔ یہ باتیں پاکستان میں رہ کر نہیں کہی جا سکتی تھیں۔ اور کسی نہ کسی نے یہ تلخ گولی نگل کر بلوچستان کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر اس تحریک کو چلانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا تھا اور یہ کام میرے حصے میں ہی آیا ہے"۔۔۔۔۔۔

(ماہنامہ آزاد بلوچستان ۔ جلد اول شمارہ ا۔ جولائی ۸۲ء ۔ لندن)

تمام پاکستانیوں کے لئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے انہیں سوچنا ہو گا کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ وہ کون سے حقائق ہیں اور کونسے محرکات ہیں جنہوں نے بلوچستان کے منتخب سابق وزیر اعلیٰ کو یہ راستہ چننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیا یہ اعلان چند بلوچ سرداروں کی خود غرضیوں اور محض ذاتی مفادات کی پیداوار ہے یا کچھ ٹھوس حقیقتیں ہیں جنہوں نے بالاخر اس نتیجے کو جنم دیا ہے۔

اگر بلوچستان کے حالات پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیجائے تو چند حقائق چیختے ہوئے نظر آئیں گے۔ سب سے پہلے اس بات کو ہی لیجئے کہ مارشل لا کے ساڑھے پانچ سالہ دور میں جہاں دوسرے صوبوں میں نامزد وزیر موجود ہیں بلوچستان میں یہ قدم اٹھانے سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے بلوچستان کے گورنر نامزد کابینہ کی بشارت دے رہے ہیں لیکن وہ آج تک وجود میں نہیں آسکا۔

اگر سول سروس پر نگاہ ڈالیں تو وہاں بھی حالات انصاف کا منہ چڑاتے نظر آتے ہیں۔ سول سروس پر گاہ میں بلوچوں کی نمائندگی بہت کم ہے۔ اس لئے صوبائی حکومت کی معاشی اور انتظامی پالیسیاں بنانے میں ان کی مرضی نہ ہونے کے برابر ہوتے ہے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۹ء میں سول سروس کی ۸۳۰ اعلیٰ آسامیوں میں سے بلوچ صرف ۱۸۱ آسامیوں پر متمکن تھے۔ اور یہ بھی تمام کی تمام معمولی آسامیاں تھیں۔ ریاست کے بیس محکمانہ سیکریٹریوں میں بلوچ صرف ایک تھا اور ایک ڈائریکٹر تھا۔ چار کمشنروں میں سے ایک بھی بلوچ نہ تھا۔ اور سولہ ڈپٹی کمشنروں میں سے صرف ایک بلوچ تھا۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور اس کے چار نائب سب غیر بلوچ تھے اور ستر فیصد پولیس ملازمین بھی غیر بلوچ تھے۔ بلوچ رہنما کہتے ہیں کہ یہ اعداد و شمار بھی درست نہ ہیں کیونکہ بہت سے افسر جن کو بلوچ کہا جاتا ہے وہ بلوچ بختون ہیں۔"

www.bhutto.org

گذشتہ پچیس سال میں بلوچستان میں تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے نمائندہ حکومت قائم نہیں کی گئی۔ اور اگر کی گئی تو چند ماہ بعد اسے ڈس مس کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس راستے پر صدق دلی سے قدم ہی نہیں اٹھایا گیا۔ بلوچستان کی پسماندگی اور غربت اور عدم ترقی کو بدلنے کے لئے بھی کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت ٹھوس کام نہیں کیا گیا۔ جن ترقی کے اقدامات کا آج ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اس کے ابھی تک خاطر خواہ نتائج منظر عام پر نہیں آئے۔

مثال کے طور پر سوئی گیس جو ۱۹۵۳ء میں دریافت ہوئی تھی۔ اور جس کے ذخائر اندازے کے مطابق ۹ ٹریلین کیوبک فٹ ہیں اور جو ۱۹۸۰ء میں ہر سال ۴۰۰ ملین کیوبک فٹ پیدا کی جا رہی تھی بلوچستان کے بگتی علاقے میں ہے۔ سوئی گیس پاکستان کی کل گیس کی پیداوار کا ۸۰ فیصد ہے۔ اور ۲۷۵ ملین ڈالر سالانہ زر مبادلہ کی بچت کرتی ہے۔ لیکن بلوچستان کو سوئی گیس کی پیداوار کی رائلٹی کے طور پر ۸۰-۱۹۷۹ء میں صرف ۱۲ لاکھ ۳ ملین ڈالر دیا گیا۔ ۱۹۸۱ء کو سوئی گیس کے کوئیں کے موقع پر رائلٹی کا نرخ ۱۲ء۵ فیصد تھا جبکہ کینیڈا میں اسی مقدار کا ریٹ ۴۵ فیصدی تھا۔ سوئی کے مقام پر پیدا ہونے والی تمام کی تمام گیس پنجاب' سرحد' اور سندھ کو مہیا کی جاتی ہے۔ ۱۹۷۷ء کو جب پیر کوہ کے مقام پر مزید گیس دریافت ہوئی تو پاکستانی حکام نے فوراً پہلے سے ترقی یافتہ علاقوں کو گیس مہیا کرنے کے منصوبوں کا اعلان کر دیا۔"

گیس کے بعد بلوچستان کی دوسری اہم پیداوار کوئلہ کی ہے۔ کوئلے کی دس بڑی کانیں تمام کی تمام غیر بلوچوں کی ملکیت ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں دو کروڑ پچاس لاکھ ڈالر مالیت کا کوئلہ نکالا گیا۔ سوئی گیس کی طرح بیشتر کوئلہ بھی دوسرے علاقوں میں صنعتی استعمال کے لئے منتقل ہو جاتا ہے۔ کوئٹہ میں کوئلہ مقابلتاً مہنگا ہوتا ہے۔ حالانکہ کانیں بالکل قریب ہیں۔ اکثر کانوں میں سیفٹی لیمپوں کی بجائے دقیانوسی مٹی کے تیل کے لیمپ استعمال ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں صرف ۷۷-۱۹۷۳ء کے درمیان ۳۹۴ کے قریب حادثات ہوئے جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہیں۔"

بلوچستان کی سرزمین معدنیات سے مالا مال ہے۔ لیکن بلوچ عوام کی خوشحالی کی بجائے یہ معدنیات ان کی پسماندگی اور غلامی کا باعث بنی ہوئی ہیں کیونکہ غیر بلوچ سرمایہ دار ان معدنیات سے استفادہ حاصل کرنے اور بے انداز منافع کمانے کے لئے بلوچستان کے عوام کو تمام سیاسی حقوق سے محروم کئے ہوئے ہیں۔

www.bhutto.org

جب بھی بلوچ عوام کے ان مسائل کی طرف پنجاب کے ترقی یافتہ لوگوں کی توجہ دلائی جاتی ہے تو بجائے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنے کے انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ جاہل ہیں' ان پڑھ ہیں' غیر ہنر مند ہیں۔ وہ کاشت کاری بھی نہیں جانتے' صنعت لگانے کا انہیں کوئی ڈھنگ نہیں۔ اگر انہیں کوئی لائسنس دیا جاتا ہے تو وہ پنجاب یا کراچی کے سرمایہ داروں کے پاس فروخت کردیتے ہیں۔ وہ بہت کام چور اور سہل پسند ہیں۔ بلوچوں اور سندھی عوام کے متعلق یہ وہی نظریہ ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے متحدہ ہندوستان میں ترقی یافتہ ہندو پس ماندہ مسلمانوں کے متعلق رکھتا تھا۔ اور مسلم لیگی رہنما مسلمانوں کی پسماندگی کے متعلق اعداد و شمار پیش کر کے پاکستان قائم کرنے کے لئے ترغیب دیتے تھے۔

سندھ میں صوبائی خود مختاری کا مسئلہ بلوچستان سے بھی گھمبیر صورت اختیار کئے جا رہا ہے۔ یوں تو وادی سندھ میں صدیوں سے شمال مغرب کی طرف سے مختلف قبائل باہمی جنگ وجدل اور حکمرانوں کے ظلم و تشدد سے پناہ لینے کے لئے اور اکثر اوقات بھوک کے ستائے ہوئے خوراک کی تلاش میں اس خطے میں وارد ہوتے رہے ہیں۔ اور یہاں کے پرانے بسنے والے لوگوں کو ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور کرتے رہے۔ لیکن جدید عہد کی آمد کے ساتھ جب ریاستوں کی جغرافیائی حدود متعین ہو گئیں تو نقل مکانی قریباً رک گئی۔ لیکن اس خطہ میں ۱۹۴۷ء کے بعد نئے حالات میں مشرق و مغرب دونوں اطراف سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ نقل مکانی کرتے پر مجبور ہو گئے۔ اور انہوں نے وادی سندھ میں پناہ لی۔ پنجاب میں لاکھوں مہاجرین مشرق سے وارد ہو کر آباد ہو گئے۔ لیکن ان میں نوے فیصدی پنجابی زبان بولنے والے تھے۔ اور پہلے سے پاکستانی پنجاب کے لوگوں کے ساتھ رشتہ داریاں اور روابط رکھتے تھے۔ سندھ میں خصوصاً کراچی میں پاکستان کے قیام کے بعد مخصوص حالات نے لاکھوں ایسے افراد کو کراچی میں آباد کر دیا جن میں سے ۹۰ فیصدی غیر سندھی تھے اور سندھی زبان نہ جانتے تھے۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے پاکستان کی تقریباً ۷۵ فیصدی دولت اور کاروبار وغیرہ اسی شہر میں مرکوز ہے۔ اس کے علاوہ سندھ کے تمام بڑے شہروں میں غیر سندھی بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اندرون سندھ ہندوستانی مہاجر ہزاروں ایکڑ اراضی کے مالک بن گئے ہیں۔ ۱۹۳۰ء سے بے شمار پنجابی آباد کار بھی سندھ میں بسے ہوئے ہیں۔ غیر سندھی فوجی اور سول افسر ہزاروں مربعوں کے مالک بنا دیئے گئے ہیں۔ ۹۰ فیصدی کاروبار' کارخانوں' ملازمتوں پر غیر سندھی قابض ہیں۔ ان حالات نے نئی نئی تحریکوں کو جنم دیا ہے۔ ایک طرف کراچی کو علیحدہ صوبہ بنانے کی

www.bhutto.org

تحریک چلتی ہے اور سندھی درمیانہ طبقہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا گیا ہو۔ انہیں حالات سے جئے سندھ تحریک نوجوانوں میں مقبول ہوئی ہے۔ سندھی نوجوان جب پڑھ لکھ کر زندگی کے میدان میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں ہر شعبے میں غیر سندھی ملازمتوں اور کاروبار پر قابض نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی جگہ انہیں ملے۔ دوسری طرف گماشتے اور بڑے سرمایہ دار سندھ کی نئی نشوونما پانے والی منڈی کو اپنے تسلط میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کراچی میں سارا کاروبار جو بنکوں' پرمٹوں اور لائسنسوں کا مرہون منت ہے انہی سرمایہ داروں کے قبضہ میں ہے جن میں سندھی آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں سندھی اردو کے جھگڑے بھی انہیں حالات کی پیداوار تھے۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کی قومی زبان اس کی سرزمین سے پیدا نہیں ہوئی۔ گو وہ سرمایہ داری نظام کی تمام ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اردو کو اسلام کا لبادہ پہنا کر پیش کیا جائے اور علاقائی زبانوں کو پس پشت ڈال دیا جائے اور انکی پسماندگی دور کرنے اور ان کی ترقی کے مواقع مہیا کرنے میں بخل سے کام لیا جائے۔ رجعت پسند رہنماؤں کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر بات کو مذہب کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ بنگالی کو پس پشت ڈال کو مشرقی پاکستان میں اردو زبان کو عوام کی مرضی کے خلاف ٹھونسنے کے بھیانک نتائج سے ہم دو چار ہو چکے ہیں۔ لیکن بنگلہ دیش میں جو کچھ ہوا اس سے ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

پنجاب میں پنجابی ججوں پر مشتمل لاہور ہائی کورٹ کے ایک جج نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کا حکم سنا کر اور سپریم کورٹ کے چار پنجابی ججوں نے ایک کی اکثریت سے اس حکم کو بحال رکھ کر اور پنجابی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے عدالتوں کے احترام (گوا ان کے تمام اختیارات اس نے چھین لئے ہیں) اور اسلامی انصاف کے نام پر ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو تختہ دار پر لٹکا کر ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے جو جلتی پر تیل کا کام دے رہی ہے سندھ کے طول و عرض میں بھٹو مرحوم شہید بابا کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انکے مزار پر ہزاروں لوگ ہر سال عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ وہ سندھی نیشنلزم کے عظیم ہیرو کے طور پر لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ پنجاب میں بھٹو مرحوم کو پھانسی دیئے جانے کے خلاف رد عمل کے طور پر اور انہیں پھانسی سے بچانے کے لئے خود سوزی کر کے اور اپنی پیٹھوں پر جلادوں کے کوڑوں کے داغ لگوا کر نوجوانوں نے قربانیاں پیش کی ہیں وقتی طور پر سندھی

www.bhutto.org

نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکنے سے روکے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ محرکات جو ہر لحظہ زندگی کے ہر شعبے میں نفرت اور غم و غصہ کے جذبات کو جنم دیتے ہیں جوں کے توں موجود ہیں۔

چند سال پہلے پنجاب کے ایک سیاسی کارکن اور وکیل نے سندھ کے ایک بزرگ رہنما جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جو آجکل جئے سندھ تحریک کے مربی سمجھے جاتے ہیں' سے جب یہ سوال کیا کہ آپ کے پاس سندھ کے مسائل کے حوالے سے کراچی کا کیا حل ہے تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ کراچی ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ ہے۔ وہ کیسے؟ پھر استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کراچی کو پانی حیدر آباد سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ اسے بند کیا جا سکتا ہے۔ اس میں زہر ملایا جا سکتا ہے۔ یہ رونگٹے کھڑے کرنے والے بھیانک خیالات اس سینے میں پرورش پا رہے ہیں جس نے سندھ اسمبلی میں پاکستان کے حق میں قرارداد پاس کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ پنجاب کے لوگوں کو جاننا چاہئے کہ مجیب الرحمان نے بھی سائیکل پر سوار ہو کر بنگال کے قریہ قریہ میں پاکستان کے حق میں پراپیگنڈا کیا تھا۔

چھوٹے صوبوں کے سیاسی رہنماؤں کے ایسے خیالات کے متعلق کیا رویہ ہونا چاہئے؟ ان کے دل کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور ان کے مسائل کو افہام و تفہیم اور گفت و شنید کے ذریعے حل کرنے کا راستہ اختیار کرنا چاہئے یا انہیں شرپسند ملکی غدار' ہندوستانی اور روسی ایجنٹ کے القابات دے کر ان کی سرکوبی پر کمربستہ ہونا چاہئے۔ روزنامہ "نوائے وقت" جو پچھلے ۳۵ سال سے ماماۓ پاکستان بنا ہوا ہے اور جو پاکستان کے انتہائی رجعت پسند اور شاد لنسٹ حلقوں کی نمائندگی کرتا ہے اور جس نے ۳۵ سال سے جمہوریت اور اسلام کی سربلندی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن پچھلے چند سال سے کھلم کھلا مارشل لا حکومت کے لئے کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اس نے ہمیشہ ایسے عناصر کی بزور شمشیر سرکوبی کی مسلسل مہم چلائی ہے۔ آج وہ اسی جماعت اسلامی کا ہمنوا بنا ہوا ہے جس کے نظریے کے مطابق پاکستان کی پیدائش ایک درندے کی پیدائش تھی اور جس نے مشرقی پاکستان میں الشمس اور البدر کے نام پر "نظریہ پاکستان" کی حفاظت کے لئے فاشٹ تنظیمی کھڑی کیں لیکن جو وقت آنے پر بنگالیوں پر بہیمانہ مظالم ڈھانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکیں۔ جماعت اسلامی افغانستان نے نام نہاد مجاہدین کی مدد سے اور اسلامی جمعیت طلبا کے نام پر فاشٹ تنظیم کے سہارے آج پھر پاکستان میں وہی صورتحال پیدا کرنے کی کوشش میں ہے اور بجائے افہام و تفہیم کے جنگ و جدل کے راستے پر چل رہی ہے۔

www.bhutto.org

مشرقی پاکستان میں عوام کی سرکوبی کی مہم کا جو نتیجہ نکلا وہ ایک عالم دین اور ایک عظیم اسلامی مفکر مولانا سید ابوالحسن ندوی کے الفاظ میں یوں ہے۔

"ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک قدیم اسلامی ملک اور مسلمانوں کے خالص اکثریت والے علاقے میں جو علما مشائخ اور مدارس و خانقاہوں کی سرزمین تھی جس کے چپہ چپہ پر مسجدیں اور خانہ خدا تھے۔ جس کے لئے صدیوں اولیاء کرام نے آب دیدہ اور خون جگر بہایا اور جس کی زمین ان کے آنسوؤں سے نم اور جس کی فضا انکے نالہ ہائے نیم شبی سے گرم تھی۔ زبان و تہذیب کے جنون کی ایک تیز و تند لہرا اٹھی اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مسلمانوں نے تکلف مسلمانوں کا گلہ کاٹا۔ بے گناہ انسان اس طرح مارے گئے جیسے سانپ اور بچھو مارے جاتے ہیں اور ان پر کوئی رحم نہیں کھایا جاتا۔ جن لوگوں نے اس ملک میں پناہ لی تھی ان کے لئے اب اس ملک میں کہیں پناہ نہ تھی۔ نہ کسی کے دل میں ان کے لئے رحم کا جذبہ تھا۔ نہ کسی کی آنکھ میں ان کے لئے کوئی آنسو تھا۔ انسانوں کا شکار اس طرح کھیلا جا رہا تھا جیسے کسی جنگل میں درندوں، پرندوں اور کسی تالاب میں مچھلیوں کا کھیلا جاتا ہے۔ نہ شریف عورتوں کی عزت محفوظ رہی نہ بوڑھوں کے بڑھاپے پر ترس کھایا گیا نہ معلوم بچوں کی چیخ و پکار پر کان دھرے گئے۔ بھوک پیاس کا عذاب، سنگ دلی اور شقاوت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو اپنے بھائیوں کے لئے روا نہ رکھی گئی ہو۔ عقیدہ توحید پر قوم پرستی اور نسل پرستی، اسلامی وحدت پر جاہلیت اور عصبیت اخوت اسلامی پر اس طرح غالب آگر رہی کہ ابتدائے اسلام سے آج تک کسی خطہ زمین پر ابھی تک اس طرح غالب نہیں آئی تھی۔ اسلام اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں کبھی اس طرح ذلیل نہیں ہوئے جس طرح اس زمانہ میں......

اس انسانی قتل عام، خون مسلم کی ارزانی اور جانی و مالی نقصان پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں............"

(روزنامہ جنگ ۳۰ نومبر ۸۲ء)

اگر ریاست، سماج اور قوموں کے متعلق سائنسی نکتہ نظر کو بالائے طاق بھی رکھ دیا جائے تو مشرقی پاکستان کے اوپر بیان کئے گئے جانکاہ واقعات سے ہی ہمیں سبق سیکھنا چاہئے اور ٹھنڈے دل، تدبر اور حکمت سے ان مسائل پر غور و خوض کرنا چاہیے۔

۱۹۵۷ء میں سیاسی بصیرت سے لیس نیشنل عوامی پارٹی کے کارکنوں اور راہنماؤں نے جب ایک یونٹ کے خلاف اور چھوٹے صوبوں اور قوموں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی

www.bhutto.org

اور پاکستان کی یک جہتی اور سلامتی کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لئے جدوجہد کی تو پنجاب بھر میں انجام سے بے خبر حکمران ٹولے نے اپنے گماشتوں کے ذریعے ان پر پتھر برسائے۔ ان کے جلسوں کو تحس نحس کیا' انہوں غدار اور وطن دشمن اور بیرونی ایجنٹ کے القابات سے نوازا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا' نظریہ پاکستان اور حب الوطنی کے نام پر کیا اور پاکستان کی یک جہتی اور سالمیت کے نام پر کیا۔ آج جبکہ پاکستان کی یک جہتی اور سالمیت دولخت ہو چکی ہے پھر سے وہی سوال ہمارے سامنے ہے۔

لیکن آج کچھ قدرے حالات بدل چکے ہیں۔ سوچنے والے حب الوطن ذہنوں سے شاو نزم کے پردے چاک ہو چکے ہیں۔ وہ ان گمبھیر انسانی اور قومی مسائل کو اندھی اور سطحی جذباتیت سے بالا تر ہو کر ماضی قریب کے تجربات کی روشنی میں حل کرنے کے لئے آواز اٹھانے لگے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں روزنامہ جنگ کے متوازن وقائع نگار ارشاد احمد حقانی نے عطاء اللہ مینگل کے خیالات (جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔" .... آپ بڑے شوق سے سردار عطاء اللہ مینگل کو علاقہ پرست بلکہ اس سے آگے جا کر علیحدگی پسند' وطن دشمن' غدار اور گمراہ قرار دیں۔ انہیں سرحد سے باہر دیکھنے والا کہیں اور یہ دعویٰ بھی کریں کہ وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے اور بلوچستان میں بھی کوئی ان کی ہمنوائی کرنے والا نہیں لیکن جو شخص ۱۹۷۰ء کے جمہوری انتخابی نتائج کی بنیاد پر وزیر اعلیٰ منتخب ہوا۔ جس نے اپنی وزارت اعلیٰ کے دوران وطن دشمنی کی کوئی حرکت نہیں کی۔ جس کی وزارت برطرف کئے جانے پر آج تک پاکستان قومی اتحاد سے وابستہ رہنے والی تمام تنظیمیں تنقید کرتی ہیں' اس کے خیالات کو ایک غدار' گمراہ اور وطن دشمن کے خیالات قرار دے کر آپ یکسر نظر انداز کرنا چاہیں اور اس سے بلوچستان کے سیاسی حلقوں کی سوچ کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہیں تو کوئی آپ کو روک نہیں سکتا لیکن کوئی شخص جو سیاسی حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت سے یکسر عاری نہ ہو اور جو کسی خطہ یا علاقہ کے لوگوں پر ایسی انتہا پسندی پیدا ہونے سے جیسی بلوچستان کے بعض سرداروں میں پیدا ہو چکی ہے۔ بعض نتائج اخذ کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ اس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہونا چاہئے کہ جمہوری عوامی سوچ کے حامل حلقے ملک میں سیاسی عدم استحکام اور جمہوری اداروں کے ضعف اور عدم تسلسل سے مایوس اور بددل ہیں یہ سوچ ایک یا دو آدمیوں کی نہیں' سیاسی شعور کے حامل اور جمہوری مزاج رکھنے والے وسیع حلقوں کی ہے۔"

(روزنامہ جنگ ۲۲ نومبر ۱۹۸۲ء)

www.bhutto.org

پچھلے ۳۵ سال کے بھیانک اور روح فرسا تجربات نے بلوچستان کے کچھ رہنماؤں کو ایسے خیالات اور ایسا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو نہایت ہی دلخراش ہے۔ پنجاب کے عوام اور محب وطن اور جمہوریت پسند سیاسی رہنماؤں کو اس آواز کو سننا چاہیے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے جو بار بار اپنے آپ کو بلوچستان اور پاکستان کے درمیان آخری لنک کہہ رہی ہے۔ جسے اس بات کا شعور ہے کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کی پالیسی اس کی سیاسی ہر دلعزیزی کو کم کرنے بلکہ کسی دن خاک میں ملا دینے کے لئے زمین ہموار کر رہی ہے۔ یہ آواز میر غوث بخش بزنجو سابق گورنر بلوچستان کی آواز ہے۔ یہ وہی آواز ہے جس نے ۱۹۴۷ء میں قلات اسمبلی میں بلوچستان اور پاکستان کا رشتہ آزادی کی بنیاد پر استوار کرنے کے لئے کہا تھا۔ ابھی وقت ہے کہ پنجاب کے عوام اور سیاسی رہنما جو پاکستان کی آزادی اور سالمیت اور جمہوریت کے لئے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں اور نہایت ہی ناسازگار حالات میں پاکستان کی بقا کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں' اس آواز کو سنیں اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور افہام و تفہیم سے باہمی مفادات کی حفاظت کی بنیاد پر کوئی راستہ نکالیں۔ ابھی وقت ہے کہ موجودہ حکمران جو اپنے زعم میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ صرف وہی پاکستان کی سالمیت اور یک جہتی کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور صرف وہی نظریہ پاکستان اور اسلام کے محافظ ہیں (یہی بات یحیٰی خاں سمجھتے تھے) اور اسی وجہ سے وہ بار بار اور ملک کے کونے کونے میں شور مچا رہے ہیں کہ ان کی ہی دلعزیزی بے کراں اور بے پایاں اور ہمہ گیر ہے اور ایک چڑیا بھی ان کے خلاف کسی گلی میں نہیں پھڑپھڑاتی۔ وہ ہر دلعزیز ہیں کیونکہ وہ اسلام لا رہے ہیں۔ وہ ہر دلعزیز ہیں کیونکہ وہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے عوام کے مسائل اسلام کی روشنی میں حل کر رہے ہیں۔ وہ دلعزیز ہیں کیونکہ وہ پاکستان کی آزادی اور سالمیت کے لئے امریکی سامراج سے گارنٹیاں لے رہے ہیں۔ وہ ہر دلعزیز ہیں کیونکہ وہ امریکی سامراج کے ایف ۱۶ طیارے حاصل کر رہے ہیں۔ وہ ہر دلعزیز ہیں کیونکہ انہوں نے شاطرانہ حکمت عملیوں' چالاکیوں اور ہوشیاریوں سے اپنے سب سول حریفوں کو چاروں شانے چت گرا دیا ہے اور سیاست کے لفظ کو گالی بنا دیا ہے۔ لیکن اس ساری ہر دلعزیزی اور بے پناہ مقبولیت کے باوجود دن بدن مارشل لا قوانین مزید سخت گیر بنتے جا رہے ہیں اور فوج اور پولیس کے بل بوتے پر وہ کہیں جلسہ نہیں کرنے دیتے جلوس نہیں نکالنے دیتے' اشتہار نہیں چھاپنے دیتے' ہڑتال نہیں کرنے دیتے۔ وہ صرف یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے پاکستانی فوج کے ذریعے اپنے ہی عوام کو فتح کر لیا ہے۔ اور مفتوح علاقوں

www.bhutto.org

میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مارشل لا حکومت قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ اگر واقعی انہیں بھی پاکستان کی سیاست اور آزادی عزیز ہے۔ اسلام کی سربلندی عزیز ہے۔ عوام کی خوشحالی' باہمی یگانگت اور بھائی چارہ عزیز ہے اور اگر واقعی وہ لفظ پاکستان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ چھوٹے صوبوں کے ان رہنماؤں سے جو نہ بچے ہیں نہ ٹاؤٹ اور نہ موقعہ پرست' گفتگو کے حاکمانہ انداز چھوڑ دیں' ان سے برابری کی سطح پر بات کریں۔ ان کی غیرت' ان کی خودی کو چیلنج نہ کریں۔ اور وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ جیسے پاکستان کے علاوہ ایشیا' افریقہ اور یورپ میں مختلف قومیں آباد ہیں' گو ان سب کا مذہب ایک ہے' بلکہ زبان بھی ایک ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی مختلف قومیں آباد ہیں اور وہ ایک وفاق میں رہ رہی ہیں اور اس وفاق کو قائم رکھنے اور چلانے کے لئے باہمی مسائل کو حل کرنے کے لئے افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ ان رہنماؤں میں کوئی غدار نہیں' کوئی ملک دشمن نہیں' کوئی بیرونی طاقتوں کا ایجنٹ نہیں۔ انہیں اس تاریخی حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں کی موجودہ یک جہتی اور اتحاد برطانوی سامراج کی حاکیت کے مثبت پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اگر برطانوی سامراج اپنے عہد بلوغت میں ہندوستان کو غلام نہ بنا لیتا اور مختلف علاقوں میں بسنے والے غلاموں کو ایک مرکز میں متحد نہ کر دیتا۔ اور ریل' سڑکوں' نہروں اور صنعتوں کا قیام عمل میں نہ لے آتا تو آج یورپ اور مشرق وسطے کی طرح اس برصغیر میں سینکڑوں چھوٹی چھوٹی قومی آزاد ریاستیں وجود میں آچکی ہوتیں۔ اور ان کے سائز اور کم آبادی اور پسماندگی اور غربت کے متعلق کوئی سوال نہ اٹھاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل سلطنت مغلیہ کی شکست و ریخت کے ذریعے شروع ہو چکا تھا۔ اگر ان حقائق کو سامنے رکھا جائے تو ہمارے گھمبیر قومی مسائل حل کرنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ اس لئے پنجاب کو میر غوث بخش بزنجو کی آواز کو سننا چاہئے۔

آج سے دو سال قبل میر غوث بخش بزنجو نے قومی رہنماؤں اور سیاسی جماعتوں کے سامنے جمہوریت کی بحالی کے لئے اتحاد کی بنیاد کے طور پر ایک دستاویز پیش کی تھی۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر اس کے بعد مارشل لا ملک میں لگایا جائے تو وفاق کے تمام یونٹوں کو مکمل اختیار ہو کہ وہ اپنی آزادی کا اعلان کر سکیں۔ یہ پروگرام اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ بلوچ رہنماؤں کے لئے ہر چند سال بعد مارشل لا کا نفاذ ناقابل قبول ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ فوج جس میں بلوچ نہ ہونے کے برابر ہیں اور جس پر پنجابی چھائے ہوئے

ہیں کسی نہ کسی بہانے تھوڑے وقفے کے بعد ملک پر قابض ہو جاتی ہے اور وحدانی طرز حکومت قائم کر کے چھوٹے صوبوں کے عوام کے تمام حقوق سلب کر لیتی ہے۔ اور چند کاسہ لیسوں کو جیب میں ڈالے انکی نمائندگی کا ڈھونگ رچاتی ہے۔ کبھی مذہب کی آڑ لیتی ہے اور کبھی نظریہ پاکستان کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ ایسے حالات میں انہیں آزادی کا اعلان کرنے کا حق ہونا چاہئے۔

یہ دستاویز دائیں اور بائیں بازو کے سیاسی رہنماؤں نے درخود اعتنانہ سمجھی' اور اسے نامنظور کر دیا۔ دائیں بازو والوں نے اس لئے کہ اس سے کھلے طور پر پاکستان کی وحدانیت اور اتحاد پر ضرب پڑتی تھی اور اس سے علیحدگی پسند کی بو آتی تھی اور بائیں بازو نے اس لئے کہ اس سے بلوچ اور پنجابی اور دوسرے عوام کی جمہوریت اور سوشلزم کے لئے متحدہ جدوجہد مضبوط ہونے کی بجائے کمزور پڑنے کا اندیشہ تھا۔ یہ دلیل بھی دی گئی کہ اگر بلوچ اکیلے پاکستانی فوج سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ پنجابی عوام کو بھی ان غلامی کی زنجیروں سے نجات دلائیں اور اس مقصد کے لئے وہ ان سے علیحدہ ہونے کی بجائے اتحاد کا راستہ اپنائیں۔

پھر ۸ مئی ۱۹۸۲ کو ایک پریس ریلیز کے مطابق پاکستانی نیشنل پارٹی نے تحریک بحالی جمہوریت (ایم۔ آر۔ڈی) میں شامل ہونے کے لئے حسب ذیل تین متبادل تجاویز پیش کیں۔

۱۔ ۱۹۴۰ کی قرار داد لاہور ترمیم شدہ ۱۹۴۶ء کےمطابق وفاقی یونٹوں کی حیثیت اور خود مختاری کی مقدار کو تسلیم کرنا۔

۲۔ چار سبجیکٹس یعنی دفاع۔ امور خارجہ۔ کرنسی اور ذرائع رسل و رسائل مرکز کے پاس رہیں اور باقی تمام سبجیکٹس بمعہ بقیہ اختیارات کے وفاقی یونٹوں میں تفویض ہوں۔

۳۔ تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس امر کی یقین دہانی کرائی جائے کہ عام انتخابات کے بعد ان کے منتخب نمائندے ۱۹۷۳ء کے آئین میں وفاقی یونٹوں کی خود مختاری کے ضمن میں حسب ذیل ترامیم کی قومی اسمبلی میں حمایت کریں گے۔

(ا) کنکرنٹ قانون سازی کی فہرست کو ختم کر دیا جائے۔

(ب) وفاقی قانون سازی کی فہرست حصہ دوم بحوالہ حصہ اول کی مدات ۲۸ تا ۳۲ اور ۴۹ - ۵۱ کی سینٹ کی اتھارٹی کے ماتحت کر دیا جائے۔

www.bhutto.org

(ج) ۱۹۷۳ء کے آئین کے آرٹیکل ۲۳۲، ۲۳۳ اور ۲۳۴ جو وفاقی یونٹوں کی خود مختاری کی حفاظت کے لئے حسب ذیل طریقے سے ترمیم کر دیا جائے۔

۱۔ قومی سطح پر ہنگامی حالات کے دوران ان تمام معاملات کے متعلق جو وفاقی یونٹوں کے احاطہ اختیار میں ہوں گے۔ سینٹ اور قومی اسمبلی کو قوانین بنانے کا اختیار حاصل ہو گا اور اگر وفاقی یونٹوں کے انتظامی اختیارات کالعدم ہو جائیں تو وہ اختیارات مشترکہ مفادات کی کونسل میں تفویض ہو جائیں گے۔

۲۔ اگر قومی اسمبلی اور سینٹ کے سامنے پندرہ دن کے اندر اندر ہنگامی حالات کے اعلان کو پیش نہ کیا جائے اور قومی اسمبلی اور سینٹ اس پر اثبات کی مہر نہ ثبت کرے تو ہنگامی حالات کا اعلان ختم ہو جائے گا۔

۳۔ صدر آئین کے آرٹیکل ۲۳۴ کے تحت اس وقت تک اعلان جاری کرنے کے مجاز نہ ہوں گے جب تک اس ضمن میں قومی اسمبلی اور سینٹ قرار داد پاس نہ کرے۔ اور اگر ایسا اعلان جاری ہو تو اس صورت میں وفاقی یونٹوں کے احاطہ اختیار میں معاملات کے متعلق قانون سازی کا اختیار سینٹ کو ہو گا اور انتظامی امور کے اختیارات مشترکہ مفاد کی کونسل کو۔

یہ تجاویز مئی ۱۹۸۲ء میں تحریک بحالی جمہوریت کے سامنے پیش کی گئیں لیکن نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی کے نمائندوں اور کچھ دوسرے اراکین نے ان تجاویز کی مخالفت کی اور یہ پاس نہ ہو سکیں۔

نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی کا موقف یہ تھا کہ چونکہ وہ بھی صوبائی خود مختاری کے متعلق اس سے ملتے جلتے پروگرام کے داعی ہیں لیکن بحالی جمہوریت کی خاطر کم از کم پروگرام پر اتفاق کے لئے اس پر زور نہیں دیتے اور اگر پاکستان نیشنل پارٹی کے اس موقف کو تحریک بحالی جمہوریت میں شمولیت کے لئے شرط کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تو ان کی سبکی ہو گی۔ اس کے علاوہ دوسری دائیں بازو کی پارٹیوں نے اسے سرے سے ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بزنجو صاحب کی ان تجاویز میں ترامیم کی بہت سی گنجائش نکالنی پڑے گی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان تجاویز کی بنیادوں پر گفت و شنید جاری رہنی چاہیے۔ اور گفت و شنید کے تمام دروازے بند نہیں کرنے چاہئیں۔

پاکستانی رہنماؤں نے ۱۹۶۹ء میں مجیب کے چھ نکات کو حقارت آمیز طریقہ سے ٹھکرا دیا

www.bhutto.org

تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آدھے سے زیادہ پاکستان (جو ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے نتیجے میں واحد صوبہ تھا جس میں مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوئی) بنگلہ دیش بن گیا۔ ایک یونٹ کی حکمت عملی دم توڑ گئی اور قومی جذبات کے گرد اب اس قدر تیزی اور تندی سے اٹھے اور وہ اس قدر ہمہ گیر' اس قدر گہرے اور اونچے تھے کہ انسانی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ جب یہ طوفان تھما تو وہی پاکستانی رہنما یہ کہتے رہے کہ کاش چھ نکات کی بنیاد پر ہی مغربی اور مشرقی پاکستان کا اتحاد قائم رہ سکتا۔

میر غوث بخش بزنجو کی تجاویز چھ نکات سے بہت آگے ہیں اور وہ ایسی فیڈریشن کے قیام کے لئے کوشاں ہیں جن میں چار اہم سبجیکٹس مرکز کے پاس رہیں گے۔

لیکن اس وقت ان امور کے متعلق کوئی سیاست دان بھی توجہ نہیں دے رہا۔

اور ایم۔ آر۔ڈی بھی محض جمہوریت کی بحالی تک اپنے آپ کو محدود کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ چھوٹے صوبوں کے لئے صوبائی خود مختاری کی مقدار کا تعین اور اسی پر عملدرآمد کے تحفظات جمہوریت کی بحالی کا جزو لاینفک ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے تمام الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل کو پاکستانی ریاست کی یک جہتی کو قائم رکھنے کے لئے کھلے دل اور بین الاقوامی تجربات کی روشنی میں حل کرنے کے لئے ثابت قدمی کے ساتھ اقدامات کئے جائیں۔ وقت پہلے ہی بہت گذر چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستانی پھر لکیر کو پیٹتے رہ جائیں۔ خدا نہ کرے اگر پھر سے ۱۹۷۱ء کے حالات پیدا ہوئے (جن کا اغلب امکان ہے) تو موجودہ پاکستان کے در و دیوار ہل جائیں گے اور ہری بھری بستیاں مشرقی پاکستان کی طرح نوح کناں نظر آئیں گی اور پاکستان کا خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بکھر جائے گا۔ اور جوڑنے سے نہ جڑے گا۔ اس وقت ہر جمہوریت پسند محب وطن سیاستدان اور کارکن کا فرض ہے کہ وہ کلمہ حق کہنے سے فرار اختیار نہ کرے۔ یہ پاکستان کی زندگی کا سوال ہے ہم سب کی زندگی کا سوال ہے۔ ہماری بقا' ہماری آزادی' ہماری خوشحالی کا سوال ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں تلاش کرنا ہوگا۔ محض مارشل لا کی اوٹ میں بیٹھ کر ان مسائل کو حل نہیں کیا جا سکے گا۔

قومی سوال اور پختون

پاکستان جب وجود میں آیا تو صوبجاتی خود مختاری کا مسئلہ صوبہ سرحد میں سب سے زیادہ پیچیدہ اور گمبھیر نظر آتا تھا۔ کیونکہ سرحد میں خدائی خدمتگار تحریک ایک عوامی تحریک تھی

اور کانگریس کی تحریک سے وابستہ رہی تھی۔ اس تحریک نے برصغیر کی تحریک آزادی میں ان گنت قربانیاں دی تھیں۔ اس تحریک کے جھنڈے تلے ہزاروں خدائی خدمتگار رہنماؤں اور کارکنوں نے مجموعی طور پر سینکڑوں سال برطانوی حکومت کی جیلوں میں کاٹے تھے۔ اور یہ تحریک صوبہ کے دیہات میں خاص طور پر بہت مضبوط اور منظم تھی۔ قصہ خوانی بازار کی بے بہا قربانیاں اس تحریک کا قابل قدر ورثہ ہیں۔ اس لئے اس کے باوجود کہ سرحد کے ریفرنڈم میں خدائی خدمتگار تحریک نے بائیکاٹ کیا کیونکہ ریفرنڈم میں یہ بات نہیں رکھی گئی تھی کہ آیا صوبہ سرحد کے پختون ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے علاوہ آزاد ریاست بھی قائم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن مسلم اکثریت کے اس صوبہ میں ریفرنڈم کرانا ہی بذات خود اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ پختونوں کا اپنا علیحدہ تشخص ہے لیکن پاکستان کے قیام کے بعد خدائی خدمتگار رہنما خان عبدالغفار خاں نے پاکستان کی اسمبلی میں حلف وفاداری اٹھایا تھا اور اعلان کیا تھا کہ اس فیصلے کے بعد انہوں نے پاکستان کو صدق دل سے قبول کر لیا ہے۔ اس کے باوجود سرحد میں مسلم لیگ اور خدائی خدمت گار تحریک کی باہمی رنجشوں اور نفرتوں میں کوئی فرق نہ پڑا۔ بلکہ خدائی خدمت گاروں کی سرحد کے پختون عوام کے سیاسی حقوق کے لئے جدوجہد کو غداری سے تعبیر کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ قیوم وزارت (قیوم خود بھی پہلے کانگریس پارٹی میں شامل تھے اور بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے) نے ۱۹۴۸ء میں بھا بڑا کے مقام پر خدائی خدمت گاروں کے ایک اجتماع پر اندھا دھند گولیاں برسائیں اور سینکڑوں حاضرین کو شہید کر دیا۔ اور خان عبدالغفار خاں اور ولی خاں وغیرہ جو ان دنوں پختون زعماء کے قائد تھے سینکڑوں ساتھیوں کے ہمراہ جیلوں میں ٹھونسے جاتے رہے۔ اس دوران میں پختون بار بار یہ مطالبہ کرتے رہے کہ صوبہ سرحد کا نام بدل کر پختونستان رکھ دیا جائے۔ جیسے پنجابیوں کا پنجاب' سندھیوں کا سندھ اور بلوچوں کا بلوچستان ہے۔ اس کے علاوہ یہ مطالبہ بھی گاہے گاہے کیا جاتا رہا کہ تمام پشتو بولنے والے لوگوں کا ایک صوبہ بنایا جائے اور برطانوی سامراج نے جس طرح اپنی سیاسی اور فوجی ضروریات کے تحت پختونوں کو تقسیم کر رکھا ہے اسے ختم کیا جائے۔ وقتاً فوقتاً کابل حکمران بھی اپنی قومی حکمت عملی کے تحت پختونستان کے مطالبے کی حمایت کرتے رہے۔ سرحد پار سے یہ حمایت بجا طور پر پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا مخالفت سمجھی جاتی رہی ہے اور اس حمایت کو عام طو رپر پاکستان کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا۔ اور ان پر ہمیشہ غداری کا لیبل چسپاں کیا جاتا رہا۔

۱۹۵۷ء میں جب مغربی پاکستان کے مسلم لیگی رہنماؤں نے مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو ختم کرنے کے لئے مغربی پاکستان کو ایک یونٹ کی شکل دے دی۔ اور صوبوں کی سرحدوں کو ختم کر دیا گیا تو پختون عوام اور دوسرے چھوٹے صوبوں کے عوام میں صوبجاتی خود مختاری کے لئے جذبات شدید تر ہو گئے۔ اور انہوں نے پہلے پاکستان نیشنل پارٹی اور پھر پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے پلیٹ فارم سے ون یونٹ کے خلاف آواز بلند کرنی شروع کر دی اور آخر ایوب حکومت کے خلاف تحریک کے آخری دنوں میں ون یونٹ کو توڑنے کا مطالبہ قومی مطالبہ بن گیا اور یحییٰ خاں کو ون یونٹ توڑ کر صوبوں کو از سر نو بحال کرنا پڑا۔

لیکن پاکستان کے قیام کے بعد ان واقعات کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی تبدیلیاں دقوع پذیر ہوتی رہیں۔ اول تو پاکستان کی فوج میں پختونوں کا اثر بڑھتا گیا اور بے شمار پختون فوج کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ اور اس وقت عام اندازوں کے مطابق پاکستانی فوج میں پختون افسروں کی تعداد انکے آبادی کے لحاظ سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس کے علاوہ بارڈر ایریا سکیم کے تحت پختون فوجیوں کو پنجاب میں ہزاروں ایکڑ اراضی الاٹ ہوگئی۔ سندھ میں بھی انہیں بطور فوجی افسر زمینیں ملیں۔ پختون محنت کش لاکھوں کی تعداد میں تلاش معاش کے لئے پاکستان کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ بلوچستان کی کوئلے کی کانیں ہوں یا پاکستان بھر کی ٹیکسٹائل ملیں' کراچی میں ٹیکسی چلانے والے ہوں یا ریلوے ورکشاپوں میں کام کرنے والے ان میں پختون مزدوروں کی بہت بڑی تعداد کام کرتی ہے اور پاکستان بھر میں کارخانوں اور فرموں اور دفتروں کے چوکیدار بھی عموماً پختون ہی ہیں۔ پنجاب میں نہروں کی کھدائی کے ٹھیکے بھی ان ہی کے پاس رہے ہیں اور لکڑی کا کاروبار بھی انہی کا مرہون منت ہے۔ سرمایہ دارانہ ترقی کے ساتھ ساتھ پشاور' راولپنڈی اور لاہو رتجارت کے وسیع اور مضبوط رشتوں میں مربوط ہونے لگے۔ خود سرحد میں سرمایہ دارانہ ترقی قیام پاکستان سے ہی شروع ہو گئی۔ وارسک ڈیم نے دیہات کو بجلی فراہم کی۔ گنے اور تمباکو کی پیداوار کے لئے کارخانے لگے۔ اور دیہی معیشت ان کارخانوں سے وابستہ ہو گئی۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں اردو تجارتی زبان کے طور پر بولی جانے لگی۔ اس طرح پختون اور پنجابی میں بعد اور دوری ختم ہونے لگی۔

اب کابل میں کارمل حکومت قائم ہونے کے بعد ڈیورنڈ لائن کو حتمی سرحد تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ سرحد کے دونوں طرف آباد پختون قبائل اور عوام اپنے اپنے ملکوں کی ترقی اور نشوونما میں بلا تامل لگ جائیں۔

www.bhutto.org

صوبہ سرحد میں تیس لاکھ کے لگ بھگ افغان مہاجرین کی آمد نے صوبہ سرحد کے پختونوں کے لئے نئے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ چونکہ یہ مہاجرین محض مہاجر کیمپوں میں ہی آباد نہیں ہیں بلکہ سرحد کے پختون عوام کے کاروبار میں حصہ بٹانے لگے ہیں اسی لئے انصار و مہاجرین کے درمیان کش کمش پیدا ہو رہی ہے۔ رجعت پسند مہاجرین کے رہنما اپنے مسلح گروہوں کے ساتھ جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں پاکستانی عوا کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں اور اندرونی سیاست پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے ان کے باہمی تضادات متواتر بڑھ رہے ہیں۔

پاکستان کے عام پختون عوام کی خواہش ہے کہ مہاجرین باعزت طریقے سے واپس اپنے وطن میں چلے جائیں۔ پختون عوام کی یہ بھی خواہش ہے کہ بکھرے ہوئے پختون علاقوں کو ایک ہی صوبہ میں یک جا کر دیا جائے اور اسے پختونستان کا نام دیا جائے۔ آج کے حالات میں یہ مطالبہ پورا کرنا پہلے کی نسبت بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اصلاح معاشرہ کی مہم:

موجودہ حکومت، جماعت اسلامی بڑے بڑے سرمایہ داروں اور تاجروں نے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جس قدر سماجی برائیاں، خرابیاں، بے راہ رویاں، جرائم بلیک مارکیٹ، سمگلنگ، رشوت، جعل سازی، مار دھاڑ، قتل و غارت اور زنا وغیرہ ہمارے سماج میں موجود ہیں اور جنہوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے یہ سب کچھ سابق حکومت کی کرشمہ سازیوں، خود غرضیوں اور پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ گذشتہ ساڑھے پانچ سالوں سے بار بار اصلاح معاشرہ کی مہمیں چلائی جارہی ہیں۔ وعظ ہو رہے ہیں، نمازیں پڑھائی جارہی ہیں اور اسلامی روایات اور ثقافت کی ارفع اور اعلیٰ قدروں کا پرچار دن رات ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے کیا جارہا ہے۔ شرعی حدود نافذ کی گئی ہیں، کھلے عام، چوراہوں میں مجرموں کو پھانسیاں تک دی گئی ہیں۔ اور سرعام لاکھوں کی مجمعوں میں کوڑے لگائے گئے ہیں۔ اور کوڑے کھانے والوں کی درد بھری چیخ و پکار کی آوازوں کو لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے نشر کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ عورتوں کو بھی کوڑے لگائے گئے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور توبہ کریں۔ لیکن افسوس کہ ان ساری مہموں کے نتائج صفر کے برابر ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بے راہرویاں، بدمعاشیاں اور دھوکے بازیاں پہلے سے بھی کہیں زیادہ

پھیل چکی ہیں اور امربیل کی طرح ہماری اچھی اور جاندار قدروں کو نگلتی ہوئی پھیلتی چلی جارہی ہیں۔ اردو کے روزنامہ اخبار کو اٹھا کر دیکھئے تو ان کے صفحات ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہوتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی دور میں حکومت کے جعلی محکمے بنا کر جعلسازوں نے عوام کے کروڑوں روپے ہتھیالئے۔ ارباب اقتدار اور "اسلامی ججوں" کی حفاظت اور مدد سے پرورش پانے والی فنانس کمپنیوں نے عوام کو کروڑوں روپے سے محروم کر دیا ہے۔ اور کئی گھرانے اجاڑ دیے ہیں اور ان کمپنیوں کے جعل ساز ڈائریکٹر شرافت اور معتبری کا لبادہ اوڑھ کر دندناتے پھرتے ہیں۔ فردوس ٹینریز کے حاجی ملک تاجروں اور حصے داروں کا کروڑوں روپیہ ہضم کر گئے ہیں۔ روزنامہ نوائے وقت کے مطابق پاکستان کے بنکوں میں روزانہ اوسطاً ایک فراڈ ہو رہا ہے ان حالات کو دیکھتے ہوئے اسی اخبار نے اپنے ایک اداریے پر یہ سرخی جمائی تھی۔ "کیا ہم فراڈیوں کی قوم ہیں"۔ دن دہاڑے بنکوں میں ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ حکومت کا کوئی محکمہ نہیں جو رشوت اور دھاندلیوں کا مرکز نہ ہو۔ واپڈا ہو یا پولیس' محکمہ نہر ہو یا مال' ایل ڈی اے ہو یا میونسپل کمیٹی' پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ ہو یا محکمہ صحت اور تعلیم جہاں جس طرف نگاہ ڈالی جائے رشوت اور غلاظت کے کیڑے کربل کربل کرتے نظر آئیں گے۔ سیٹھ عابد جیسے بین الاقوامی شہرت کے سمگلر کراچی میں مہران ہوٹل کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ یہ عام افواہیں ہیں کہ انکے ذریعے پاکستانی حکومت بڑے بڑے بین الاقوامی بنکوں اور اداروں سے قرض لیتی ہے۔ چند ماہ کی بات ہے کہ ایک ضیافت میں جب صدر مملکت کے گلاس سے کوکا کولا کے چند قطرے سیٹھ عابد کے کپڑوں پر گر گئے تو صدر مملکت نے فوراً جھک کر اپنے رومال سے انہیں صاف کیا۔ اس واقعے کو صدر مملکت کی انکساری کی انتہا بتایا جا رہا ہے۔ لیکن بعض حلقے یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اس طرح سمگلنگ کے پیشہ کو معزز بنایا جا رہا ہے۔ سرحد کے گورنر فضل الحق کے بھائی کے خلاف ہیروئن سمگل کرنے کے سلسلہ میں انٹرپول نے وارنٹ جاری کر رکھے ہیں اور مغربی پریس یہ الزام لگا رہا ہے کہ ہیروئین کی کل دنیا میں سمگلنگ کا اسی فیصدی پاکستان کے راستے سمگل ہوتا ہے۔ سمگلنگ کا سامان ہماری شاہراہوں اور مارکیٹوں میں سرعام بیچا جا رہا ہے۔ ایک عالم دین تو سمگلنگ کو عین اسلام کے مطابق قرار دے چکے ہیں۔ زنا' قتل' اور اغوا اور رشوت اور جعلسازی کی خبروں سے ہمارے روزناموں کے صفحے سیاہ ہوتے ہیں۔ سیاسی باتیں لکھنی تو شجر ممنوعہ قرار دیا گیا ہے لیکن اخلاق باختہ خبریں متواتر چھپ رہی ہیں۔ نابالغ اور کمسن بچوں کو اغوا کر کے روپے حاصل

www.bhutto.org

کئے جاتے ہیں یا آخرکار انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ افغان مہاجرین نے عورتیں بیچنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ اور مشرق وسطیٰ کی نام نہاد اسلامی ریاستوں کے امیر کبیر شیوخ اور شہزادوں نے پاکستان کو چکلہ بنا رکھا ہے۔ ابھی چند روز ہوئے سندھ کی ایک جھیل کے قریب خیمہ زن شیوخ شکاریوں نے معصوم نابالغ بچیوں سے زنا کیا۔ جن میں سے ایک جاں بحق ہوگئی۔ اور دوسری کو زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ لیکن ہوس کی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اور اگلی رات پھر ان درندوں کو دو اور لڑکیاں مہیا کر دی گئیں۔ لیکن اخبارات نے ان درندوں کے نام اور انکے اسلامی وطن کا ذکر بھی اپنے صفحوں پر نہیں آنے دیا۔ حکومت نے انہیں گرفتار کرنے کی بھی ہدایت نہیں کی۔

مذہب کے نام پر ایسے جرائم کئے جاتے ہیں کہ الامان۔ ابھی چند ماہ ہوئے کراچی میں ایک مسجد کے سامنے کسی بدقسمت عورت نے ایک نوزائیدہ بچے کو پھینک دیا۔ شاید اس کا خیال ہو کہ اس بچے کو کوئی خدا ترس اٹھا کر پال لے گا۔ لیکن مولوی صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ حرامی بچے کو سنگسار کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ ان نمازیوں نے جو چند منٹ پہلے مسجد میں اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر نکلے تھے اس نوزائیدہ بچے کو سنگسار کر دیا۔ لیکن اس واقعہ کے متعلق کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ اسلامی جمیعت طلبہ کے غنڈے حکومت کی حفاظت میں اور مدد سے پنجاب یونیورسٹی کیمپس اور دوسری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پستولوں اور بموں سے مسلح ہو کر من مانی کاروائیاں کرتے پھر رہے ہیں اور اس وقت تک تقریباً گیارہ حریف طلباء کو شہید کر چکے ہیں۔ لیکن وہ قانون کی گرفت میں نہیں آتے۔ اور آتے ہیں تو حکومت کی مدد اور اپنی غنڈہ گردی کے ذریعے بچ جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ معاشرے کی اخلاقی اصلاح ہو رہی ہے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے جرائم اور سماجی گراوٹ پہلے سے دوگنا ہو گئی ہے۔ اور انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں سماجی اور اخلاقی انحطاط کی رفتار بڑھ رہی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے ہم نیک بننا چاہتے ہیں لیکن ہم بد بن رہے ہیں۔ ہم سماج کو غلاظتوں سے پاک کرنے کی دعائیں مانگتے ہیں لیکن وہ دو چند ہوئی جا رہی ہیں۔ وہ کونسی طاقت ہے جو ہمارے نیک بننے کی خواہشات کو پیروں تلے روندتی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ اور پاکستان کی مسجدوں' ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات میں چھپنے والے پندو نصائح بے اثر ثابت ہو رہے ہیں۔ کیا ہمارے مقدر میں ہی ایسا لکھا ہے؟ اگر نہیں تو اس

www.bhutto.org

طاقت کی نشاں دہی ہونی چاہیئے جو ہماری نیک بننے کی خواہشات اور وعظ کے پرچار کو بے اثر بنا رہی ہے۔ اور سارے معاشرے کو مارشل لا کی سختیوں' نظر بندیوں' کوڑوں اور سر عام پھانسیوں کے باوجود مزید غلاظتوں سے بھر رہی ہے۔ جب تک اس طاقت کی نشاندہی کر کے اسے ختم نہ کیا جائے۔ اصلاح معاشرہ کی کوئی مہم کسی صورت میں بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ وہ طاقت ہے ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت۔ اسی نظریے کی وجہ سے دنیا سرمائے کے گرد گھوم رہی ہے۔ سرمایہ ہے تو عزت ہے' اطمینان ہے' راحتیں ہیں نعمتیں ہیں اور سکھ چین ہے۔ اس سرمائے سے تھوڑا بہت خیرات کے طور پر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سرمائے کو اکٹھا کرنے کے لئے کونسا جرم ہے جو نہیں کیا جاتا ٹیکس چوری کیا جاتا ہے۔ رشوت لی اور دی جاتی ہے۔ دوہری کتابیں بنائی جاتی ہیں' غلط پالیسیاں مرتب کی جاتی ہیں۔ اسی سرمائے کے ارتکاز کے لئے ایک طرف تو محنت کشوں کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف نت نئی عیاشیوں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ قانون بنایا جاتا ہے کہ شادی بیاہ میں چند ہزار روپوں سے زیادہ خرچ کرنا قابل گرفت ہے لیکن قانون بنانے والے خود ایسی بیاہ شادیوں میں شامل ہوتے ہیں' جہاں مرغ ٹرکوں کے حساب سے روسٹ ہوتے ہیں اور لاکھوں روپے کے جہیز کی نمائش کی جاتی ہے۔ ملوں کارخانوں اور زمینوں کی ملکیت گنوائی جاتی ہے۔

وہ لوگ جو برسر اقتدار ہیں جو قانون بناتے ہیں جو ان خرابیوں کا سد باب کر سکتے ہیں وہ خود ہی اپنے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک بات کو بار بار دہراتے جاؤ لوگ اسے سچ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے علاوہ ان اخلاقی گراوٹوں کا سرچشمہ تو ارباب اقتدار خود ہیں۔ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافیاں ان کا شعار ہے۔ بار بار الیکشن کروانے کا وعدہ کیا جاتا ہے لیکن عین اس وقت جب لوگوں کو اس کے انعقاد کا یقین ہونے لگتا ہے الیکشن غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کو جوں کا توں بحال رکھنے کے مومنانہ وعدے کئے جاتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ اسے گہرا دفن کرنے کی سازش کر کے ایک نئے آئین کی بشارت دی جاتی ہے اور ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے سرمایہ داری نظام کو جس نے ان گنت برائیوں کو جنم دیا ہے مضبوط سے مضبوط تر کیا جا رہا ہے۔ اس پر ان وعدوں اور ان کی خلاف ورزیوں کے ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ کا بھی خوب خوب ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کے ایسے عمل کو دیکھ دیکھ کر لوگ انگشت بدنداں ہیں کہ

www.bhutto.org

آخر پاکستان کو کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

اسلامی نظام قائم کرنے کا مسئلہ:

اب مملکت خداداد پاکستان کو ایک آخری داؤ پر لگا دیا گیا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے اسلامی قوانین کے نفاذ کا چرچا کیا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی ہے۔ اس کا بھی جائزہ لیا جائے۔ پچھلے ۳۵ برس سے پاکستان کے حکمرانوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لئے کسی نہ کسی شکل میں اسلام کے نام کو استعمال کیا ہے لیکن جنرل ضیاء نے تو اپنی حکومت کی بقا اور طوالت کے لئے اس نام کو بھی داؤ پر لگا دیا ہے اور گذشتہ ساڑھے پانچ سالوں میں اسلامی قوانین کا جائزہ لینے کے لئے کمیٹیوں پر کمیٹیاں تشکیل کی جا رہی ہیں لیکن ابھی تک اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی گئی۔ عوام کے لئے جو چند اسلامی قوانین نافذ کئے گئے ہیں وہ صرف تعزیرات سے تعلق رکھتے ہیں یا پھر ٹیکسوں کے نظام سے۔ لیکن اسلام کی سیاسی اور معاشی اساس کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔

○ اسلام کے جو تعزیراتی قوانین نافذ کئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم زنا ور چوری کے متعلق ہیں۔ زنا کی سزا سنگ ساری بیان کی جاتی تھی جس کے بارے میں شرعی عدالت میں اختلافات پیدا ہو گئے اور عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ سنگ ساری اسلام کے مطابق نہ ہے۔ چنانچہ شرعی عدالت میں تین علماء کو نامزد کر دیا گیا۔ اور اسی فیصلے پر نظر ثانی کر کے سنگ ساری کو اسلامی قرار دے دیا گیا۔ لیکن اس قدر تگ و دو کے بعد ابھی تک ان سزاؤں پر بھی عمل در آمد نہیں کیا گیا۔ نہ کسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اور نہ کسی کو سنگسار کیا گیا ہے۔ اور شاید ایسا کبھی نہ ہو سکے اور پھر جب تک اسلام کے بنیادی سیاسی اور معاشی حقوق نہیں دیئے جاتے اس وقت تک اس قسم کی سزائیں دینے کا اقدام بھی اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہو گا اور غیر اسلامی آمریت کو مضبوط بنانے کا موجب بنے گا۔ بھلا ایک غیر اسلامی طریقے سے وجود میں آئی ہوئی حکومت' غیر اسلامی معاشرے میں اسلامی سزاؤں کا نفاذ کیونکر کر سکتی ہے۔ اور اگر ایسا کرے گی تو وہ اسلام کی بیخ کنی کرے گی۔

○ دوسرے زکوۃ کا قانون نافذ کیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے بنکوں میں سیونگ یا فکسڈ اکاؤنٹ تھے۔ ان میں سے اڑھائی فیصدی کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم کاٹ کر حکومت کی تحویل میں دے دی گئی ہے۔ اور زکوۃ کمیٹیوں کے ذریعے ان رقوم کی تقسیم کا

www.bhutto.org

بندوبست کیا گیا ہے۔ اول تو اس قانون کی اسلامی سپرٹ ہی بدل دی گئی ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق زکوۃ دینے والا شخص اس کی تقسیم کا خود ذمہ دار ہے نہ کہ ریاست اور حکومت۔ زکوۃ دینے والا شخص جس علاقے میں رہائش رکھتا ہے اسی علاقے کے لوگوں کو جانتا ہے اور جسے وہ زکوۃ کا مستحق سمجھتا ہے اسے زکوۃ دیتا ہے۔ لیکن موجودہ صورتحال میں حکومت زیادہ تر شہروں میں بسے ہوئے لوگوں کے اکاؤنٹس سے روپے لے کر ملک بھر میں زکوۃ کمیٹیوں کو تقسیم کے لئے دے دیتی ہیں۔ نہ زکوۃ دینے والے جانتے ہیں کہ ان کا روپیہ کس کس میں تقسیم کیا گیا ہے اور نہ ہی زکوۃ لینے والے جانتے ہیں کہ کس نیک بخت نے اسے زکوۃ دی ہے۔ زکوۃ کمیٹیوں کے ذریعے زکوۃ کی تقسیم نے بہت سی قباحتوں کو جنم دیا ہے۔ عموماً زکوۃ کمیٹیوں کے ممبر اپنی مرضی سے جسے چاہیں زکوۃ دے دیتے ہیں اور اگر دیہات میں تو ایسے لوگ کو زکوۃ کا روپیہ خردبرد بھی کر رہے ہیں لیکن کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔ اور اگر پوچھا بھی جائے تو وہ جھوٹی موٹی شہادتیں دیکر چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ نظام تو محض ایک نیا ٹیکس عوام پر لگانے کے مترادف ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور حکومت کے ہاتھ میں محض پراپیگنڈہ کا ایک ہتھیار ہے۔ کہ وہ اسلامی قوانین نافذ کر رہی ہے۔ اور پھر ان کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں پر جو اپنا روپیہ بنکوں میں فکسڈ ڈیپازٹ میں نہیں رکھواتے لاگو نہیں ہوتا۔

مولانا مفتی محمود مرحوم نے ایک اخباری بیان میں زکوۃ کے اس ٹیکس کو غیر اسلامی قرار دے دیا تھا۔

○ تیسرے بنکوں میں منافع اور نقصان کی بنیاد پر بلا سود کھاتے کھولنے کا بندوبست کیا گیا ہے مگر عجب بات تو یہ ہے کہ بنک تو سود پر رقم دیتے ہیں اور اس سود سے منافع نکال کر کھاتے داروں کو دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح سود کا نام منافع رکھ دیا گیا ہے اور بس۔ یہ حکومت جو سود لینے اور دینے کے خلاف اس قدر پرچار کر رہی ہے اور اسلامی حکومت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ امریکہ سے ۱۴ فیصدی سود کے حساب سے ۴۰ ارب کے قریب قرض لے رہی ہے اور ان غیر اسلامی شرائط پر قرض حاصل کر کے اپنی عظیم کامیابیوں کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے۔ اور عوام کو یہ نہیں بتاتی کہ ۱۴ فیصدی سود پر ۴۰ ارب روپے قرضے کا کس قدر سود ان پر واجب الادا ہوگا۔ اور وہ کیونکر اسے ادا کر سکیں گے۔

○ چوتھے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے قرضوں پر سود کی بجائے مکان کے کرایہ کا تخمینہ لگا کر اسی حساب سے رقم وصول کی جائے گی۔ اول تو اس طرح کراء یہ کا تخمینہ لگانے

www.bhutto.org

والی ایجنسی کے لئے کرپشن کی نئی راہ کھل گئی ہے۔ دوسرے اس قانون میں بھی سود کا نام کرایہ رکھ دیا گیا ہے۔

○ پانچویں ۔ فصل ربیع ۱۹۸۳ء سے زمینداروں اور مالک کاشتکاروں پر عشر بھی نافذ کر دیا گیا ہے۔ اور امن مانے طریقے سے اسکی شرح بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان کاشتکاروں اور زمینداروں سے عشر کی وصولی کے ساتھ ساتھ سود در سود پر دیئے گئے قرضوں کا سود بھی وصول کیا جائے گا۔ ایک طرف تو وہ اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں عشر ادا کریں گے اور دوسری طرف غیر اسلامی سود بھی ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔

عجب بات ہے کہ ابھی تک کسی ایسے ٹیکس کو منسوخ نہیں کیا گیا جو سابقہ دور میں لگایا گیا ہو اور اسے غیر اسلامی قرار دے دیا گیا ہو۔ اگر اس جدید دور میں تمام سابقہ ٹیکس غیر اسلامی نہیں ہیں تو نئے اسلامی ٹیکس لگانے کا کیا تک ہے۔ اور اگر وہ ٹیکس غیر اسلامی ہیں تو اسلامی ٹیکس لگانے کے ساتھ انہیں منسوخ کیوں نہیں کیا جاتا۔

یہ حکومت جو معیشت کے میدان میں سرمایہ داری نظام کو فروغ دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اور دھڑا دھڑ سرمایہ دار ملکوں سے سودی قرضے حاصل کر رہی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دے رہی ہے اور انہیں منافعوں کے تحفظ کا یقین دلا رہی ہے۔ اور پاکستان کی معیشت کو ایسے بین الاقوامی نظام سرمایہ داری سے وابستہ کر رہی ہے جس کی بنیاد ہی سود پر ہے بھلا سود کی لعنت کو کیونکر ختم کرے گی۔

○ چھٹے۔ قانون شفع کو بھی مشرف بہ اسلام کیا جا رہا ہے۔ اور کئی ماہ سے اس کا مسودہ زیر تجویز ہے اور اب مجلس شوریٰ میں برائے بحث پیش کیا جائیگا۔ لیکن اس قانون سے پاکستانی سماج اور تعزیرات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔

ان چھوٹے موٹے تعزیرات اور ٹیکسوں کے متعلق' پرانے ٹیکسوں اور تعزیرات کی موجودگی' میں قوانین کے نفاذ کا اس قدر شور و غوغا کیا گیا ہے کہ لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹنے کو آگئے ہیں لیکن ان سے پاکستانی عوام کی زندگیوں میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی آسکتی ہے۔ کیونکہ ان قوانین کا بنیادی مسائل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

ان قوانین کے علاوہ "زکوۃ ادا کرو اور نماز قائم کرو" کی چند تختیاں بڑے بڑے شہروں کی شاہراہوں پر آویزاں کی گئی ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جہاں کالا کولا ہیر کلر کے اشتہار کی بانکی دوشیزہ اپنے حسین بالوں کی نمائش کرتی ہے وہاں چند مولویوں کو بھی

www.bhutto.org

آیات قرآنی پڑھنے موقعہ دے دیا گیا ہے۔اور بس۔ اللہ اللہ اور خیر سلا۔ عجب ستم ظریفی ہے کہ علماء حضرات نے قرآن خوانی اور درس قرآن بھی ایک پیشہ بنا لیا ہے۔ وہ کسی ترکھان یا لوہار اور دوکاندار اور کاشتکار کی طرح قرآن خوانی کو آمدنی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن خوانی اس لئے نہیں کرتے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی روح سے آشنا کروانے میں مدد دیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ انہیں معاوضہ مل جائے اگر معاوضہ نہ دیا جائے تو وہ یہ بھی کرنے کو تیار نہیں۔

اب تو حکومت کی وہ مہم بھی دم توڑ گئی ہے جس کے ذریعے دوپٹہ اوڑھنے کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔ اس مہم نے فیل ہونا ہی تھا کیونکہ موجودہ سرمایہ داری نظام کے اندر اپنی مصنوعات کو بیچنے کے لئے اشتہاروں میں اس طرح عورت کے حسن وجمال کو خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ بکری میں مدد دیتا ہے۔ اس نظام میں دوسری چیزوں کی طرح عورت کو بھی بکاؤ مال سمجھا جاتا ہے اور اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا اس نظام کی نشوونما اور ترقی کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے ہے اور بڑے بڑے متقی اور پرہیز گار اور تسبیح خواں تاجر اور سرمایہ دار اپنی مصنوعات کی فروخت کے لئے ہر طریقہ اور ہر حربہ استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شب و روز اسلام کے نفاذ کے اعلانات کے باوجود اسلام کی سیاسی اور معاشی بنیادوں کو بھی نظر انداز کیا جارہا ہے کیونکہ اسلامی نظام میں فوجی آمریت قائم نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے برعکس عوام کی رضا مندی اور مرضی سے ہی کوئی حکومت قائم ہو سکتی ہے اور موجودہ دور میں عوام کی رضامندی انتخابات کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں تو ارباب اقتدار کو ایک ایک کرتے کا حساب دینا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں صدر مملکت کی ذات پر ہی ۳۶۵ کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ سالانہ خرچ ہو جاتا ہے اور اس کے لواحقین سرکاری خزانہ سے ہی عیاشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں تو اگر ایک کتا بھی بھوکا مرجائے تو سربراہ مملکت کو جواب دینا ہوتا ہے لیکن پاکستان میں تو لاکھوں لوگ کسمپرسی کی حالت میں زندگی کی تمام نعمتوں اور آسائشوں سے محروم نیم فاقوں اور علاج معالجہ کے بغیر ہی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں اور کئی نوجوان بے روز گاری سے تنگ آکر خود کشی کر لیتے ہیں۔ لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لیکن ان حقائق کے برعکس ہمارے ارباب اقتدار اور بڑے بڑے تاجر اور سرمایہ دار کروڑوں روپیہ بیرونی تجارت سے ہیرا پھیری کے ذریعے حاصل کر کے بیرون ملک کھاتے

www.bhutto.org

کھلواتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں محل بناتے ہیں' کارخانے لگاتے ہیں اور زمینیں خریدتے ہیں اور پھر تمام ذرائع ابلاغ پر قبضہ کر کے سماجی برائیوں کے خاتمے کا پرچار کرتے ہیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کی دہائی دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنٹیفک بنیادوں پر نظام معیشت اور سیاست قائم کرنا تو کجا اسلامی اصولوں پر مبنی منصفانہ نظام معیشت' سیاست اور عدل استوار کرنے کی رتی بھر بھی کوشش نہیں کی گئی اور نہ آئندہ کی جائے گی۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام کی ایسی ایسی تاویلیں کی گئی ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو گیا ہے کہ جس سے ملک کی ساری دولت کا ارتکاز صرف چند ہاتھوں میں ہونا ناگزیر تھا۔ ان پالیسوں سے ایک طرف تو دولت کے انبار لگتے ہیں اور دوسری طرف بلکتی بھوک' تنگدستی اور انتہاہ محرومی اور مایوسی جنم لیتی ہے۔ چنانچہ لوگ بے اختیار دعا کرتے ہیں:۔

یا اللہ وہ دن کب آئے گا
جب لوگ پوچھ سکیں گے
کہ اے عمرؓ
ایک چادر سے تیرا کرتا کیسے بنا
اور بجائے کوڑے لگانے کے
سربراہ مملکت کو جواب دینا ہو گا
حساب دینا ہوگا۔

اور آخر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ان دعاؤں کے لئے اٹھے ہوئے یہ ہاتھ ظالموں' جابروں' فائنوں' آمروں' اور کائنوں کے گریبانوں تک پہنچ جائیں گے۔ اور وہ دن دور نہیں۔ اس کی آمد کی گڑگڑاہٹ صاف سنائی دے رہی ہے اور اس ظالمانہ سماج کے معماروں اور پجاریوں کی جو بظاہر بڑے بڑے نعرے لگا رہے ہیں' نیندیں حرام ہو رہی ہیں اور وہ نیند میں بھی بڑبڑا رہے ہیں۔ انہیں اپنا مقدر صاف نظر آرہا ہے جو ان کی تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

سیاسی صورت حال

ہم نے پچھلے ساڑھے پانچ سال میں موجودہ حکومت کی ہر شعبہ زندگی میں کارکردگی کا طائرانہ جائزہ لیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اس عرصہ میں سیاسی معاشی اور ثقافتی میدان میں کونسی بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور انکے نتائج کیا مرتب ہو رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اسلام کے نفاذ کے سارے شوروغوغا کے باوجود کسی شعبہ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی گئی۔ البتہ بالائی سطح پر عدالتی نظام میں چند فروعی سی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ سزائیں دینے کے طریقے بدلے ہیں۔ جن کے نتیجے میں عورتوں کو کوڑے لگے ہیں۔ نئے ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ اور عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا ہے۔ مہنگائی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ برآمدات کے مقابلے میں درآمدات مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ روپے کی قیمت متواتر کم ہو رہی ہے اور سامراجی مشروط قرضے ڈیڑھ سو ارب روپے سے بھی تجاوز کر گئے ہیں اور آئندہ ہر سال جو قرض لیا جائے گا وہ اس رقم کے برابر ہو گی جو ہمیں قرض خواہوں کو ادا کرنی ہو گی۔ چنانچہ قرضوں کی چھوٹ اور ان کی ادائیگی کے التوا کے لئے در در پر ارباب اقتدار کو بھیک مانگنی ہو گی۔ البتہ امریکی سامراج کے ۳ء۲ ملین ڈالر کے مشروط قرضے' ایف سولہ طیاروں کے حصول اور صدر پاکستان کے حالیہ امریکی دورے کے دوران ہونیوالی بات چیت اور کھلے اور مخفی سمجھوتوں اور معاہدوں کی بدولت پاکستان امریکی سامراج کی اس فوجی حکمت عملی میں ایک پرزے کی طرح فٹ ہو گیا ہے جو اس نے مشرق وسطیٰ کے تیل پر اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے مصر سے لے کر پاکستان تک کے علاقوں کے لئے ایک فوجی کمان تشکیل دینے کے سلسلے میں مرتب کی ہے۔ اسی پالیسی نے پاکستان کو اپنے عظیم طاقتور ہمسائے سوویت یونین جس نے پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے واحد سٹیل مل لگا کر دی ہے اور اب بھی لگا رہا ہے کے بالمقابل ایک دشمن کے طور پر لا کھڑا کیا ہے اور جس کے نتیجے میں سوویت یونین نے یہ کہا ہے کہ پاک افغان سرحد پر "گرم تعاقب" کی پالیسی خارج از امکان نہیں ہے۔

صوبجاتی خود مختاری کا مسئلہ بھی مزید گھمبیر شکل اختیار کر گیا ہے۔ وہ بلوچ رہنما جن کو صدر ضیا الحق نے پیپلز پارٹی کے خلاف اپنی ساکھ مضبوط کرنے کے لئے رہا کیا تھا آج ضیاء الحق سے دور ہو چکے ہیں۔ اور عطا اللہ مینگل نے تو مارشل لاء کی طوالت کے پیش نظر آزاد بلوچستان کا نعرہ بھی بلند کر دیا ہے۔ اسی قسم کے مسائل سندھ میں بھی شدت اختیار کر رہے ہیں اور سرحد میں حکومت اور جماعت اسلامی کے نئے دوست رجعت پسند امریکی

www.bhutto.org

سامراج کے آلہ کار مسلح مجاہدین عوام کے لئے نئے مسائل کھڑے کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ طویل گفت و شنید ابھی تک بے ثمر ہے۔ اور محض پاک بھارت مشترکہ وزارتی کمیشن کے قیام تک محدود ہے۔

مارشل لا کے مضبوط ڈھکنے کے نیچے پاکستانی سماج میں ان حالات نے ہلچل مچا رکھی ہے۔ اس ہلچل کی عکاسی کرتی ہوئی جب بھی کوئی آواز اٹھی تو اسے سختی کے ساتھ دبایا جاتا ہے۔ ایک نعرے کی سزا دس کوڑے ہیں۔ ایک اشتہار نکالنے کی سزا سات سال بامشقت قید ہے۔ جلسہ اور جلوس اور تقریر بغاوت کے جرم میں آتا ہے۔ حتیٰ کہ پریس کانفرنس کرنا قابل گرفت ہے لیکن اس سب پابندیوں' سختیوں اور گرفتاریوں اور قیدوں کے باوجود ہم سب سے بڑی اسلامی جمہوری ریاست ہیں۔ ہمارا نظریہ دنیا بھر میں سب سے اعلیٰ اور ارفع قدروں کا حامل ہے۔ دنیا کو جمہوریت اور مساوات کا درس ہم نے دیا ہے سائنسی دریافت کی راہیں ہم نے کھولی ہیں۔ غرضیکہ ہم پاک ہیں' پوتر ہینیا ور ہمارے جیسا اور کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اس بھرم کو قائم رکھنے کے لئے گوبلز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمیں یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اپنی بات کہے جاؤ' کہے جاؤ' حتیٰ کہ سننے والے اسے دنیا کی اولین سچائی ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ صرف گوبلز کا حشر مخفی رکھا جاتا ہے۔

مختصراً یہ ہیں وہ حالات جن سے آج پاکستان دو چار ہے۔

ان حالات نے ایک طرف تو موقع پرستوں' منافقوں' جاہ پسندوں' خائنوں' سیاسی راہزنوں کو جنم دیا ہے جو ہر طرف سے "سب اچھا" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اور دنیا کو باور کرانے کی کوشش شکر رہے ہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد پہلی بار اس خطہ زمین پر حقیقتی اسلام لانے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے جو بار آور ہو رہی ہے اور عنقریب صاف ستھرا' اسلامی مساوات پر مبنی معاشرہ وجود میں آنے والا ہے لیکن دوسری طرف پاکستان کے طول و عرض میں مایوسیوں' افسردگیوں' پست ہمتوں اور ناامیدیوں نے عوام کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ ہزاروں وسوسے ان کے دلوں میں جنم لے رہے ہیں۔ بے شمار خطرات ان کے ذہنوں کو ڈس رہے ہیں۔ کیا پاکستان موجودہ صورت میں قائم رہ سکے گا یا ۱۹۷۱ء کے واقعات پھر سے دہرائے جائیں گے۔ کیا پاکستانیوں کو سوویت یونین کے ساتھ امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے جنگ لڑنی ہو گی اور اگر ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا ہندوستان پاکستان کی ایٹمی تجربہ گاہ کو نشانہ بنائے گا اور پاکستان پر حملہ کر دے گا؟

اور کیا ہمیشہ کے لئے پاکستان کو قائم رکھنے کے لئے مارشل لا ناگزیر ہو گیا ہے اور

مارشل لا مستقبل قریب میں ختم نہیں ہو گا اور فوج جسے پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کرنا تھی' پاکستانی عوام کے سروں پر اسی طرح مسلط رہے گی؟ اور کیا پاکستان کی حقیر سے اقلیت اسی طرح ملک و قوم کی ۸۰ فیصدی دولت پر قابض رہے گی اور پاکستان کی بہت بڑی اکثریت یونہی بھوک' بیروز گاری' جہالت اور کس مپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گی اور اسی نظام اور اسی نظام حیات کو بے پناہ پروپیگنڈہ کے ذریعے اسلامی نظام ثابت کیا جاتا رہے گا؟ اور کیا مادی دنیا میں تمام سائنسی ترقیوں کو اپنا کر اس سے استفادہ حاصل کیا جاتا رہے گا لیکن نظریے کی دنیا یونہی ساکت و جامد رہے گی اور اس میدان میں ترقی اور تبدیلی کو یونہی گناہ کبیرہ کے مترادف سمجھا جائے گا۔

یہ اور اسی قسم کے بے شمار دوسرے سوالات کانٹوں کی طرح حساس ذہنوں میں چبھے جاتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب ڈھونڈنا اور پاکستانی عوام کو خود اعتمادی سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور موجودہ نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے اور ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امیدوں کی کرنوں سے نئی اور خوبصورت اور پرامن زندگی کے خواب بن کر انہیں حقیقی بنانے کے لئے جدوجہد کی نئی نئی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ لیکن مستقبل کی جدوجہد کی راہیں تلاش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ماضی پر ایک نظر ڈالیں جس کے بطن سے موجودہ حالات نے جنم لیا ہے اور اس جدوجہد کو سمجھنے کی کوشش کریں جس نے موجودہ صورت حال سے ہمیں دو چار کیا ہے اور اپنے تجربات کی روشنی میں اس جدوجہد کا لائحہ عمل مرتب کریں جس کے ذریعے جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کو خود اعتمادی دینا چاہتے ہیں۔ ان کی جھولی ترقی کی نعمتوں اور خوشیوں سے بھرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے ماضی قریب پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات جو پاکستان کی زندگی میں پہلے عام انتخابات تھے' کے نتائج کو نئے آمر یحییٰ خاں نے ماننے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں ہمہ گیر عوامی تحریک اور بیرونی مداخلت کی وجہ سے بنگلہ دیش وجود میں آگیا۔ پاکستانی فوج جسے پاکستانیوں نے ناقابل تسخیر فوج قرار دے رکھا تھا' کے ۹۰ ہزار جوانوں کو بنگلہ دیش میں ہندوستانی جرنیل کے سامنے نہایت ہی ذلت آمیز طریقے سے ہتھیار ڈالنے پڑے اور انہیں قیدی بنا کر ہندوستان منتقل کر دیا گیا۔ بلوچستان میں اندرا گاندھی زندہ باد کے نعروں کے ساتھ جلوس نکالے گئے۔ خوش فہمیوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ پست ہمتیوں نے عوام کو دبوچ لیا اور وہ بے کراں غم و اندوہ کے پہاڑوں تلے بے یارو مددگار آہیں بھرنے کے سوا کچھ نہ کر

سکے۔ ایسے حالات میں ذوالفقار علی بھٹو جس کا دامن "ادھر تم ادھر ہم" کے مشکوک نعروں سے داغدار تھا کو بیرونی طاقتوں کی اشیر باد کے ساتھ فوجی جرنیلوں نے عوام کی بہت بڑی اکثریت کی خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے مغربی پاکستان کا مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا اور یوں ملک میں سول مارشل لا کا نفاذ ہو گیا اور پیپلزپارٹی برسر اقتدار آگئی۔

بھٹو حکومت کی سب سے بڑی کامیابی ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کا نفاذ تھا اسکے علاوہ اس دور میں حسب ذیل اہم اقدامات کیئے گئے۔

۱۔ ۹۰ ہزار فوجیوں کو ہندوستان کے ساتھ گفت و شنید کے ذریعے رہا کروایا گیا۔

۲۔ سامراجی طاقتوں کے دباؤ کے تحت روپے کی قیمت میں یک لخت ۱۳۰ فیصدی کے قریب کمی کر دی گئی۔

۳۔ ایوب خاں کی زرعی اصلاحات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید زرعی اصلاحات کی گئیں اور پہلی بار بلامعاوضہ وافر زمینیں زمینداروں سے لے کر مزارعین میں تقسیم کرنے کا اصول وضع کیا گیا لیکن ان اصلاحات کے باوجود بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت پر بہت کم اثر ہوا۔

۴۔ بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

۵۔ ایجنسی سسٹم ختم کر دیا گیا۔

۶۔ چند بڑی اور بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

۷۔ فلور ملوں اور رائس ملوں کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

۸۔ پبلک سیکٹر میں فولاد اور کھاد کے کارخانے قائم کرنے اور تیل کی تلاش کے لئے اقدامات کیئے گئے۔

۹۔ دیہات میں ۵ مرلہ کی سکیم رائج کی گئی اور شہروں میں کچی آبادیوں کی سکیم پاس کی گئی۔ اس طرح غریب ترین آبادی کو گھر مہیا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزارعین کی بے دخلیاں روکنے کے لئے اقدامات کیئے گئے۔

۱۰۔ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا گیا۔

۱۱۔ پرانی افسر شاہی کا زور توڑنے کے لئے سول کے نئے قوانین بنائے گئے۔ براہ راست افسروں کی بھرتی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔

۱۲۔ سامراجی قرضوں کے بل بوتے پر پاکستانی معیشت کو ترقی دینے کی پالیسی جوں کی توں رہی۔

www.bhutto.org

چونکہ ایوب خاں کے دور کے آخری دنوں میں بڑے گماشتے سرمایہ داروں کے خلاف جنہوں نے پاکستان کے ۸۵ فیصدی اثاثوں پر قبضہ کر رکھا تھا' عوام نے جدوجہد کی تھی اس لئے بڑی بڑی صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی کو فوراً اپنا لیا گیا۔ اور چونکہ ذوالفقار علی بھٹو خود بڑے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور باوجود جدید علوم حاصل کرنے اور پاکستانی سیاست میں ترقی پسند کردار ادا کرنے کے وہ اپنے طبقاتی جاگیردارانہ خیالات سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے تھے اور سامراجی قرضوں کے ذریعے ہی پاکستانی معیشت کو سامراجی زنجیروں سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور نہ ہی جاگیرداری نظام کو مکمل طو رپر ختم کرنے کے اقدامات کئے۔ جاگیرداری نظام کے خلاف جو اقدامات انہوں نے کئے ان سے محض سرمایہ دارانہ کاشتکاری کی ترقی کو تقویت ملی۔ انہی پالیسیوں کی وجہ سے روپے کی قیمت میں ایک لخت اس قدر زیادہ کمی کرنی پڑی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کا المیہ یہ تھا کہ عین اس وقت بین الاقوامی سرمایہ دارانہ معیشت کے بحران کے پیش نظر اوپیک کے ممالک نے تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کی پالیسی اختیا کر لی۔ پاکستانی روپے کی قیمت تو پہلے ہی بہت کم ہو چکی تھی تیل کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ نے پاکستانی معیشت کی جو ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بوجھ تلے نڈھال ہو چکی تھی اور بھی ابتر کر دیا۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ذوالفقار علی بھٹو نے جماعت اسلامی کے ساتھ مفاہمت کرنے کی کوشش کی اور بدقسمتی سے نیشنل عوامی پارٹی (ولی خاں) جس سے مفاہمت او رپیپلز پارٹی کا متحدہ محاذ پاکستانی عوام کے حق میں ہوتا' مخاصمت اور مخالفت کی پالیسی کو اپنا لیا۔ نیشنل عوامی پارٹی کو سپریم کورٹ کے ذریعے غیر محب وطن قرار دلوا کر غیر قانونی قرار دے دیا۔ بلوچستان کی حکومت ڈسمس کر دی گئی۔ صوبہ سرحد کی حکومت نے استعفیٰ دے دیا۔ اور ایسے حالات پیدا کر دیے جن میں بلوچستان میں مزاحمتی جنگ شروع ہو گئی جسے دبانے کے لئے ہزار ہا پاکستانی فوج اور شہنشاہ ایران سے مستعمار لئے ہوئے ہیلی کاپٹر تک استعمال کئے گئے اور نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا اور اس سلسلہ میں ایک سپیشل ٹربیونل قائم ہوا جس میں حیدر آباد میں اگر تلہ سازش کیس کی طرح طویل عدالتی کاروائی شروع ہو گئی۔ پیپلز پارٹی کے ساڑھے پانچسالہ دور میں جس میں متواتر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ رہا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے ہوتے ہوئے آمرانہ طرز حکومت نظر بندیوں' اور نظر بند سیاسی رہنماؤں پر اخلاق باختہ بہیمانہ تشدد' قتل و غارت اور پیپلز پارٹی کارکنوں کی ہلڑ بازیوں اور جارحانہ کارروائیوں نے بائیں بازو کی پارٹیوں کے علاوہ تمام سیاسی پارٹیوں کو متحد کر دیا۔ کراچی کے مزدوروں پر

فائرنگ نے مزدور رہنماؤں کو پیپلز پارٹی سے پہلے ہی دور کر دیا تھا۔ سیاسی پارٹیوں نے ۱۹۷۳ء میں تحریک چلانے کی کوشش کی لیکن وہ دبادی گئی۔ لیکن کسی تیاری کے بغیر چھوٹی چھوٹی رائس فیکٹریوں اور آٹے کی ملوں کو قومی ملکیت میں لینے کے اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایک اچھے خاصے بااثر حلقے کو بھٹو حکومت کے خلاف کر دیا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات نے نئی صورت حال پیدا کر دی۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں چند سیٹوں پر پیپلز پارٹی کے امیدواروں نے نوکر شاہی کے ساتھ مل کر وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کیں (حالانکہ پیپلز پارٹی کو اپنی کامیابی کے لئے ان دھاندلیوں کی قطعا ضرورت نہ تھی) ان انتخابی دھاندلیوں اور ماضی کے حالات نے درمیانہ طبقہ (پہلے غیر جانبدار یا جس کی اکثریت پیپلز پارٹی کے ساتھ تھی) میں تحریک کے حالات پیدا کر دیئے۔ تحریک کے دوران وسیع پیمانہ پر بیرونی سرمایہ استعمال کیا گیا۔ اندرون خانہ نوکر شاہی، عدلیہ اور فوج کے افراد نے بھی اس تحریک کی حمایت کی۔ بھٹو نے عوام کے سہارا کی بجائے "مضبوط کرسی" کا سہارا لینے کی کوشش کی اور ساتھ ہی راولپنڈی کے بازاروں میں سفید ہاتھی (امریکی سامراج) کی سازش کا ذکر کیا لیکن میدان ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تحریک کے دوران مخفی قوتوں کے بے پناہ تشدد اور اندھا دھند گرفتاریوں نے پیپلز پارٹی کے حمائتی عوام کو وقتی طو رپر سراسیما اور غیر جانبدار کر دیا۔ بائیں بازو کی تمام پارٹیوں اور گروہوں نے لاہور میں بلائی گئی ایک میٹنگ میں متفقہ طور پر ایک قرار داد پاس کی جس میں بھٹو حکومت کے اس تشدد کو فاشسٹ قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ تشدد بند کیا جائے اور جمہوری آزادیاں بحال کی جائیں۔ ایر مارشل اصغر خاں نے ابتر حالات ہی کے پیش نظر فوج کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی جس میں پاکستان کو بچانے کے لئے اقدام کرنے کی اپیل کی۔ آخر ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو لاہور مال روڈ پر جلوس پر وحشیانہ فائرنگ کی گئی حتیٰ کہ لاہو رہائی کورٹ کے احاطہ میں کھڑے لوگوں کو بھی گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ نے عجلت میں "منی مارشل لا" جو کہ لاہور کے علاقہ میں نافذ کیا گیا تھا کو غیر آئینی قرار دے دیا۔ ان حالات کے نتیجے میں قومی اتحاد کے رہنماؤں اور پیپلز پارٹی کی حکومت کے درمیان گفت و شنید شروع ہوگئی اور پورے ملک میں امن واپس لوٹ آیا لیکن بات چیت طویل ہوتی گئی اور جب بات چیت کامیابی کے مراحل میں پہنچی تو چند کھلی اور مخفی طاقتوں نے اسے سبو تاژ کر دیا اور فوجی رہنماؤں نے جو ایک عرصہ سے فوجی حکومت کے قیام کی تدبیریں کر رہے تھے، پاکستان میں تیسرا مارشل لا لگا دیا اور اسے "اپریشن فیر پلے" کا نام دیا گیا اور آج تک یہ "اپریشن فیر پلے" جاری ہے۔

www.bhutto.org

مارشل لا کے نفاذ کے بعد ضیاء الحق نے نہایت ہی چابکدستی اور کامیابی کے ساتھ یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مارشل لا ملک و قوم اور مختلف سیاسی پارٹیوں کی بہتری کے لئے لگایا گیا ہے اور انتخابات ہر حالت میں ۹۰ دن میں کروا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ مری میں جب وہ ان سیاسی رہنماؤں کو جو اس کی حفاظتی نظر بندی میں تھے' ملا تو اس نے نہایت مودب پوز اختیار کیا اور مسکراہٹوں کے جلو میں کی گئی گفتگو سے ان کے اندیشوں اور وسوسوں کو وقتی طور پر دور کر دیا۔ پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کی پارٹیوں نے یہ سمجھا کہ یحییٰ خاں کی طرح وہ بھی غیر جانبدارانہ انتخاب کا بندوبست کرے گا اور انہیں کسی بیرونی مداخلت کے بغیر انتخابات میں حصہ لینے کا موقع مل جائیگا۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں میں مری میں اس خوشگوار ملاقات سے یہ تاثر لیا کہ چونکہ ایک جونیئر آفیسر سے ترقی دے کر بھٹو نے اسے چیف آف سٹاف مقرر کیا ہے اس لئے وہ حق نمک ادا کرے گا اور اس نے سب کچھ پیپلز پارٹی کو تحریک کے عتاب سے بچانے کے لئے کیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہ رہنما بھول گئے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں آرٹیکل ۶ بھی موجود ہے جس کے مطابق آئین توڑنے کی سزا پھانسی ہے۔ ضیاء الحق نے فوراً انتخابات کی تاریخ مقرر کر دی حتیٰ کہ اپنے نمائندے کے ذریعے اقوام متحدہ میں بھی انتخاب وقت پر کرانے کی یقین دہانی کروائی۔ قومی اتحاد کا اتحاد مخفی طاقتوں اور ذاتی اغراض نے توڑ دیا۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد جب بظاہر انتخابات میں حصہ لینے کے لئے سیاسی رہنماؤں کو رہا کیا گیا اور بھٹو نے پہلی بار لاہور میں آنے کا پروگرام بذریعہ ریل بنایا تو ان کے جگہ جگہ والہانہ استقبال کو دیکھ کر مارشل لا حکام بوکھلا گئے اور ان کے بذریعہ ریل سفر کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ جب وہ بذریعہ ہوائی جہاز لاہور ہوائی اڈے پر پہنچے تو ہزاروں غریب عوام ہوائی اڈے پر استقبال کے لئے نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئے اور ہوائی اڈے کی طرف جانے والی سڑک پر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا تو ضیاء الحق نے اپنی منصوبہ بندی کے مطابق قومی اتحاد کے کچھ رہنماؤں کو ان کی کمزوری اور بھٹو کی عوامی طاقت کا احساس دلایا اور ان سے پہلے "احتساب پھر انتخاب" کے نعرے کی حمایت حاصل کر لی۔ اور انتخابات عین آخری وقت پر منسوخ کر دیئے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۷۸ء کے روزنامہ امروز کے مطابق جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۹ جنوری نے انتخابات سے قبل احتساب کے عمل کو پاکستان کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دیا۔ اسی روز لاہور ہائیکورٹ بار میں ولی خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی کارکن کی حیثیت سے وہ ملک میں عام انتخابات سے قبل احتساب کے عمل کے

www.bhutto.org

ذریعے غلاظتوں کو صاف کرنے کے لئے کئے جانے والے اقدامات کی حمایت کریں گے۔"
(روزنامہ امروز۔ جنوری ۱۹۷۸ء)

چنانچہ قومی اتحاد کے وہ رہنما جو جمہوریت' غیر جانبدارانہ انتخابات' نظام مصطفیٰ اور ۱۹۷۰ء کی قیمتیں واپس لانے کے نعروں کے ساتھ تحریک چلا رہے تھے اور عوام کی قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ مارشل لا حکومت (جو غیر جمہوری اور غیر قانونی تھی) سے احتساب اور انصاف کروانے کا پروگرام پیش کرنے لگے اور اس سلسلہ میں مارشل لا کو اپنا پورا تعاون دینے لگے۔ یہ صورت حال ان نفرتوں' دشمنیوں اور بعد کی عکاسی کرتی تھی۔ جنہوں نے پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں جنم لیا تھا۔ بھٹو دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر قتل کا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ اس طرح مارشل لا کا پہلا بظاہر ہر مشفقانہ دور "ایکشن فیر پلے" کی منصوبہ بندی کے مطابق اختتام کو پہنچا۔

مارشل لا کا دوسرا دور

جب بھٹو پر قتل کا مقدمہ بنایا گیا تو اس وقت بھی بھٹو سمیت پیپلز پارٹی کے رہنما یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ مقدمہ بھٹو کو پاکستان کے سیاسی افق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹانے اور مارشل لا کو دوام بخشنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ مارشل لا کے اس دور میں مارشل لا حکرانوں نے قومی اتحاد کی پارٹیوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی حکمت عملی اختیار کی نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں کو حیدر آباد جیل سے رہا کر دیا گیا۔ جماعت اسلامی' پگاڑا مسلم لیگ اور پاکستان جمہوری پارٹی کے نمائندوں کو مارشل لا کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ قومی اتحاد کی دوسری پارٹیوں (سوائے خاکسار پارٹی جسے کابینہ میں شامل ہونے کی دعوت ہی نہ دی گئی) نے اس دام فریب میں آنے سے انکار کر دیا۔ مارشل لا نے اپنے پراپیگنڈا کا رخ سابق حکومت کی بدعنوانیوں کو ننگا کرنے کی طرف موڑ دیا۔ قرطاس ابیض شائع کیا گیا۔ احتساب کے نعرے کے ساتھ جائز اور ناجائز مقدمات قائم کئے گئے۔ گرفتاریاں کی گئیں۔ نظربندیاں عمل میں لائی گئیں۔

لیکن پیپلز پارٹی کی کوتاہ نظر' انفرادیت پسند لیڈر شپ نے اپنی بے کراں ہر دلعزیزی کے زعم میں بدلے ہوئے حالات میں بھی اپنی سیاسی حکمت عملی میں رتی بھر کی تبدیلی نہ کی۔ حتیٰ کہ اس نے بائیں بازو کی رہنماؤں کے ساتھ بھی جو اس وقت تک مارشل لا کی مخالفت کر چکے تھے اور اسے ملک و قوم کے لئے سخت خطرہ سمجھ رہے تھے۔ سنجیدگی سے

www.bhutto.org

متحدہ محاذ کی بات تک نہ کی۔ انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ساڑھے پانچسالہ دور حکومت میں کئے گئے غلط اقدامات کا جائزہ لے کر اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی اور انتخابات کے جلد انعقاد کے لئے ضیاء الحق کو ISOLATE کرنے اور سابق حریفوں کے ساتھ متحد محاذ بنانے یا انہیں غیر جانبدار کرنے کے لئے کوئی اقدام نہ کیا۔ وہ محنت کشوں اور عوام کے دوسرے حصوں میں اپنی ہمہ گیر لیکن غیر منظم اور منتشر ہر دلعزیزی کے گھمنڈ میں رہے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے پاس عوام کو سڑکوں پر لانے کی بے پناہ عوامی طاقت موجود ہے۔ جو پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتی ہے۔ اس لئے انہیں پرانے حریفوں کے ساتھ کسی نہ کسی اتحاد یا انہیں ضیا الحق سے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہ ہے۔ وہ اکیلے ہی ضیاء الحق اور اسکے سیاسی حلیفوں کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔ وہ موجودہ مارشل لا کو ۱۹۶۸ء کا زمانہ ہی سمجھتے رہے جس میں ایوب حکومت کے خلاف بنی بنائی تحریک کا موقعہ تاریخ نے دوسروں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ایسے شخص کو فراہم کر دیا تھا جو اسی حکومت تک ۸ سال تک باکمال وزیر رہا اور پیپلز پارٹی چند ماہ کی نعرہ بازی کے بعد مغربی پاکستان خصوصاً پنجاب کے غریب عوام کی منظور نظر بن گئی تھی۔ اسی لئے اسکے کارکن بلا سوچے سمجھے بے ہنگم انداز میں "بھٹو آوے ای آوے" کے نعرہ کو ہر جگہ لگانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی طاقت بھٹو کو پھانسی نہیں لگا سکتی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اول تو مقدمہ شہادت کے اعتبار سے اس قدر کمزور ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے وہ سمجھتے تھے کہ دنیا بھر میں کئی سربراہان حکومت اور قد آور اور مضبوط رہنما بھٹو کے دوست ہیں اور وہ کسی صورت بھی یہ نوبت نہیں آنے دیں گے حتیٰ کہ وہ راولپنڈی کی گلیوں والے سفید ہاتھی (امریکی سامراج) سے بھی توقعات لگائے ہوئے تھے کہ ان کی نظر میں پاکستان کی مغربی سرحدوں پر سرخ انگاروں کو ٹھنڈا کرے کا ملکہ صرف انہیں ہی حاصل تھا۔ تیسرے حکومت کا سائیکو لاجیکل سیل نہایت ہی چالاکی اور ہوشیاری سے ایسی فضا قائم کر رہا تھا کہ پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما مطمئن نظر آتے تھے۔ حتیٰ کہ جب بھٹو کو تختہ دار پر لٹکانے کے تمام منصوبے پائے تکمیل کو پہنچ رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کے اچھے بھلے رہنما کارکنوں کو کہہ رہے تھے کہ "خوشیوں کے دن آنے والے ہیں' خوشخبری سنانے والے ہیں۔"

انہی وجوہات کی بنا پر اور اس وجہ سے بھی کہ پیپلز پارٹی کے رہنما اور کارکن کم سے کم قربانیاں دے کر صاحب اقتدار بن گئے تھے اور وہ کبھی ایسے ناسازگار حالات سے دوچار نہ ہوئے تھے اور بھٹو کی گرفتار کے بعد پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ میں سخت انتشار پیدا ہو گیا تھا'

www.bhutto.org

بھٹو کی جان بچانے کے لئے کوئی دیرپا اور سنجیدہ حکمت عملی وضع نہ کر سکے۔ اس دور میں پیپلز پارٹی کے مظاہروں، جلسوں اور پروپیگنڈا کو دبانے کے لئے حکومت نے بے لگام تشدد، قید، کوڑوں، گرفتاریوں، نظر بندیوں اور فوجی عدالتوں کے ذریعے فوری سزاؤں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ پاکستان کی زندگی میں پہلی بار عورتوں کو بھی شاہی اور لال قلعہ میں بند کر کے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ان حالات میں فوجی حکومت کے تیور دیکھ کر پیپلز پارٹی کے بے شمار ایم این اے اور ایم پی اے ڈر کے مارے خاموش ہو کر خوش گوار وقت کے انتظار میں کونوں کھدروں میں چھپ گئے اور بعض موقعہ پرست سیدھے حکومت سے جا ملے۔ مولانا کوثر نیازی جیسے لوگ جو بھٹو کی وجہ سے ضیاء الحق کی طرح ترقی کر کے چوٹی پر پہنچ گئے تھے، بھٹو خاندان کی رہنمائی کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہو گئے اور پروگیسو پیپلز پارٹی کی داغ بیل ڈال دی۔ پارٹی کے اندر الٹرا لیفٹ اور مہم پسند عناصر نے غیر مربوط شکل میں جگہ جگہ کسی مقررہ ہدف کے بغیر مظاہروں اور توڑ پھوڑ کا راستہ اختیار کر لیا۔ ایک گروہ نے خود سوزی کی مہم کا آغاز کر دیا لیکن جلد ہی ان مظاہروں پر قابو پا لیا گیا۔

پیپلز پارٹی کے عام کارکنوں نے بھٹو کی جان بچانے کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق بے پناہ قربانیاں دیں۔ اس دور میں پیپلز پارٹی کے بے شمار کارکنوں نے جس جواں ہمتی اور پامردی سے کوڑے کھائے اور شاہی قلعے میں اذیتیں سہیں۔ اس کی پاکستان کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ لیکن صد حیف کہ ان تمام قربانیوں اور منتشر جدوجہد کے باوجود فوجی حکمرانوں کی سیاسی حکمت عملی پیپلز پارٹی کی حکمت عملی کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئی آخر ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو رات کے اندھیروں میں ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور فوج کے پہرے میں اسکی لاش کو اس کے آبائی گاؤں میں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح پاکستان کی تاریخ کا ایک اور خونیں باب رقم کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے اس شہادت کے موقعہ پر ایک بار پھر مظاہرے کرنے کی کوشش کی لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اول تو کارکنوں کو خوشخبریاں سننے کے لئے تیار کیا گیا تھا، منظم جدوجہد کے لئے نہیں۔ دوسرے بے تدبیر اور خود رو غیر مربوط مظاہرے منظم فوجی حکومت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

قومی اتحاد کی وہ پارٹیاں جو فوجی کابینہ میں انتخابی طاقت بڑھانے اور اپنی کامرانی کے لئے راستہ ہموار کرنے کے لئے شامل ہوئی تھیں۔ انتخابی قوانین میں مثبت نتائج حاصل

کرنے کے لئے بہت سی تبدیلیاں کروا کر اکتوبر ۱۹۷۹ء میں انتخابات کی تاریخ مقرر کرنے کا اعلان کر کے کابینہ سے مستعفی ہو گئیں۔ انہوں نے بڑے طمطراق سے اعلان کیا کہ ان کا مشن پورا ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے حکومت سے استعفیٰ دے دیا ہے یعنی انتخابات کا اعلان ہو گیا ہے اور یہی انکا مشن تھا۔ لیکن چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے انہیں استعمال کرنے کے بعد ایک بار پھر انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیے اور اس کے ساتھ ہی اس اعلان کے منفی اثرات کو زائل کرنے کے لئے نظام اسلام کے نفاذ کے لئے اپنی کوششوں کو اور تیز کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے کر سیاسی سرگرمیوں پر مکمل طور پر پابندیاں عائد کر دیں۔

اس طرح پاکستان میں تیسرے مارشل لا کا تیسرا متشددانہ دور شروع ہوا۔

اس سانحہ عظیم اور تحریک کی بار بار ناکامی نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ کئی رہنما ان کی جارحانہ نکتہ چینی کا نشانہ بنے انہیں بھٹو کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ بھٹو کی شہادت کی پہلی برسی پر انکے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ ان کی بے عزتی کی گئی۔ پیپلز پارٹی کی صفوں میں مزید انتشار پھیل گیا بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کی رہنمائی کا بوجھ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے کندھوں پر آن پڑا۔ آن واحد میں وہ ملک کی سب سے بڑی پارٹی کی رہنما تسلیم کی جانے لگیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو پیپلز پارٹی اس وقت تک کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو چکی ہوتی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر کوثر نیازی نے بھٹو خاندان کی لیڈر شپ پر اجارہ داری کے خلاف ڈھگا لگانا شروع کر دیا۔ لیکن اسکی یہ مہم چاند پر تھوکنے کے مترادف ثابت ہوئی۔ دراصل پسماندہ ممالک میں سرمایہ دارانہ ترقی کے باوجود فیوڈل ازم کے نظریات عوام کے ذہنوں پر چھائے رہتے ہیں۔ اور سیاسی لیڈر شپ بھی وراثت کے طور پر ورثا کے حصہ میں آجاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے نبھا سکیں۔ ہمارے ہمسایہ ممالک ہندوستان' سری لنکا' بنگلہ دیش اور کشمیر کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ حتیٰ کہ سوشلسٹ شمالی کوریا میں کم ال سنگ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کروا لیا ہے۔

بیگم بھٹو بھی اپریل ۱۹۷۹ء سے لے کر نومبر ۱۹۸۰ء تک "اکیلے ہی جدوجہد کریں گے" کے کلیے پر جمی رہیں حتیٰ کہ انہوں نے بائیں بازو کی مختلف پارٹیوں اور گروپوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی بھی کوشش نہ کی حالانکہ وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ آمریت کے خلاف متحدہ محاذ بنے کے خواہشمند تھے۔ سیاسی پارٹیوں پر مکمل پابندیاں لگنے سے پہلے پیپلز پارٹی کی

ورکنگ کمیٹی جس کا اجلاس کوئٹہ میں ہو رہا تھا۔ کے نام عوامی جمہوری اتحاد کی طرف سے متحدہ محاذ بنانے کے سلسلہ میں خط لکھا گیا اور اس میں زور دیا گیا کہ یہ وقت کا تقاضا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وقت بہت کم ہے او رشاید اس کے بعد کھلی میٹنگ کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ ورکنگ کمیٹی کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی گئی کہ ان کی کمیٹی بائیں بازو کی مختلف پارٹیوں اور گروپوں کے نمائندوں سے گفتگو کر چکی ہے اور پیپلز پارٹی کا نمائندہ متحدہ محاذ بنانے کے سلسلہ میں اتفاق بھی کر چکا ہے۔ لیکن اسکے باوجود عوامی جمہوری اتحاد کے خط کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اس زمانے تک پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا رویہ یہ تھا کہ یہ سب ان کی صفوں میں شامل ہو جائیں اور وہ تو پہلے جدوجہد کر رہے ہیں اس لئے بائیں بازو کو چاہئے کہ وہ ان کے پیچھے چلا آئے۔ پیپلز پارٹی کے اندر وہ رہنما جو اپنے آپ کو سوشلسٹ اور انقلابی سمجھتے تھے انہیں یہ وہم بھی تھا کہ وہ عقل کل ہیں۔ وہ بائیں بازو کے پرانے رہنماؤں اور کارکنوں کو یہ طعنہ دیتے تھے کہ انہوں نے اتنے طویل عرصہ میں آخر کیا کیا ہے؟ اور وہ اپنی مثال دیتے تھے کہ کس طرح انہوں نے چند سالوں میں حکومت پر قبضہ کر لیا ہے؟ اس بات کے متعلق انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ حکومت پر قبضہ کر کے انہوں نے سوشلزم لانے کے لئے کونسے اقدامات کئے ہیں اور وہ جن حالات سے آج دوچار ہیں وہ کیسے پیدا ہوئے؟

بیگم بھٹو کے "اکیلے ہی جدوجہد کریں گے" کا رویہ اول تو اس لئے تھا کہ وہ بھی پیپلز پارٹی کی ہمہ گیر ہر دلعزیزی کو آمریت کے خاتمے کے لئے کافی سمجھتی تھیں اور وہ اس دائرے سے باہر نہیں آنا چاہتی تھیں۔ دوسرے ان کے شوہر کو جن حالات میں پھانسی دی گئی تھی وہ اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ کچھ سیاسی رہنماؤں کی اعانت بھی اس خونیں ڈرامے میں شامل تھی۔ چنانچہ جب ان سے یہ کہا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ مارشل لا کو ختم کرنے' پاکستان کے عوام کو آزادیوں سے ہمکنار کرنے اور ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے کل کے مخالفین کو اپنا حلیف بنانے کی سعی کریں۔ اور ضیا الحق کو ISOLATED کرنے کی پالیسی اختیار کریں۔ اور اس طرح اسی کی طاقت اور حکمت عملی کو شکست دیں تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کے ساتھ کیسے ملیں جن کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ یہی بات قومی اتحاد کی کچھ پارٹیاں کہتی تھیں اور کچھ آج تک اپنے طبقاتی مفادات کو چھپانے کے لئے یہی دلیل دیئے جا رہی ہیں اور ضیاء الحق کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے کسی نہ کسی طرح حکومت پر قابض ہونے کے چکر میں مصروف ہیں اور ضیاء الحق انہیں

www.bhutto.org

کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہے ہیں۔ قومی اتحاد کے رہنما فوراً خواجہ محمد رفیق' ڈاکٹر نذیر اور مینگل کا نام لیتے تھے اور کوئی بھی ملک و ملت کی بہتری اور بقا کے لئے اپنے آپ میں خونیں ندیوں کو پار کرنے کی ہمت اور تدبر نہیں پاتا تھا۔ پیپلز پارٹی کسی طور پر اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی اور نہ آج ہے۔ وہ اس حقیقت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی کہ سیاسی پارٹیاں اور افراد سیاسی غلطیاں کر سکتے ہیں اور غلطیاں کرنا اتنی بڑی بات نہیں لیکن جو پارٹی غلطیاں کرنے کے بعد صدق دل اور کھلے ذہن کے ساتھ انہیں تسلیم کر کے درست کرنے کی راہ پر گامزن نہیں ہوتی۔ شکست اس کا مقدر بن جاتی ہے اور تباہی اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہے خواہ وہ کتنی ہی ہر دلعزیز کیوں نہ ہو۔

بھٹو کی شہادت اور تحریک کی ناکامی کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے الٹرا لیفٹ عناصر مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور انفرادی دہشت پسندی کے راستے پر چل نکلے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ سارا سانحہ پارٹی کے اندر بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ مارشل لا نافذ ہونے کے بعد جاگیرداروں اور بڑے سرمایہ داروں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مارشل لا مخالف تحریک کو منظم کریں گے اور اس میں حصہ لیں گے بذات خود ایک احمقانہ سوچ تھی۔ انہوں نے تو یہی کچھ کرنا تھا جو انہوں نے کیا۔ درحقیقت ان الٹرا لیفٹ رہنماؤں نے نہ تو مارشل لا کی طاقت کو سمجھا۔ نہ اسکے پشت پناہوں کو دیکھا اور نہ ہی طویل جدوجہد کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کیا۔ انہوں نے اپنی جلد بازی' نعرے بازی اور مہم پسندی سے پیپلز پارٹی کی ملک بھر میں پھیلی ہوئی طاقت کو بغیر کچھ حاصل کئے ضائع کر دیا اور وہ مارشل لا حکومت کے سائکو لاجیکل سیل کے پھیلائے ہوئے رنگین جال میں پھنستے چلے گئے۔ اور آج تک وہ اس جال سے نہیں نکل پائے۔ الٹرا لیفٹ عناصر میں سے بہت سے کارکن جن کے سروں پر ہر وقت گرفتاری اور تشدد کی تلوار لٹکتی رہتی تھی پاکستان سے ہجرت کر گئے۔ اس اثنا میں بھٹو شہید کے صاحبزادوں' مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو نے لندن میں لبریشن فرنٹ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور اسکا بلیٹن نکالنا شروع کر دیا۔ لیکن جلد ہی اس تنظیم کا نام بدل کر الذوالفقار رکھ دیا گیا۔ اور وقتی طور پر اس کا ہیڈ کوارٹر کابل میں قائم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بریگیڈیئر عثمان نے بھی اپنی ایک علیحدہ تنظیم کھڑی کر لی۔ ان تنظیموں نے توڑ پھوڑ اور دہشت پسندی کا راستہ اختیار کیا جس کا کسی عوامی تحریک کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ بھٹو کی شہادت کے بعد پاکستان بھر میں اکا دکا دھماکے ہوئے توڑ پھوڑ ہوئی۔ لیکن حکومت جلد ہی ان تنظیموں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

www.bhutto.org

بعض اشخاص کا خیال تو یہ ہے کہ شروع سے ہی ان کی صفوں میں حکومت کے ایجنٹ موجود تھے۔ چنانچہ بہت سے کارکن بغیر کچھ کئے پکڑے گئے اور شاہی قلعے کے عقوبت خانوں میں بند ہوئے۔

ساڑھے تین سال میں پیپلز پارٹی کی انفرادی جدوجہد کی بری طرح ناکامی' بھٹو کی شہادت اور اس کے نتیجے میں پارٹی کی صفوں میں مایوسی کی لہر۔ بیرون ملک الذوالفقار کا قیام اور اس کی دہشت پسندانہ کاروائیوں اور ۱۹۸۰ء میں وکلا کی تحریک نے پیپلز پارٹی کو آخر پرانی سوچ کو خیرباد کہنے پر مجبور کر دیا اور وہ آہستہ آہستہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ ضیاء الحق کے مارشل لا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

تحریک بحالئ جمہوریت

ایم۔ آر۔ ڈی کی تشکیل

۱۹۸۰ء کے وسط میں چلنے والی وکلا کی تحریک کے رہنماؤں کی کوششوں سے ملک کی نو محب وطن سیاسی جماعتوں نے سیاسی صورت حال کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فروری ۱۹۸۱ء میں تحریک بحالی جمہوریت (ایم۔ آر۔ڈی) کی تشکیل کا اعلان کیا۔ اس اتحاد میں حسب ذیل پارٹیاں شامل تھیں۔

(۱) پاکستان پیپلز پارٹی
(۲) نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی
(۳) تحریک استقلال
(۴) پاکستان جمہوری پارٹی
(۵) مسلم لیگ (خواجہ خیرالدین)
(۶) جمعیت علمائے اسلام
(۷) پاکستان مزدور کسان پارٹی
(۸) قومی محاذ آزادی
(۹) کشمیر مسلم کانفرنس'

ان پارٹیوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اگر پاکستان نیشنل پارٹی اور جمعیت علمائے پاکستان تحریک بحالی جمہوریت میں شمولیت کا فیصلہ کریں تو انہیں ممبر بنایا جائے اور مرکزی کمیٹی میں ووٹ کے حق کے ساتھ تنظیم میں شامل کیا جائے۔ ان پارٹیوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اگر اور پارٹیاں تحریک جمہوریت میں شامل ہونا چاہیں تو ان کی شمولیت کا مرکزی کمیٹی متفقہ طور پر فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی۔ تحریک بحالی جمہوریت میں شامل پارٹیاں کم از کم اس پروگرام پر متفق ہوئی تھیں اور یہ پروگرام صرف چار نکات پر مشتمل تھا۔

www.bhutto.org

(۱) مارشل لا کا خاتمہ (۲) ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی (۳) عام انتخابات کا انعقاد (۴) فیڈریشن کی اکائیوں کے حقوق کا تحفظ

مارشل لا کے نفاذ کے ساڑھے تین سال بعد اس اتحاد کا وجود میں آنا حب الوطنی اور پاکستانی عوام کے مفادات کے ارفع اور اعلیٰ تقاضوں کے عین مطابق تھا اور اب بھی ہے۔ اس تحریک کا وجود میں آنا پاکستان میں جمہوریت کی بحالی اور ملک کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور قومی مسئلہ کے حل کی ضمانت کی طرف پہلا قدم تھا۔ اور یہ اتحاد جمہوریت پسند رہنماؤں اور کارکنوں کی کئی ماہ کی جدوجہد کے بعد وجود میں آیا تھا۔ جن رہنماؤں نے اتحاد کی اس تاریخی دستاویز پر دستخط کیے تھے' انہوں نے ذاتی' نظریاتی اور سیاسی اختلافات اور رنجشوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ ان رہنماؤں کے درمیان باہمی نفرتوں اور کدورتوں کی ایک وسیع خلیج حائل تھی لیکن انہوں نے پاکستانی عوام کے مفادات کے لئے اور جمہوریت کے قیام کے لئے ان سب رکاوٹوں پر عبور حاصل کر لیا۔ یقیناً یہ ایک نہایت ہی خوش آئند بات تھی۔

تحریک بحالی جمہوریت (ایم آر ڈی) کے قیام کا اعلان ہوتے ہی پاکستانی عوام میں امید کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اور ان کی پست ہمتی' حوصلے اور ہمت میں بدل گئی۔ اور پھر فوجی آمریت کا سنگھاسن بھی ڈانواں ڈول نظر آنے لگا۔ ضیاء الحق بھاگتا ہوا سعودی عرب جا پہنچا اور اس کے ذریعے امریکی سامراج کی جارحانہ سرپرستی حاصل کرنے کا خواہشمند ہوا۔ ادھر پگارا لیگ نے جب دیکھا کہ ایسے حالات میں خاموشی' خودکشی کے مترادف ہو گی تو ایک گیارہ نکاتی پروگرام لے کر ضیا الحق کے حضور میں پیش ہو گئے۔ ان نکات میں بھی بحالی جمہوریت اور انتخابات کروانے کے مطالبات شامل تھے۔ گویا کہ ان دو مطالبات پر ساری قوم تقریباً متفق تھی۔ لیکن ضیاء الحق نے نہ صرف ان مطالبات کو مسترد کر دیا بلکہ پیر پگارا کی اس پیش کش کو بھی مسترد کر دیا جس کے ذریعے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو لیگ کی صدارت پیش کی گئی تھی۔

تحریک بحالی جمہوریت کی بے پناہ مقبولیت کے پیش نظر' ایم آر ڈی کے قیام کے چند ہفتے بعد حکومت نے مختلف سیاسی جماعتوں کے کارکنوں' رہنماؤں اور ان وکیلوں کو خواہ وہ ایم۔آر ڈی میں شامل تھے یا نہیں گرفتار کر کے مختلف جیلوں میں نظربند کر دیا جو تحریک بحالئی جمہوریت کے روح رواں تھے۔ اور جن کی ڈیڑھ سال کی ان تھک کوششوں نے محب وطن سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کو ممکن بنا دیا تھا۔ ملک کے طول و عرض میں ایک ہی دن

www.bhutto.org

گرفتاریوں سے ظاہر تھا کہ ایم آر۔ڈی کا قیام دراصل ایسی چوٹ تھی جو بالکل ٹھیک نشانے پر لگی تھی۔ چند ہی روز میں تحریک بحالی جمہوریت مارشل لا حکومت کی واحد مد مقابل طاقت کے طور پر ابھر آئی۔

ان گرفتاریوں کے بعد ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء کو بیگم بھٹو نہایت ہی خفیہ طریقے سے لاہور پہنچیں اور انہوں نے ۲۶ فروری ۱۹۸۱ء کو ایم۔آرڈی کے بچے کھچے مرکزی رہنماؤں کی میٹنگ بلائی۔ اس میٹنگ کے موقعہ پر مختلف سیاسی جماعتوں کے ۱۰۰ کے قریب نوجوان کارکن میاں محمود علی قصوری کی کوٹھی پر جمع ہو گئے۔ پولیس نے کوٹھی کو گھیرے میں لیا اسی دوران میں میٹنگ میں ایک قرار داد نہایت ہی عجلت میں پاس کی گئی۔ دراصل یہ قرار داد میٹنگ سے ایک روز پہلے چند رہنماؤں نے پاس کر رکھی تھی۔ قرار داد میں تین مارچ ۱۹۸۱ء کو عام ہڑتال کرنے کے اعلان کیا گیا تھا۔ میٹنگ میں بائیں بازو کے ایک رہنما نے یہ کوشش کی کہ بغیر کسی تیاری اور تنظیم کے فوری طور پر ہڑتال کا اعلان سود مند نہ ہو گا کیونکہ ہڑتال کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں انہوں نے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ کوٹھی میں جمع شدہ کارکنوں کی گرفتاری ہو جائے گی اور اگر ایسا ہو تو تحریک چلنے سے پہلے ہی ٹھپ ہو جائیگی۔ کیونکہ پنجاب کے بیشتر رہنما پہلے ہی نظر بند کئے جا چکے ہیں۔ ایم۔ آر۔ ڈی کی تنظیم ابھی بنی بھی نہ تھی کہ اسے جدوجہد کے مورچہ میں دھکیل دیا گیا۔ تحریک کے لئے نہ تو معروضی حالات موجود تھے اور نہ ہی اسکی رہنمائی کرنے والے میسر تھے۔ دراصل لیڈر شپ کے خیال کے مطابق تحریک چلانے کے لئے حالات مکمل طور پر ساز گار تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک بھر میں کوئی دھماکہ ہونے والا تھا۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ محض ہڑتال کا اعلان ہوتے ہی عوام شاہراہوں اور گلیوں میں امڈ آئیں گے اور فوجی آمریت بے دست و پا ہو کر دم توڑ جائے گی۔ آخر پولیس نے ۸۶ نوجوان سیاسی کارکنوں اور وکلاء کو محض اس جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا کہ وہ بیگم بھٹو کو ملنے کے لئے آگئے تھے۔ بیگم بھٹو کو پنجاب بدر کر دیا گیا۔ تحریک استقلال کے رہنما منیر حسین شاہ اور قومی محاذ آزادی کے لیڈر معراج محمد خاں اور دوسرے کارکنوں کو جیل میں بھیج دیا گیا جن میں سے چند ایک آج دو سال بعد بھی نظر بند چلے آرہے ہیں۔

۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو تین مہم جو نوجوانوں نے جو اپنے آپکو "الذوالفقار" تنظیم کے رکن بتاتے تھے' نے پی آئی اے کا ایک طیارہ جس میں ۱۰۰ سے زیادہ مسافر سوار تھے' اغوا کر لیا اور اسے کابل کے ہوائی اڈے پر اتار لیا۔ اور بعد میں طارق رحیم نامی ایک فوجی سفارت

کار کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اور بعد میں پھر اغوا شدہ جہاز اور اس کے اکثر مسافروں کو دمشق لیجا کر ۵۶ سیاسی قیدیوں کی رہائی کے عوض چھوڑ دیا گیا۔

الٹرا لیفٹ عناصر جو ناتجربہ کار بھی تھے اور جن کی صفوں میں بعض اوقات حکومت کے مخبر بھی شامل ہونے میں کامیاب ہو جاتے رہے مارشل لا حکومت کے تشدد کا جواب انفرادی تشدد سے دینے کے متعلق نظریہ پیش کرتے رہے۔ کیونکہ ہر طرف گھٹن تھی اور حکومت کا تشدد سیاسی کارکنوں کو سانس بھی لینے نہیں دیتا تھا۔ اس لئے نوجوان کارکنوں نے اس پالیسی کا خیر مقدم کیا۔ بیرون ملک مختلف ممالک میں ٹریننگ کے لئے نوجوان جانے لگے۔ ان گروپوں کے اکثر رہنما تو انارکسٹ تھے یا محض سستی شہرت اور روپے کے طلبگار۔ ان گروپوں کی پالیسی آخر مسلم لیگی لیڈر ظہور الٰہی کے قتل پر منتج ہوئی۔ طیارے کے اغوا اور پھر ظہور الٰہی کے قتل کے بعد سارے پاکستان میں گرفتاریوں اور تشدد کا نیا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اخبارات' ریڈیو' ٹیلی وژن کے ذریعے پیپلز پارٹی اور ایم -آر -ڈی کو طیارے کے اغوا میں ملوث کرنے کی ایک منظم مہم شروع کر دی گئی۔ اگرچہ دونوں نے طیارے کے اغوا کی مذمت کی۔ اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ ان کا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں اور دراصل یہ مارشل لا کی طوالت اور اس حکومت کی تشدد کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ طیارے کا اغوا حکومت کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنے کے مترادف ثابت ہوا۔ ایم -آر- ڈی کے خلاف ہمہ گیر مہم چلائی جاتی رہی اور ہر سطح پر سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں جاری رہیں۔ سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کو بدنام زمانہ شاہی قلعہ اور دوسری جگھوں پر طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اور اسی بہانے وحشت اور بربریت کے نئے ریکارڈ قائم کئے گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان بہیمانہ اور بربری ہتھکنڈوں کے ذریعے ایم -آر -ڈی کی تحریک کو جو ابھی منظم بھی نہ ہونے پائی تھی وقتی طور پر دبا دیا گیا لیکن حکومت اپنے تمامتر تشدد' گرفتاریوں' سزاؤں اور یک طرفہ مخالفانہ زہریلا پروپیگنڈا کے اسے ختم نہ کر سکی اور تحریک بحالی جمہوریت میں سے صرف سردار عبدالقیوم کی پارٹی جو آزاد کشمیر سے تعلق رکھتی تھی کو ہی علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ہر قسم کے دباؤ اور ترغیبات کے ذریعے جمعیتہ علمائے اسلام کو بھی تحریک بحالی جمہوریت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس کی اکثریت مولانا مفتی محمود کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمان کی قیادت میں ایم آر ڈی سے علیحدہ ہونے کو تیار نہ ہوئی۔

تحریک بحالی جمہوریت کے چند رہنما جو گرفتاریوں سے بچ نکلے تھے انہوں نے نہایت ہی نامساعد، کڑے اور روپوشی کے حالات میں تحریک کو منظم کرنے کی کوشش کی لیکن اس دور میں تحریک کے اندر جدوجہد کی حکمت عملی کے متعلق برابر دو مختلف نظریات کام کرتے رہے۔ پیپلز پارٹی کے الٹرا لیفٹ رہنماؤں اور کارکنوں کا خیال تھا کہ طیارے کے اغوا اور دوسرے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ کہ تحریک چلانے کے حالات برابر ساز گار ہو رہے ہیں اور عوام کو سڑکوں پر لانے کے لئے صرف پہل قدمی اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر عوام کو کال دی جائے تو وہ والہانہ انداز سے طوفان بن کر نکلیں گے۔ اور مارشل لا حکومت کو جو کمزور ہو چکی ہے کو گرا دیں گے۔ ان میں سے تو کچھ لوگ یہاں تک کہتے تھے کہ اگر ایک طیارہ اور اغوا ہو جائے تو مارشل لا حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسرے نظریہ یہ تھا کہ ابھی ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے کہ عوام ایم - آر -ڈی کی آواز پر سڑکوں پر نکل آئیں۔ طیارے کے اغوا نے نہ صرف حکومت کو مزید گرفتاریوں، تشدد، دہشت گردی کا موقعہ فراہم کر دیا ہے بلکہ عوام کے بہت سے حصوں پر اس ایکشن نے سراسیمگی طاری کر دی ہے۔ اس کے علاوہ تحریک بحالی جمہوریت کی پارٹیوں کے کارکن جو کچھ عرصہ پہلے تک آپس میں متحارب کیمپوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ابھی تک ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو پائے اور ان کے اندر ابھی تک اتحاد اور ذہنی یک جہتی بھی پیدا نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی وہ مل کر کام کرنے کی سمت کوئی قدم اٹھا سکے تھے۔ ابھی تو صوبوں اور بڑے بڑے شہروں میں بھی کوئی تنظیمی کام نہ ہوا تھا۔ نہ کوئی ٹھوس مرکز بنایا گیا تھا جو کارکنوں کی رہنمائی کر سکے اور نہ ہی مختلف سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کو فیصلوں سے آگاہ کرنے کے لئے کوئی طریقہ اپنایا گیا تھا۔ مختلف شعبوں میں حکومت کی کامیابیوں اور اسلام لانے کے پروپیگنڈا کا توڑ بھی نہ سوچا گیا تھا اور نہ ہی معاشی، سیاسی اور سماجی میدان میں مارشل لا کے لائے ہوئے ہمہ گیر انحطاط کو منظم طریقے سے عوام کے سامنے پیش کرنے کے کسی پروگرام پر عمل ہوا تھا۔ چند چھوٹے چھوٹے گروہ اپنی بساط کے مطابق یہ کام ضرور کر رہے تھے۔ لیکن یہ کام آٹے میں نمک کے برابر تھا۔ اس کے علاوہ گرفتاریوں، کوڑوں اور نظر بندیوں کے ذریعے انکی سرکوبی میں تیزی اور شدت کسی مربوط تنظیم کو وجود میں آنے سے روکنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

چنانچہ اس دور میں تحریک بحالی جمہوریت کے مرکزی رہنماؤں، بیگم بھٹو، بینظیر بھٹو، نوابزادہ نصر اللہ خاں، ائر مارشل اصغر خاں، مولانا فضل الرحمان، معراج محمد خان، وغیرہ کو

مسلسل نظر بندی میں رکھا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے رہنماؤں پر ایسی پابندیاں اور صوبہ بدریوں سے یوں لگتا ہے جیسے فوجی لیڈر شپ پاکستان کو چار ملکوں میں تقسیم کرنے کے درپے ہے۔

تحریک بحالی جمہوریت کے قیام کے بعد ایک طرف تو تشدد دو چند کر دیا گیا اور دوسری طرف مارشل لا حکومت نے اپنے دن بدن سکڑتے ہوئے دائرہ اثر کو بڑھانے عوامی تعاون حاصل کرنے اور سیاسی جماعتوں کو متحارب کیمپوں میں ڈٹے رہنے کے لئے نئی سیاسی حکمت عملی وضع کی۔ جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ کو تو جلسے اور میٹنگیں کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی۔ اور جمعیتہ علمائے پاکستان پر بھی زیادہ پابندیاں عائد نہ کی گئیں۔

اس کے علاوہ بائیں بازو کی کچھ پارٹیوں نے بھی ایسی پالیسی اختیار کی جو مارشل لا حکومت نے خلاف متحدہ محاذ کو تقویت دینے کی بجائے ایم - آر -ڈی کو ہی اپنی نکتہ چینی کا ہدف بنانے کی پالیسی کو اولیت دینے لگیں۔

ایوب خاں کی بنیادی جمہوریتوں کی طرز پر بلدیاتی انتخابات تو پہلے ہی کروا دیئے گئے تھے۔ اور عوامی رہنماؤں کے نچلے حصوں میں اس طرح منتخب عوامی نمائندے ہونے کا احساس پیدا کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھر سویلین کابینہ بنائی گئی اور نوکر شاہی پولیس اور فوجی سی آئی ڈی کے سفارش شدہ افراد کی نامزد اور بے اختیار پارلیمنٹ کی تشکیل دی گئی اور ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ ایک اور اسلامی اقدام ہے اس کا نام بجائے پارلیمنٹ یا اسمبلی کے مجلس شوریٰ رکھ دیا گیا اور اس مجلس شوریٰ میں تمام بورژوا سیاسی پارٹیوں کے اراکین کو جو مارشل لا حکومت سے تعاون کرنے کے لئے تیار تھے شامل کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے کافی رہنما جو اسمبلیوں سے تعلق رکھتے تھے اپنی پارٹی کو خیرباد کہہ کر مجلس شوریٰ میں شامل ہو گئے۔ پگاڑا لیگ کے بہت سے ممبروں نے بھی شمولیت کر لی۔ جماعت اسلامی نے بھی کمال چابکدستی سے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت اپنے چند نمائندے ٹریڈ یونین اور کسان بورڈ کے نمائندوں کی حیثیت میں مجلس شوریٰ میں شامل کر دیئے۔ اس مجلس کا سپیکر خواجہ محمد صفدر کو بنایا گیا۔ جو ایک پرانا مسلم لیگی رہنما ہے اور بھٹو حکومت کے خلاف جمہوریت کی جدوجہد میں پیش پیش تھا۔ اس مجلس شوریٰ میں تقریریں تو ہو سکتی ہیں لیکن مارشل لا کی مرضی کے خلاف کوئی قانون بنانے اور بجٹ پاس کرنے کے سلسلہ میں اسے کوئی اختیار نہیں۔

اس کے علاوہ افغان مہاجرین کی آمد' افغان "مجاہدین" کے "جہاد" اور مغرب سے

www.bhutto.org

سوویت یونین کے خطرے کو عوام پر اثر انداز ہونے کے لئے خاص طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ امریکی سامراج مشرق وسطیٰ کے تیل پر قبضہ رکھنے کے اپنے مفادات کی حفاظت اور پاکستان کی فوجی حکومت کے اپنے آپکو قائم رکھنے اور دوام بخشنے کے مفادات یکجا ہو گئے تھے۔ چنانچہ پاکستان کو سوشلزم کی یلغار کے خلاف اسلام کے نام پر فرنٹ لائن سٹیٹ کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ اور امریکی سامراج سے ۳۰۲ ملین ڈالر کی امداد اور قرضے حاصل کر لئے گئے۔ اور مبینہ جارحیت کو روکنے کے نام پر ایف ۱۶ طیارے حاصل کر لئے گئے اور تمام پراپیگنڈہ اس زاویہ سے کیا جانے لگا تاکہ عوام کو باور کرایا جا سکے پاکستان کی دفاع ناقابل تسخیر ہے۔

۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء کو ہندوستان میں تعین امریکی سفیر نے اس پراپیگنڈہ کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ طیارے اور اسلحہ سوویت یونین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ طیارے اور اسلحہ مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے ان ریاستوں کے عوام کے خلاف ہی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

جوں جوں روپے کی قیمت کم ہونے' مہنگائی کے بڑھنے' رشوت' دھاندلی اور تشدد کی وجہ سے عوام میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ وہ جدوجہد کے میدان میں اترتے چلے جا رہے ہیں۔ حکومت نے اپنی سیاسی حکمت عملی کو مزید آگے بڑھایا ہے۔ ایک طرف تو ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کو نیا اسلامی ڈھانچہ دینے کا اعلان کیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ نشر کیا گیا ہے کہ آئندہ انتخابات ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت ہوں گے جن میں صرف رجسٹرڈ پارٹیاں حصہ لے سکیں گی۔

یہ دوغلا اعلان ایک بار پھر سیاسی پارٹیوں کو تقسیم کرنے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کیا گیا ہے۔

حکومت کی اس حکمت عملی کے خلاف ایم۔ آر۔ ڈی نے یہ پالیسی اختیار کی ہے کہ ایک غیر منتخب اور غیر نمائندہ حکومت کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ امریکی سامراج سے کوئی معاہدہ کرے اور اگر وہ ایسا کرے گی تو وہ ان کے پابند نہ ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ملکی دفاع محض ہتھیاروں سے کرنا آج کے زمانے میں ممکن نہیں ہے۔ جب تک عوام ملکی دفاع کی پالیسیوں کے ساتھ دل و جان سے تعاون نہ کریں محض ہتھیار کسی کام نہیں آ سکتے۔ اب ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل پارٹیاں اس پالیسی کا بھی اعلان کرنے لگی ہیں کہ افغانستان کے مسئلے کا سیاسی حل ڈھونڈا جائے۔ اور ببرک کارمل کی حکومت سے براہ راست گفت و شنید

www.bhutto.org

کی جائے۔ اس سلسلہ میں بیگم بھٹو، جمعیت علمائے اسلام اور تحریک استقلال کے رہنماؤں کے بیانات ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

تحریک بحالی جمہوریت کے اندر بائیں بازو کے رہنما شروع سے ہی اس بات پر زور دیتے رہے تھے کہ مختلف سیاسی پارٹیاں جو چند سال پہلے ایک دوسرے کے خلاف متحارب کیمپوں میں تھیں ان کی ملکی سطح پر نئے اتحاد کو ہر سطح پر منظم کیا جائے۔ تاکہ مختلف پارٹیوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے درمیان بعد اور نفرت کی دیواریں منہدم ہو سکیں۔ اور متحدہ اشتراک عمل کے لئے فضا سازگار ہو۔ لیکن ڈیڑھ سال تک اس سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا گیا اور بغیر کسی تنظیم کے تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد تحریک چلانے کے اعلان کئے جاتے رہے جو بار بار فیل ہوتے رہے۔ اور عوام اور سیاسی کارکنوں میں مایوسی اور شک و شبہات پھیلانے کا موجب بنتے رہے۔ ان تجربات نے آخر ۱۹۸۲ کے آخر میں لیڈر شپ کو صوبائی اور سطح پر تنظیم قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور ایک مستقل ڈھانچہ جس میں مرکز، صوبوں اور ضلعی سطح پر کمیٹیاں بنانے اور ان کے مختلف شعبوں کے سیکرٹری وغیرہ چننے کا پروگرام بنایا گیا۔ جسے سیاسی کارکنوں نے خوش آمدید کہا۔ اور تنظیم سازی کچھ حد تک کی گئی لیکن وہ ابھی تک نامکمل ہے۔ اس کے باوجود اسکے خوشگوار اور پرامید اثرات مرتب ہوئے۔

دوسرے بائیں بازو کے رہنماؤں نے اس امر کی نشاندہی بھی کی کہ بحالی جمہورتی کے ساتھ عوام کے معاشی مسائل اور قومی مسئلہ اور امور خارجہ کے متعلق بھی مثبت رویہ اختیار کی جائے اور تجاویز کو اپنے پروگرام میں شامل کیا جائے تاکہ عوام کو پتہ چلے کہ ان شعبوں میں تحریک بحالی جمہوریت کی پالیسی کیا ہے اور وہ فوجی حکومت اور تحریک بحالی جمہوریت کی پالیسوں کا موازنہ کر سکیں۔ اس سلسلہ میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ ان تمام امور پر تحریک بحالی جمہوریت کی طرف سے اپنی پالیسی کو پمفلٹوں کے ذریعے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۸۲ء سے ایم۔آر۔ڈی کی میٹنگوں میں اس تجویز پر بھی سنجیدگی سے غور کیا جا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار ایم۔آر۔ڈی ان شعبوں میں کم از کم پروگرام پر متفق ہو جائے گی۔

جب سے ایم۔آر۔ڈی وجود میں آئی ہے مرکز کی طرف سے اس کی پالیسی یونٹوں تک پہنچانے کے سلسلہ میں سرکلر وغیرہ جاری کرنے اور کارکنوں کو صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے لئے بھی کوئی بندوبست نہیں کیا گیا۔ شروع شروع میں تو صرف بی بی سی

www.bhutto.org

ہی ایک ایسا ادارہ تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ ایم ۔آر ۔ڈی کیا کر رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کارکنوں کو ایم ۔آر ۔ڈی کی پالیسوں کے متعلق کچھ علم نہ ہوتا تھا اور مختلف حلقوں میں مختلف شوشے چھوڑے جاتے رہے جو بعض اوقات تحریک کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ ابھی تک اس کمزوری کو بھی دور کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

جب بار بار جدوجہد جاری کرنے کے اعلانات کے باوجود کچھ نہ ہوا اور عوام حرکت میں نہ آئے تو چند بڑے رہنماؤں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ عوام کو سڑکوں پر لانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس سے بہت خون خرابہ ہوگا۔ اور ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ ان اعلانات نے سیاسی کارکنوں کے ذہنوں میں لاکھوں وسوسوں کو جنم دیا۔ اور مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ ایم ۔آر ۔ڈی کے رہنما تحریک چلانا ہی نہیں چاہتے اور وہ ضیا الحق سے ملے ہوئے ہیں اور وہ امریکی سامراج کے ایجنٹ ہیں اور جب امریکی سامراج اشارہ کرے گا وہ تحریک چلائیں گے حالانکہ اس میں کچھ حقیقت نہ ہے۔ وہ رہنما جو حکومت سے کسی قسم کی سودے بازی کرنا بھی چاہتے ہوں ان کی بھی دلی خواہش یہ ہے کہ تحریک چلے تاکہ وہ حکومت پر دباؤ ڈال کر سودے بازی کر سکیں۔ ایم ۔آر ۔ڈی کی ایک میٹنگ میں اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایسے اعلانات کر کے تحریک کو بدنام اور رسوا نہ کریں۔ بلکہ یہ لائن اختیار کریں کہ ایم ۔آر ۔ڈی جب اور جس وقت مناسب سمجھے گی تحریک چلائے گی۔ اور وہ سیاسی مخالفین کے طعنوں اور حکومت کے ہتھکنڈوں اور پراپیگنڈا سے مرعوب ہو کر جلد بازی نہیں کرے گی اور اس عرصہ میں وہ اپنی صف بندی کرتی رہے گی اور عوام کو ان خطرات اور مسائل سے آگاہ کرتی رہے گی جو مارشل لا حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ملک کو درپیش ہیں۔

بیگم بھٹو ۱۹۸۲ء کے آخر میں علاج کے لئے بیرون ملک چلی گئیں اور غلام مصطفیٰ جتوئی کو اپنی غیر حاضری میں ایم ۔آر ۔ڈی میں اپنا نمائندہ مقرر کر گئیں۔ بیگم بھٹو کے بیرون ملک جانے کے بعد ایم ۔آر ۔ڈی کے اندر دو نئے سوالات ابھر کر سامنے آئے۔

گو یہ سوالات پہلے بھی موجود تھے لیکن اب ان کے متعلق اخبارات میں مختلف رہنماؤں کے حوالوں سے برابر خبریں لگنی شروع ہو گئیں۔ اول تو ایم ۔آر ۔ڈی کا مستقل صدر چننے کے سوال تھا اور دوسرے ایم ۔آر ۔ڈی کے محض جمہوریت کی بحالی کے لئے اس اتحاد کو انتخابی اتحاد میں بدلنے کا سوال۔ ایم ۔آر ۔ڈی کے مستقل صدر بنانے مسئلہ کا تو موجودہ حالات میں حل کرنا ممکنات میں سے ہے گو متفقہ طور پر صدر کا چناؤ بھی خاصا

مشکل ہے اور ایم ۔آر ۔ڈی کے ڈھانچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پہلے ہی مستقل سیکرٹری اور تنظیم بنانے کے مسئلے پر تحریک استقلال کو بہت اختلافات ہیں۔ اور اس نے ایم ۔آر ۔ڈی میں کوئی عہدہ قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مسئلہ پر تحریک استقلال کا رویہ کافی تکلیف دہ ہے۔ تحریک استقلال کے قائم مقام صدر نے اپنے ایک رہنما نفیس صدیقی کو محض اس بنا پر تحریک کی بنیادی رکنیت سے خارج کر دیا تھا کہ اس نے ایک چھوٹا سا عہدہ کیوں قبول کیا تھا۔ عام خیال ہے کہ تحریک استقلال کی خواہش ہے کہ مستقل عہدوں کی بات طے ہونے سے قبل ہی ان کے رہنما کو تحریک بحالی جمہوریت کا صدر چن لیا جائے اور اس کے متعلق دوسری جماعتیں متفق نہ ہیں۔ قومی اتحاد میں انتشار کا باعث بھی عہدوں کی تقسیم ہی بنا تھا۔

انتخابی اتحاد کا مسئلہ بھی اپنے دام میں کافی الجھنیں سمیٹے ہوئے ہے۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا خیال ہے کہ اس مسئلے کو ابھی نہ چھیڑا جائے کیونکہ ابھی انتخابات کا دور دور بھی نشان نہیں ملتا۔ پیپلز پارٹی اپنے طور پر یہ سمجھتی ہے کہ چونکہ پچھلے سال سے اس نے بے انداز قربانیاں دی ہیں اور اس کے پروگرام اور نعروں کی کشش محنت کش عوام میں بدستور ہے اور بھٹو کی شہادت نے اسے پہلے سے بھی مضبوط اور ہر دلعزیز بنا دیا ہے اور اس کے سارے اندرونی انتشار اور باہمی جنگ و جدال کے باوجود واحد پارٹی ہے جو ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کی جذباتی وابستگیاں بہت گہری ہیں' اس لئے جب بھی انتخابات ہوں گے اسے فقید المثال کامیابیاں حاصل ہونگی۔ اس لئے اسے اس اسٹیج پر انتخابی اتحاد کی بات کو گول ہی رکھنا چاہیے۔ پیپلز پارٹی کا یہ رویہ دوسری پارٹیوں کے رہنماؤں کے ذہنوں میں بے شمار شکوک پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر کو پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ کے رویے کے تلخ تجربات ہیں۔ دوسری پارٹیوں کے رہنما سمجھتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں ان کے رکن بجا طور پر سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم لوگ پیپلز پارٹی کی فتح کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جن انتخابات کا مشترکہ جدوجہد کے ذریعے مطالبہ کر رہے ہیں ان میں ان کا حصہ کیا ہو گا۔ یہ دلیل کافی وزن رکھتی ہے اور ان کے خدشات بالکل بجا ہیں۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو ان گتھیوں کو سلجھانے کے لئے سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ ان سوالوں کو سات پردوں کی تہوں میں مچلے پن سے چھپا کر نہیں رکھا جا سکے گا۔ اگر واقعی وہ جمہوریت کے خواہاں ہیں تو انہیں پاور دوسروں کے ساتھ تقسیم کرنا ہوگی۔ اور تحریک بحالی جمہوریت کے متحدہ محاذ کے

www.bhutto.org

رہنماؤں کے تمام خدشات کو دور کرنا ہوگا۔ ہندوستان کے صوبہ مغربی بنگال کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اندرا گاندھی کی حکومت کے خلاف کوئی تیرہ پارٹیوں نے متحدہ محاذ بنا رکھا ہے اور وہ پچھلے کئی سال سے پھل پھول رہا ہے۔ حالانکہ وہاں کیمونسٹ پارٹی (مارکیٹ) کافی مضبوط ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ زیادہ سے زیادہ ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر چل رہی ہے۔ اور چھوٹی سی چھوٹی پارٹی کو اس نے پاور میں حصہ دار بنایا ہے۔ اور طے شدہ پروگرام کے مطابق انتخابی نشستوں کی تقسیم کی ہے۔ اور اس پر دیانتداری سے عمل کر رہی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ باوجودیکہ اندرا گاندھی جو مرکز میں تمام اختیارات سنبھالے ہوئے ہے۔ اور ان اختیارات کا مغربی بنگال میں انتخابات جیتنے کے لئے ناجائز استعمال بھی کیا ہے۔ وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔

ہم نے پہلے بھی پیپلز پارٹی کی مارشل لا حکومت کے خلاف سیاسی حکمت عملی کا جائزہ لیا ہے اور دیکھا ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد اور تحریک بحالی جمہوریت کے قیام تک پیپلز پارٹی مارشل لا کے خلاف اکیلے ہی جدوجہد کرنے کی پالیسی پر کاربند رہی اور وہ کسی دوسری پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی پالیسی اپنانے کے لئے تیار نہ تھی۔ دائیں بازو کی پارٹیاں تو کجا وہ بائیں بازو کی پارٹیوں کے ساتھ بھی متحدہ محاذ بنانے کو تیار نہ تھی۔ ایسا متحدہ محاذ بنانے کی ضرورت عوامی جمہوری اتحاد نے ۱۹۷۹ء میں ہی ان پارٹیوں پر واضح کر دی تھی۔ بائیں بازو کی پارٹیوں کے متعلق تو پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا رویہ نہایت ہی مغرورانہ تھا۔ اور شاید اب بھی ہے۔ اس دور میں اس کا رویہ یہ تھا کہ چونکہ وہ پہلے ہی مارشل لا کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے۔ اس لئے جو جدوجہد کرنا چاہتا ہے اس کے ساتھ چلا آئے۔ بائیں بازو کی پارٹیوں کے متعلق پیپلز پارٹی کے کارکن اکثر یہ کہتے تھے کہ بائیں بازو نے پچھلے ۲۵ سال میں کیا کیا ہے؟ پیپلز پارٹی نے تو چند سال کے عرصہ میں اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کر لیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے اندر الٹرا لیفٹ رہنما سوشلزم کی تعریف یوں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ وہ تحت الثریٰ سے اٹھ کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچ گئے ہیں۔ جن کا وہ کبھی خواب بھی نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے بڑا سوشلزم کیا ہو سکتا تھا۔ اور اس سے بڑا انقلاب کیا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے یہ سوچنے کی کبھی زحمت ہی نہیں کی کہ وہ سوشلزم کی جانب ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا پائے تھے۔ وہ سامراج سے نہ صرف نجات حاصل نہ کر سکے بلکہ سامراج کی مزید ماتحتی کی پالیسی پر گامزن رہے اور بلوچ عوام کو دبانے کے لئے شہنشاہ ایران کے ہیلی کاپٹر تک استعمال کرتے رہے۔ وہ جاگیردارانہ نظام بھی ختم نہ کر سکے۔

www.bhutto.org

حالانکہ زرعی اصلاحات کے موقعہ پر مال روڈ لاہور پر جو جلوس نکلا اس کا نعرہ تھا " جیہڑا واہوے اوہو ای کھاوے۔" ان کی برپا کروا زرعی اصلاحات زراعت میں ایک اور سرمایہ دارانہ اقدام سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ یہ تو ایوب خاں نے بھی کیا تھا۔ پیپلز پارٹی کی عملی پالیسیوں کے رد عمل کے طور پر نہایت ہی رجعت پسندانہ خیالات ہر سو چھا گئے۔ اور سرمایہ دار جاگیردار' دائیں بازو کے رجعت پسند رہنماؤں کی ہر دلعزیزی کا باعث بنے۔ حتیٰ کہ ان پالیسیوں کا پھل ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے وہ ناقابل شکست اور مافوق الفطرت انسان سمجھتے تھے۔ وہ جمہوری انقلاب کو زیادہ آگے نہ بڑھا سکے اور جب وہ مسند اقتدار سے اتارے گئے جمہوری انقلاب دو قدم پیچھے چلا گیا۔

پیپلز پارٹی نے بائیں بازو کی پارٹیوں کے متعلق اپنے اس رویہ کے نتیجے پر کبھی غور نہیں کیا باوجود یکہ محنت کش طبقے زیادہ تر پیپلز پارٹی کے ہی ووٹر ہیں۔ پیپلز پارٹی باوجود کوشش کے ٹریڈ یونینوں کی اکثریت کو اپنی رہنمائی میں جدوجہد کے لئے آمادہ نہیں کر سکی۔

تحریک بحالی جمہوریت کے قیام کے ساتھ پیپلز پارٹی کی حکمت عملی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور کے متوازی چونکہ پہلے پیپلز لبریشن فرنٹ اور بعد میں الذوالفقار اور اس قسم کی چند اور تنظیمیں وجود میں آئی تھیں اور وہ تشدد کا جواب تشدد سے دینے کے نعرہ پر عمل کر رہی تھیں۔ اس لئے پیپلز پارٹی کو ایک طرف حکومت کے عتاب سے بچانے کے لئے اور دوسری طرف بار بار شکست کے بعد مارشل لا کے خلاف تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت پیش آئی۔ اور انہوں نے نہایت ہی عجلت میں تحریک بحالی جمہوریت کی بنیاد رکھ دی جس کے لئے ایک عرصہ سے مختلف عناصر کی طرف سے کوششیں ہو رہی تھیں۔ لیکن اس دور میں بھی پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ کی حکمت عملی یہ تھی کہ تحریک میں شامل جماعتیں اگر اس کے ساتھ ڈٹی رہیں اور جدوجہد کے لئے اشیر باد دے دیں تو وہ اپنے قربانی کرنے والے جیالے کارکنوں اور رہنماؤں کے ذریعے اکیلے ہی زبردست جدوجہد لانچ کرنے کی پوری طاقت اور وسائل رکھتی ہے۔ انہوں نے ساڑھے تین سال کے دوران مارشل لا کے خلاف جدوجہد اور اس کے نتائج کے متعلق سنجیدگی سے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ اور نہ اپنی غلطیوں کو درست کرنے اور معروضی حالات کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس دور میں بھی قدم قدم پر انہیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تلخ تجربات کی روشنی میں انہوں نے نئی پالیسی اختیار کی۔ جسکے مطابق فیصلہ کیا گیا کہ تحریک بحالی جمہوریت کے اندر وہ پیچھے پیچھے رہیں گے تاکہ مخالفین اسے پیپلز پارٹی کا ہی شو نہ سمجھیں اور تحریک میں شامل پارٹیوں

www.bhutto.org

کا اعتماد حاصل کر سکیں۔ اس پالیسی پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ پیپلز پارٹی اچھی طرح سمجھتی ہے چھ سال کے دوران انکی بے مثال قربانیوں اور مارشل لا حکومت کی عوام کے مفادات کے خلاف پالیسیوں کی وجہ سے اسکی ہر دلعزیزی بے کراں ہے اور اس کے رہنما اگر کونوں کھدروں میں بھی رہیں تب بھی وقت آنے پر عوام میں انہیں کی پذیرائی ہوگی۔ یہ حقیقت تحریک بحالی جمہوریت میں شامل دوسری پارٹیاں بھی جانتی ہیں اس لئے وہ انتخابی اتحاد اور مستقل تنظیم کی بات کر رہی ہیں۔ پیپلز پارٹی کو اس نئے دور میں ان سوالات کا حل کرنا ہوگا۔ یہ ان کے اپنے مفاد میں ہے۔ انہیں یہ سمجھنا ہو گا کہ ملک اور عوام عام حالات سے نہیں گذر رہے بلکہ پاکستان معاشی اور سیاسی اعتبار سے نہایت ہی کٹھن اور خطرناک مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔ مارشل لا ان مسائل پر سختیوں او پابندیوں کے پردے ڈالے ہوئے ہے۔ وقت تیزی سے گذر رہا ہے۔ ہر لمحہ قیمتی ہے۔ ہر لمحہ جو ان مسائل کو حل کئے بغیر گذرتا جا رہا ہے اسے مزید مشکلات کے بھنور میں دھکیل رہا ہے۔

تحریک بحالی جمہوریت اور اسکے مخالفین:

جس دن سے تحریک بحالی جمہوریت وجود میں آئی ہے اس پر کئی سمتوں اور کئی زاویوں سے حملے کئے گئے ہیں اور متضاد قوتوں نے اسے اپنی نکتہ چینی کا ہدف بنایا ہے۔

اول تو اس کے قیام کے ساتھ ہی مارشل لا حکومت نے اس پر بھرپور حملہ کیا۔ اور اسکے بے شمار رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا اور گرفتاریاں' نظربندیاں اور سزائیں آج تک جاری ہیں۔

اس کے علاوہ نظریاتی پراپیگنڈہ کے میدان میں ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات اور ان سیاسی لوگوں کے ذریعے جو حکومت کے ہاتھوں بک گئے۔ برابر یہ مہم چلائی گئی ہے کہ یہ تحریک بیرونی شہ پر وجود میں آئی ہے اور سوویت یونین' افغانستان اور ہندوستان کی ایجنٹ ہے اور اس کی سرگرمیاں ملک و قوم کی بیخ کنی کر رہی ہیں۔ عوام کو یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ ایم آر ڈی تشدد کی سیاست پر یقین رکھتی ہے اور اسی راہ پر چل رہی ہے اور ملک میں خون خرابہ کرنا چاہتی ہے اور ملک کے حصے بخرے کرنے کے درپے ہے۔ یہ پراپیگنڈہ بھی بڑی شدومد کے ساتھ کیا گیا ہے کہ تحریک بحالی جمہوریت میں شامل جماعتیں نظریہ پاکستان پر یقین نہیں رکھتیں اور وہ اسلامی حکومت کے قیام کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں اور ایسی جمہوریت کا پرچار کر رہی ہیں جو اسلام کی

www.bhutto.org

ضد ہے۔

یہ پراپیگنڈا بھی کیا جا رہا ہے کہ ایم ۔آر ۔ڈی کو پیپلز پارٹی اپنے ناپاک عزائم کے لئے استعمال کر رہی ہے اور باقی پارٹیاں پیپلز پارٹی کے ہاتھوں میں آلۂ کار بن گئی ہیں۔ اور پیپلز پارٹی جس نے اپنے دور میں ہر قسم کی شہری آزادیوں کو کچل کے رکھ دیا تھا اور غنڈہ گردی اور بہیمانہ تشدد کے ذریعے شرافت کو ختم کر دیا تھا بھلا کیا جمہوریت لائے گی۔

مارشل لا حکومت تحریک بحالی جمہوریت کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور اسکی سرگرمیوں کو آہنی شکنجوں میں کس کر یہ پراپیگنڈہ بھی کر رہی ہے کہ وہ حقیقتی معنوں میں پاکستانی عوام کی نمائندگی کر رہی ہے اور اگر وہ عوام کی نمائندہ نہ ہوتی تو بلوچستان کے مجاہد پہاڑوں سے اتر کر پر امن زندگی بسر کرنے پر تیار نہ ہوتے۔ اور ایم ۔آر ۔ڈی عوام کو سڑکوں پر لانے میں کامیاب ہو جاتی۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ عوام مارشل لا حکومت سے مطمئن ہیں۔ اور وہ اسلام کے بتدریج نفاذ پر خوش ہیں کہ ان کے نظریہ حیات کو پہلی بار سنجیدگی سے عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔

دائیں بازو کی پارٹیاں' جماعت اسلامی' پگاڑا لیگ اور کچھ حد تک جمیعت علمائے پاکستان اور درخواستی گروپ بھی اس پراپیگنڈہ میں مارشل لا حکومت کی ہمنوا رہی ہیں۔ یہ پروپیگنڈا مختلف زاویوں اور مختلف سطحوں پر آج تک جاری ہے۔

بائیں بازو کی بھی کچھ پارٹیاں ایک دوسرے زاویہ سے تحریک بحالی جمہوریت کے خلاف کھلے بندوں اور مختلف حیلے بہانوں سے پراپیگنڈہ کرتی ہیں۔ اول تو وہ یہ کہتی ہیں کہ تحریک بحالی جمہوریت امریکی سامراج نے بنوائی ہے اور یہ سامراج کی آلہ کار ہے۔ اور یہ تحریک اس لئے نہیں چلاتی کہ امریکی سامراج نے ابھی اشارہ نہیں کیا جونہی وہ اشارہ کرے گا یہ تحریک چلائے گی۔

دوسرے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ سوشلزم کے خلاف ایک سازش ہے جو اس ملک کے وڈیروں' جاگیرداروں اور گماشتے سرمایہ داروں نے پاکستانی عوام کے خلاف کر رکھی ہے اور رجعت پسند طاقتوں نے سوشلزم کے راستے میں یہ آخری دیوار کھڑی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محض خالی خولی جمہوریت اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی اور مارشل لا کے خاتمہ تک اپنے پروگرام کو محدود کئے ہوئے ہے۔ نہ وہ عوامی سوال حل کرنے کے لئے صوبہ جاتی خود مختاری کے متعلق کسی پالیسی کا اعلان کرتی ہے' اور نہ ہی بھرپور انداز میں امریکی سامراج کی ریشہ دانیوں کو ننگا کرتی ہے اور نہ ہی بھرپور انداز میں امریکی سامراج کے کئے گئے

www.bhutto.org

غلامانہ معاہدوں کے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔ وہ جاگیرداری کو ختم کرنے کے متعلق کچھ کہنے کو تیار نہیں، محنت کشوں اور دوسرے عوام کے فوری مسائل، مہنگائی، بے روزگاری کو ختم کرنے کے متعلق اپنے پروگرام میں کچھ نہیں کہتی۔ اس لئے اس تحریک میں شامل ہونا عوام کو گمراہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور انہیں سوشلزم کے سیدھے راستہ سے بھٹکانا ہوگا۔

مارشل لا حکومت، جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ نے تحریک بحالی جمہورت کی جس قدر مخالفت کی ہے اور جس انداز سے طاقت سے دبانے اور پراپیگنڈہ کے ذریعے عوام کی نظروں سے گرانے کے لئے جیسے ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ مارشل لا حکومت اور موجودہ صورت حال کو جوں کا توں رکھنے کا سب سے بڑا مخالف تحریک بحالی جموریت کو سمجھتے ہیں۔ یہی تحریک بحالی جمہوریت کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ان حالات میں بائیں بازو کی جو جماعتیں سوشلزم، عوام کے مسائل یا قومی سوال کے نام پر ایم۔ آر۔ ڈی کی کھلی یا مخفی مخالفت کرتی ہیں دراصل وہی کام کر رہی ہیں جو جماعت اسلامی یا پگاڑا لیگ کر رہی ہے وہ اپنی ان پالیسیوں سے بلاواسطہ مارشل لا کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ ایک طرف وہ محنت کشوں کی صفوں کو مارشل لا کے خلاف متحد نہیں ہونے دیتیں اور دوسری طرف ان کی پالیسیوں سے عوام میں انتشار پھیلتا ہے۔

ان کو موجودہ بین الاقوامی قومی صورت حال کو انقلابی انداز سے سمجھنا چاہیے۔ آج جبکہ امریکہ سامراج اسکے حواری سرمایہ دارانہ بحران کے چنگل میں روز بروز زیادہ سے زیادہ پھنستے چلے جا رہے ہیں اور مشرق وسطٰی کے تیل کے چشموں پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے اسرائیل سے لے کر پاکستان تک فوجی اڈے قائم کرنے میں مصروف ہیں۔ اور بلوچستان کو بھی انہوں نے اس سکیم میں شامل کر رکھا ہے اور وہاں بڑے جہازوں کے اترنے کے لئے ہوائی اڈے کشادہ کئے جا رہے ہیں۔ اور افغانستان میں رجعت پسند عناصر کی مدد سے مزاحمت کو طویل کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان کی سرزمین پر ایک بار پھر اپنے فوجی مشیر اور جاسوسی کے آلات نصب کرنا چاہتے ہیں اور اس عالمی سامراجی پالیسی کے اندر موجودہ مارشل لا حکومت ایک زبردست مہرے کے طور پر فٹ ہو گئی ہے۔ اور اس کے ذریعے وہ اپنے عزائم کو پورا کرنے کی پالیسی میں گامزن ہیں اور موجودہ غیر جمہوری، غیر نمائندہ اور رجعت پسند حکومت کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ پاکستان کے محب وطن اور انقلابی قوتوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کم از کم پروگرام کی بنیادوں پر مارشل لا حکومت کے خلاف عوام کے وسیع

www.bhutto.org

ترین حلقوں کو متحد اور منظم کریں۔ پاکستان میں مارشل لا حکومت کے خلاف جدوجہد اس وقت امریکی سامراج اور عالمی سرمایہ داری نظام کے خلاف جدوجہد ہے۔ اور پاکستان کے اندر نامکمل جمہوری انقلاب کی ابتدائی منزل طے کرنے کے مترادف ہے۔ اور جمہوریت کی جدوجہد سوشلزم کی جدوجہد کا اولین حصہ ہے۔ سوشلزم اور عوامی سوال کے بلند وانگ دعووں کی بنا پر مارشل لا حکومت کے خلاف وسیع ترین عوامی اتحاد میں شامل نہ ہونا' ایک طرف تو سامراج کے حق میں جاتا ہے اور دوسری طرف ملک کے اندر نہایت ہی رجعت پسند مارشل لا حکومت کی طوالت کا باعث بنتا ہے۔ سوشلزم کے حصول اور قومی سوال کے حل کو بھی دور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ پالیسی انقلابی قوتوں کو عوام سے الگ تھلگ کرنے کا باعث بنتی ہے۔

ان حالات میں انقلابی قوتوں کی سیاسی حکمت عملی یہ ہونی چاہئے کہ ان تمام طبقوں اور قوتوں حتیٰ کہ افراد کو جو مارشل لا حکومت کے خلاف کم از کم پروگرام کی بنیاد پر متحد اور متفق ہو سکتے ہیں' متحد کریں۔ کوئی بھی دوسری پالیسی خواہ دائیں بازو کی پارٹیوں کی ہو۔ یا انقلابی پارٹیوں کی۔ وہ مارشل لا کی زندگی کو مزید طویل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے اور اس طرح وہ نہ صرف اس ملک میں سامراج کے شکنجے کو مضبوط کرتی ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی سامراج کو تقویت پہنچاتی ہے۔

بائیں بازو کی کچھ جماعتیں ایک اور پہلو سے بھی ایم آر ڈی کی مخالفت کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ایم آر ڈی جان بوجھ کر تحریک نہیں چلاتی۔ وہ حکومت سے اندرون خانہ ملی ہوئی ہے۔ اور جدوجہد کا ہوا دکھلا کر حکومت سے سمجھوتہ کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر وہ تحریک چلائے تو ضرور اس کا ساتھ دیں گے۔ عجب بات ہے کہ اگر تحریک چلانے کے لئے حالات اس قدر سازگار ہیں تو وہ جو انقلابی ہیں' جو تاریخی مادیت کو سمجھتے ہیں' جو عوام کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور خود عوام میں کیوں تحریک نہیں چلاتے۔ کیوں پہل قدمی نہیں کرتے۔ کیوں آگے بڑھ کر تحریک کا جھنڈا نہیں جھلاتے۔ کیوں منظم طریقے سے گرفتاریاں پیش نہیں کرتے۔ وہ کنارے پر کھڑے دوسرے پر آوازے کیوں کس رہے ہیں۔ ملک و قوم کی رہنمائی انہیں کرنی چاہئے اور بورژوا اور وڈیرا جاگیردار لیڈروں کے ہاتھوں سے ایک ہی جست میں رہنمائی چھین لینی چاہئے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے' ایسا کر نہیں سکتے۔ ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ایک چڑیا بھی تو ان کی آواز پر نہیں اڑتی۔ اپنی غلط پالیسیوں کی وجہ سے جو ان کی حالت ہوئی ہے آخر وہ اس کے متعلق کیوں نہیں سوچتے۔

www.bhutto.org

ایم آر ڈی کے رہنما لاکھ چھپائیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ باوجود دل و جان سے چاہنے کے بھی وہ ابھی تک ایسی تحریک نہیں چلا سکے جو حکومت وقت کی چولیں ہلا دے۔ دراصل سیاسی کارکنوں کے ذہنوں میں تحریک چلانے کے متعلق بہت سے بچگانہ اور پیٹی بورژوا خیالات موجزن ہیں۔ وہ معروضی حالات کو جاننے اور سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ اور ہر شے کو اپنی انفرادی اور ذاتی خواہشات کا تابع دیکھنا چاہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ تحریک چلانا بھی شاید "کھل جا سم سم" کی طرح کسی اسم اعظم کا مرہون منت ہے جو کوئی بھی بڑا لیڈر پڑھ سکتا ہے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما بھی بڑے عرصے تک ایسی ہی غلط فہمیوں کا شکار رہے ہیں وہ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ عام ہڑتال کا اعلان کرنے اور عوام کو آواز دینے کی دیر ہے کہ عوام کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ گلیوں اور سڑکوں پر نعرے مارتے ہوئے آن واحد میں نکل آئیں گے۔ اور مارشل لا کی کمزور، بوسیدہ اور متعفن دیواروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیں گے۔ لیکن بار بار ہڑتال اور ہمہ گیر جدوجہد کی کال دی گئی۔ لیکن تحریک نہ چل سکی۔ حتیٰ کہ ٹکا خاں کو بھی تحریک چلانے کے لئے لاہور کے گنجان آباد علاقے میں گرفتاری پیش کرنے اور اس کے ارد گرد عوام کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن تحریک نہ چلی۔ ۱۹۸۱ء میں وکلا نے لاہور ہائیکورٹ سے نکل کر چلچلاتی دھوپ میں نیلا گنبد تک مارچ کیا اور لاٹھیاں کھائیں۔ گرفتاریاں دیں لیکن تحریک نہ چل سکی۔ ملک بھر میں علیحدہ علیحدہ اساتذہ، ڈاکٹروں، نرسوں اور عوام کے کئی دوسرے حصوں نے اپنے مسائل کے حل کے لئے طویل جدوجہد کی لیکن ملک گیر پیمانے پر تحریک نہ چلی۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے نہتے درجنوں محنت کشوں نے سینے پر گولیاں کھالیں لیکن عوام کو نہ ہلا سکے۔

ان حالات کو دیکھ کر بعض عناصر بددل ہو جاتے ہیں اور پست ہمتی اور ناامیدی ان کو گھیر لیتی ہے۔ وہ پاکستانی عوام کو بے نقط صلواتیں سناتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ سیاسی رہنماؤں کی ریڑھ کی ہڈی نہیں ہے۔ وہ بے ایمان ہیں، قوم فروش ہیں، خود غرض ہیں، موقعہ پرست ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ممکن ہے کہ ان رہنماؤں میں ایسی بہت سی صفات موجود ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تحریک چلنے کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو ایسے منافق بھی اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے تحریک کے آگے جھنڈا اٹھا کر لگ جاتے ہیں جیسا کہ ۱۹۰۵ء کے روسی انقلاب میں ہوا۔ جبکہ حکومت کے ایک ایجنٹ پادری نے ہزاروں عوام کو زار شاہی محل کے سامنے شکاری کی طرح گولیوں کی باڑھ سے بھنے جانے کے لئے لا کھڑا کیا اور انہیں شکار کی طرح بھونا گیا لیکن انقلابی تحریک پھر بھی سارے ملک میں پھیل گئی اور زار شاہی کا

www.bhutto.org

سنگھاسن ڈول گیا۔

۶۹-۱۹۶۸ء میں پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ رہنما جو آٹھ سال تک ایوب حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے تھے' آن واحد میں اسی ایوب حکومت کے خلاف ابلنے والی عوامی تحریک کے اپنی ذہانت اپنی زیرک نگاہی اور اپنی پہل قدمی سے رہنمائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور وہ انقلابی جو بیس برس سے ایسی تحریک کے لئے قربانیاں دیتے چلے آ رہے تھے' کنارے پر کھڑے عوامی سمندر کے مد و جزر کی لہریں گنتے رہ گئے۔

اکثر سیاسی کارکن ۸۰-۱۹۷۸ء کے ایرانی عوام کی عظیم الشان تحریک کی بات کرتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ یہ تحریک دنیا میں ایک منفرد تحریک تھی جس نے لاکھوں عوام کو مسلسل ڈیڑھ سال تک ایسے مظاہروں میں شامل ہونے کی ہمت اور طاقت بخش دی جسے ہر بار گولیوں کی باڑھ کا سامنا کرنا ہوتا تھا اور جسے ساوک' شہنشاہ اور امریکی سامراج کا سامنا تھا۔ یہ سیاسی کارکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ڈاکٹر مصدق کی جمہوری حکومت کے ۲۵ سال بعد یہ تحریک چلی تھی۔ اس دوران میں عوام اور سیاسی کارکنوں نے بے انداز قربانیاں دیں۔ عوامی اور انفرادی جدوجہد کے تمام حربے استعمال کئے۔ لیکن شہنشاہ اریان ہمیشہ ایسے نظر آتا رہا جیسے وہ پشت در پشت حکمرانی کرتا رہے گا۔ ان ۲۵ سالوں میں شاہ ایران نے کبھی زرعی اصلاحات کا ڈھونگ رچایا۔ کبھی شاہی زمینوں کی تقسیم کا ناٹک کھیلا اور کبھی ۳ ہزار سالہ ایرانی شہنشاہیت کی عظمت کا جشن منا کر ایرانی عوام کی آنکھوں کو چکا چوند کیا اور مشرق وسطیٰ میں امریکی گماشتے کے طور پر اور اپنی حکمرانی کو طوالت بخشنے اور خلیج کے تیل کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے جدید کیل کانٹے سے لیس فوج تیار کی اور اس طرح وہ دنیا بھر کے عوام پر یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ ایرانی عوام کا محبوب شہنشاہ ہے۔ اور ایرانی عوام اسکی اصلاحات اس کے نظام حکومت اور اس کی شان و شوکت کے جانثار ہیں۔ لیکن یہ تمام اصلاحات اور جشن اور ہتھیار ۸۰-۱۹۷۸ء میں جب تحریک کے حالات پیدا ہوئے تو کچھ کام نہ آئے۔

سیاسی کارکن ایوب خاں کے خلاف ۶۹-۱۹۶۸ء کی تحریک کی بھی مثال دیتے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایوب خاں بلاشرکت غیرے دس سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس دوران میں طلبا اور محنت کشوں کی مختلف تحریکوں نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ فاطمہ جناح نے ۱۹۶۴ء میں ایوب خاں کا صدارتی انتخاب میں مقابلہ کر کے ملک کے کونے کونے میں سیاسی

www.bhutto.org

بیداری پیدا کرنے کے لئے مواقع مہیا کئے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے ملکی معیشت کو مضمحل کر کے رکھ دیا۔ اس کے علاوہ ۶۹۔۱۹۶۸ء میں مارشل لا نہیں تھا ایوب خاں نے ایک ایسا نظام قائم کیا تھا جس میں شخصی حکومت تو ضرور تھی لیکن عدالتوں کو بھی کچھ اختیارات تھے۔ گو انتخابات بالواسطہ تھے لیکن وہ عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ بن کر انہیں حرکت میں لائے۔ جب تحریک چلی تو اس وقت فوجی عدالتیں نہیں تھیں۔ مارشل لا ریگولیشنز کے ذریعے حکومت نہیں کی جا رہی تھی اس وقت کا معاشی نظام ایک خاص ڈگر پر ترقی کر کے اس نہج پر پہنچ گیا تھا کہ اس میں تبدیلی کی ضرورت خود پیداواری قوتوں کی ضرورت بن گئی تھی۔ تب کئی سالوں کی جدوجہد کے ثمر کے طور پر ۱۹۶۸ء کے آخر میں عوام ہمہ گیر طریقے سے حرکت میں اس وقت آئے جب تحریک کے لئے تمام حالات پختہ ہو چکے تھے۔

۱۹۷۷ء کی تحریک کا بھی ذکر بڑی شدومد سے کیا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی تو یہاں تک کہتی ہے کہ وہ تحریک اسکی ہی مہارت' ذہانت اور تجربوں اور تنظیم کی وجہ سے چلی تھی اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اگر اس تحریک کا نصب العین مارشل لا لگانا تھا تو پھر یہ بات درست مانی جا سکتی ہے کہ وہ تحریک کامیاب ہوئی لیکن اگر یہ نصب العین نہیں تھا جو ہمارے خیال میں درست ہے تو اس تحریک کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا نتیجہ الٹ نکلا اور ننگی فوجی آمریت قائم ہوئی۔

یہ تحریک بھی ایک دن میں وجود میں نہیں آئی بلکہ بھٹو کے دور حکومت میں متواتر کسی نہ کسی شکل میں بہتر زندگی اور حقیقی جمہوریت کے لئے جدوجہد جاری رہی کراچی کے مزدوروں پر سب سے پہلے گولی چلی۔ اور مزدور طبقہ پیپلز پارٹی کی حکومت سے جو امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھا مایوس ہو گیا۔ پھر مختلف سیاسی پارٹیوں کے متحدہ محاذ نے تحریک چلانے کی کوشش کی' گرفتاریاں دیں' صعوبتیں سہیں۔ لیکن عوام سڑکوں پر نہ آئے۔ بلوچستان میں عوام نے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے مسلح جدوجہد شروع کر دی۔ اور کئی سال تک مزاحمت کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے ملک کی معیشت پر جو پہلے ہی ۷۱-۱۹۷۰ء کے بحران سے نڈھال ہو چکی تھی اور بھی تباہ ہو گئی۔ پھر ملک میں عام انتخابات ہوئے اور کئی ماہ تک عوام میں جلسوں اور جلوسوں کے ذریعے سیاسی بیداری پیدا ہوتی رہی۔ اور آخر انتخابات کے دوران چند نشستوں پر کھلی دھاندلی نے درمیانہ اور نچلے درمیانہ طبقہ کو سڑکوں پر لا کھڑا کیا۔ اور تحریک آگے بڑھی۔

ان حقائق اور تجربات کے پیش نظر یہ کہنا کہ مارشل لا حکومت کے خلاف کوئی تحریک

www.bhutto.org

نہیں چل رہی اور ایم آر ڈی تحریک چلانے کے قابل نہیں ہے درست نہ ہے۔ مارشل لا کے خلاف عوام کی تحریک ارتقائی منازل خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر رہی ہے۔ گو اسے اور بھی بہتر طریقے سے منظم کیا جا سکتا تھا۔ پہلے پیپلز پارٹی اور پھر تحریک بحالی جمہوریت کی رہنمائی میں مارشل لا حکومت کے خلاف پچھلے چھ سال میں مختلف علاقوں میں غیر مربوط اور غیر ہموار جدوجہد ان تنکوں کی مانند ہے جو کسی بڑے الاؤ کو روشن کرنے کے لئے ایک ایک کر کے سلگتی آگ میں ڈالے جاتے ہیں حتیٰ کہ آگ پورے زور سے بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی تپش اور شعلے دور دور تک ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

حکومتی نمائندے اور سیاسی مخالفین یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مارشل لا کے خلاف کوئی تحریک نہیں چل رہی۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جس طرح پاکستان میں نوجوانوں نے ایک نعرہ لگانے' ایک اشتہار تقسیم کرنے اور چھوٹا سا اجتماع کرنے کی پاداش میں ہزاروں کی تعداد میں کوڑے کھائے ہیں وہ بالکل فقید المثال ہیں اور کوڑے کھانے گولی کھانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ گولی تو بلے گلے میں لوگوں کے ہجوم پر چلائی جاتی ہے۔ اور علم نہیں ہوتا کہ کس کو لگے گی۔ لیکن کوڑے کھانے سے پہلے تو پتہ ہوتا ہے کہ کوڑے لگیں گے۔ اور کھال ادھڑے گی۔ اور بعض اوقات ساری عمر کے لئے جسم اپاہج ہو جائے گا۔ پھر پچھلے چھ سال سے پاکستان کے دور دراز علاقوں میں سیاسی کارکن قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ سینکڑوں سیاسی کارکن دو دو تین تین مرتبہ جیل بھگت رہے ہیں۔ بے شمار سیاسی رہنما بلا مقدمہ چلائے جیل میں مقید ہیں۔ لاتعداد سیاسی کارکنوں کو فوجی عدالتوں نے مجموعی طور پر ہزاروں سالوں کی سزا سنائی ہے۔ اس دور میں عورتوں کو شاہی قلعے میں بار بار بھیجا گیا ہے۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اسلام کا پرچار اور نفاذ کرنے والوں نے ان کے جسموں پر سلگتے ہوئے سگریٹ لگائے ہیں۔ ان کے بے حرمتی کی ہے۔

وہ عوام جو پہلے بٹے ہوئے تھے آہستہ آہستہ ایم آر ڈی کے کم از کم پروگرام پر متحد ہو رہے ہیں۔ وہ پارٹیاں جو پہلے متحارب صفوں میں نیزے سنبھالے ایک دوسرے کو چھلنی کر رہی تھیں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے مشترکہ دشمن کے خلاف پیمان باندھ رہے ہیں۔ عوام کے جن حلقوں کے ذہن اسلام کے نفاذ اور صاف ستھری سماج کے قیام کے پراپیگنڈہ نے ماؤف کئے ہوئے تھے وہ اپنے خول سے نکل رہے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی آواز نہیں جو مارشل لا کے خلاف نہ اٹھتی ہو' کوئی قدم نہیں جو اسے ختم کرنے کے لئے آگے نہ بڑھایا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ اور جمیعت علمائے پاکستان کے کچھ حصے

جو پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کے خلاف محض اس لئے مہم چلائے ہوئے تھے کہ مارشل لا حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں اور اسے اسلام کا نفاذ کرنے والی پہلی حکومت قرار دیا جائے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ وہ نظریہ پاکستان جس کے لئے یہ مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی تھی اسے جنرل ضیا الحق ہی سنجیدگی سے عمل میں لا رہا ہے اور تھوڑا تھوڑا اسلام قسط وار پاکستانی عوام کو دیا جا رہا ہے جو کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے لیکن آج یہ طاقتیں بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہیں کہ مارشل لا ختم کیا جائے اور عام انتخابات کروائے جائیں۔

ایم آر ڈی کی تحریک برابر بڑھ اور پھیل رہی ہے اور اب وہ تنظیمی لحاظ سے تحصیل کی سطحوں تک بھی پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ اقدام تحریک بحالی جمہوریت کی ترقی کا ایک اور ثبوت ہے۔ تحریک بحالی جمہوریت پاکستان کے عوام کی ضمیر کی آواز ہے۔ اور اس کا پیش کردہ پروگرام پاکستانی عوام کی امنگوں کا مظہر ہے۔ پاکستان کی آزادی اور سالمیت کا ضامن ہے۔ پاکستان میں بسنے والی سب قوموں کی ترقی اور خوشحالی کا راستہ ہے۔ ایم ۔آر ۔ڈی کے قیام کے بعد عوام میں اسکی مقبولیت اس بات کی شاہد ہے کم از کم پروگرام پر اتحاد کا فیصلہ درست تھا اور پاکستانی عوام کی سیاسی ضرورتوں اور حالات کے عین مطابق تھا۔ اور پاکستان میں درپیش سیاسی مسائل کے صحیح حل کی طرف ایک اہم قدم تھا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان وجوہات کا جائزہ نہ لیں جو تحریک بحالی جمہوریت کی نشوونما کے راستے میں رکاوٹیں بنی ہوئی ہیں۔ اور اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم تحریک بحالی جمہوریت کی خامیوں' کمزوریوں' کوتاہیوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کریں اور انہیں درست کرنے کے لئے ان کا جائزہ نہ لیں۔ ان رکاوٹوں کو دیکھنا اور ان کا جائزہ لینا تحریک بحالی جمہوریت کو مزید آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے۔

- اول تو ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جب مارشل لگایا گیا تو پاکستانی عوام دو متحارب کیمپوں میں بٹے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کو ہر ممکن طریقے اور ہر قسم کے ہتھیار سے نیچا دکھلانے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ جذبات اس قدر گہرے' اس قدر شدید تھے کہ وہ رہنما جو جمہوریت کی جنگ بھٹو حکومت کے خلاف لڑ رہے تھے مارشل لا جو ریفری کے بھیس میں آیا کو بھی خوش آمدید کہنے کو تیار تھے۔ اور انہوں نے مارشل لا کے نفاذ کو خوش آمدید کہا۔ یہ صورت حال کافی عرصہ تک قائم رہی۔ حتیٰ کہ جب پیپلز پارٹی نے نکا خاں کی قیادت میں اندرون شہر جلوس نکالنے کی کوشش کی تو جماعت اسلامی کے لٹھ

www.bhutto.org

برداروں نے انکی مزاحمت کی۔

● دوسرے ۱۹۶۹ء میں ایوب خاں اور ۱۹۷۷ء میں بھٹو کی حکومتوں اور ضیا الحق کے مارشل لا کی حکومت میں بہت فرق تھا۔ ضیا الحق کی حکومت پچھلے چھ سال سے مکمل طور پر فوجی عدالتوں، اندھا دھند گرفتاریوں، طویل نظر بندیوں پر انحصار کئے ہوئے ہے۔ ایوبی مارشل لا پہلے سختیاں لے کر آیا تھا لیکن بتدریج نرم ہوتا گیا اور پھر مخصوص قسم کی سویلین حکومت قائم کر دی گئی۔ لیکن موجودہ مارشل لا جو ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کا نعرہ لے کر آیا تھا۔ بتدریج زیادہ سخت ہوتا چلا گیا۔ اور آہستہ آہستہ ۱۹۷۳ کے آئین کو بھی ختم کر دیا گیا۔

● تیسرے ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۰ کی جنگوں کے دوران امریکی سامراج کا وقار پاکستانیوں کی نظروں میں گر چکا تھا اور امریکی سامراج کو ان حالات میں پاکستان کی ضرورت نہ تھی۔ اور اس نے اپنی امداد اور قرضوں میں کمی کر دی تھی لیکن ۱۹۷۹ میں افغانستان میں سوویت فوجوں کے آنے کے بعد اور شاہ ایران کی شکست اور خمینی کی فتح نے حالات کو یکسر بدل دیا جن کی وجہ سے مشرق وسطے کا تیل جس پر سامراجی اور سرمایہ دار ملکوں کی معیشت کا انحصار ہے کی حفاظت بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ اور پاکستان کو خاص سٹریٹیجک پوزیشن حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ سامراجی ممالک نہ صرف پرانے قرضوں کی ادائیگی میں التوا کرنے پر تیار ہو گئے ہیں بلکہ نئے قرضے بھی کثیر تعداد میں فراہم کرنے لگے ہیں۔ اور ضیاالحق کی مارشل لا حکومت افغانستان کے مسئلہ پر سامراجی طاقتوں کی ہمنوائی کرنے لگی ہے۔ اور افغان مہاجرین کو ان ممالک کے مفادات کے لئے استعمال کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہاجرین کی خدمت کے نام پر پیش کرنے لگی ہے اور پاکستانی عوام کے کچھ حصوں کو کفرو الحاد اور اسلام اور سوشلزم کی جنگ کے نعروں کے ذریعے گمراہ کرنے میں کچھ حد تک کامیاب ہو گئی ہے۔

● چوتھے پاکستان سے باہر گئے ہوئے ۳۵-۳۰ لاکھ محنت کش اور کاریگر اور دانشوروں کا کمایا ہوا۔ ۳۰ ارب روپے سے بھی زائد زرمبادلہ جواب روپے کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے ۴۰ ارب تک پہنچ چکا ہے۔ پاکستان میں پہنچنے لگا ہے۔ یہ روپیہ کم از کم اڑھائی تین کروڑ پاکستانیوں میں کسی نہ کسی طریقے سے تقسیم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک طرف تو بے روزگاری میں خاصی کمی ہو گئی اور دوسری طرف عوام کے کچھ حصوں میں خوشحالی آگئی۔ عوام کے یہ حصے فوری طور پر کسی تحریک میں شامل

www.bhutto.org

ہونے سے ہچکچاتے ہیں اور کسب معاش کے لئے بیرون ملک جانے کے لئے تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔

- پانچویں ۔ مارشل لا کے پہلے پانچ سالوں میں فصلوں کے لئے بہترین موسم نے زرعی پیداوار میں اضافہ کر کے گندم اور چینی وغیرہ میں خود کفیل ہونے میں مدد دی ہے۔
- چھٹے ۔ پیپلز پارٹی مارشل لا کی طاقت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکی۔ اور نہ ہی تحریک بحالی جمہوریت نے اسے صحیح طور پر سمجھا۔ اور اس کے مطابق اپنی سیاسی اور جدوجہد کی حکمت عملی تیار نہ کر سکی بلکہ جدوجہد کا حالات کے مطابق طریق کار بھی نہ ڈھونڈا اور پرانے روایتی طریقوں کو ہی استعمال کرنے پر اکتفا کیا۔ مہم پسندی اور جلد بازی کی پالسی اختیار کی کیونکہ سمجھا یہ جاتا تھا کہ مارشل لا چند روز کا مہمان ہے۔اس لئے اگر ہمت کر کے تھوڑی سی جدوجہد کر دی جائے تو اسے شکست دی جا سکتی ہے۔ یہ سوچ بالکل ناقص اور غلط تھی۔
- ساتویں ۔ یہ بھی اکثر سمجھا جاتا رہا ہے کہ امریکی سامراج اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے یہاں نمائندہ حکومت کے قیام میں مدد دے گا۔ امریکہ کو جمہوریت کا علمبردار اور نمونہ بنا کر پیش کرنا بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کے عین مطابق تھا۔ حالانکہ امریکہ دنیا بھر میں اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے ہمیشہ سے آمریتوں کا سہارا ہی لئے ہوئے ہے۔ جنوبی کوریا ہو یا تائیوان تھائی لینڈ ہو یا انڈونیشیا' ویت نام ہو یا چلی ہر جگہ ہر براعظم میں امریکی سامراج نے ہمیشہ آمریتوں کی حفاظت کی ہے۔ کیونکہ صرف آمریتیں ہی امریکی مفادات کی حفاظت کر سکتی ہیں۔
- آٹھویں ۔ تحریک بحالی جمہوریت کی جدوجہد شروع کرنے سے پہلے تنظیم سازی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور اس کی تنظیموں کو ملک گیر پیمانے پر پھیلانے کا کام نہیں کیا گیا۔ سیاسی سوچ یہ رہی ہے کہ عوام تو جدوجہد کے لئے کمربستہ ہیں اور صرف کسی اشارے کے منتظر ہیں۔ جونہی اشارہ کیا جائے گا وہ سڑکوں پر آجائیں گے۔
- نویں ۔ مارشل لا حکوت کی سائیکو لاجیکل جنگ کا کوئی توڑ نہیں کیا گیا اور سیاسی کارکنوں کو ہر مسئلے پر سرکلروں اور پمفلٹوں وغیرہ کے ذریعے صحیح صورت حال کے متعلق بروقت آگاہ نہ کیا گیا۔ تحریک کی لیڈر شپ کے خیالات میں ہم آہنگی پیدا نہ کی

www.bhutto.org

گئی۔ اسلام کے نفاذ کے ڈھونگ کو صحیح معنوں میں مربوط پراپیگنڈا کے ذریعے ننگا نہ کیا گیا۔

- دسویں ۔ مارشل لا حکومت کے مسلسل تشدد' نظر بندیوں اور کوڑوں کی سزاؤں نے تحریک کو مفلوج کر دیا اور اس کی نشوونما کو روکنے میں بڑا رول ادا کیا۔
- گیارہویں ۔ تحریک بحالی جمہوریت نے عوام کے فوری مسائل' مہنگائی بیروز گاری رشوت اور بنیادی مسائل جاگیرداری کا خاتمہ' سامراج سے نجات حاصل کرنے اور پبلک سیکٹر میں صنعتیں قائم کرنے کے متعلق کوئی پروگرام پیش نہ کیا۔
- بارہویں ۔ قومی سوال کو بھی پس پشت ڈال دیا اور اس کے حل کے متعلق بنگلہ دیش کی تحریک کے تجربات کی روشنی میں کوئی پلان واشگاف الفاظ میں پیش نہ کیا۔

یہ ہیں بہت سی وجوہات جن کی وجہ سے تحریک بحالی جمہوریت کی جدوجہد ابھی تک پختگی کو نہیں پہنچ سکی۔ لیکن پاکستانی سماج میں ہر طرف اور ہر سطح پر چھوٹے چھوٹے' بال آرہے ہیں اور حالات بتدریج ایک بڑے تلاطم اور طوفان کی صاف نشان دہی کر رہے ہیں۔ وکلاء' طلباء' محنت کش' اور کسان' ڈاکٹر' اساتذہ اور دوکاندار اپنے روز افزوں مسائل کے حوالے سے اور مارشل لا حکومت کی بڑھتی ہوئی ہمہ گیر سختیوں اور بدعنوانیون' لوٹ مار' رشوت' دھونس اور دھاندلی کی وجہ سے حرکت میں آرہے ہیں۔ آنیوالے طوفان کی گڑگڑاہٹ صاف سنائی دے رہی ہے لیکن اسکی صحیح سمت میں رہنمائی کے لئے ابھی تک کوئی منظم طاقت نہیں بن سکی۔ جسکی اشد ضرورت ہے۔ تحریک بحالی جمہوریت کے رہنماؤں کو چاہئے کہ وہ اس طرف فوری توجہ دیں اور جلد از جلد ملک بھر میں اپنی تنظیمیں ہر سطح پر قائم کریں۔ تاکہ وقت آنے پر وہ صحیح رہنمائی کر سکیں۔

منصورہ پلان

لاہور سے چند میل دور ملتان روڈ پر وسیع و عریض اراضی پر واقع جماعت اسلامی کے دفاتر اور رہائشی کوٹھیوں اور کوارٹروں کو منصورہ کا نام دیا گیا ہے۔ حال ہی میں اس میں ساٹھ لاکھ روپے سے زائد مالیت کا ایک اور ٹکڑا اراضی جو کبھی ایک سٹوڈیو ہوتا تھا خرید کر شامل کیا گیا ہے۔ یہ دفاتر پاکستان کی فاشٹ پارٹی' جو اپنے آپ کو جماعت اسلامی کہتی ہے' کا ہیڈ کوارٹر ہیں جہاں سیاسی تربیت اور فوجی ٹرینگ بھی دی جاتی ہے۔ جماعت اسلامی بین الاقوامی سطح پر مصر کی "مسلم برادر ہوڈ" اور افغانستان کی حزب اسلامی (گلبدین حکمت یار

www.bhutto.org

جس کا رہنما ہے) اور دنیا میں اس قسم کی دوسری پارٹیوں سے گہرے روابط رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں بیشتر شیوخ اور خاص طور پر سعودی عرب کے بادشاہ اور شہزادوں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات جو باہمی مفادات پر مبنی ہیں' بہت گہرے ہیں۔ باوجودیکہ جماعت اسلامی کے رہنما مولانا مودودی مرحوم نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں نظام بادشاہت کو غیر اسلامی اور بادشاہوں اور شہزادوں کو مجاور قرار دیا ہے اور انہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے ہدف تنقید بنایا ہے۔ باہمی مفادات کی وجہ سے وہ ایک عرصہ سے آپس میں شیر شکر ہو چکے ہیں اور جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا طفیل محمد اور دوسرے رہنما اکثر سعودی عرب کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ سعودی عرب جماعت اسلامی کے فنڈز کا ایک بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔ فروری ۱۹۸۳ء میں جبکہ پاکستان ایک شدید بحران میں داخل ہو رہا تھا مولانا طفیل محمد مشورہ اور مزید امداد حاصل کرنے کے لئے سعودی عرب کا دورہ لگا رہے تھے۔

جماعت اسلامی امریکی سامراج کے ساتھ بھی گہرے تعلقات قائم کئے ہوئے ہے۔ لبنان میں فلسطینی عوام کے قتل عام کے دوران میں جماعت اسلامی کے عمل اور اعلانات سے ظاہر ہے کہ وہ اسرائیل کی مدد بھی ضرورت پڑنے پر کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجاہدین فلسطین کے خلاف منفی رویہ اختیار کئے ہوئے ہے اور یاسر عرفات کی رہنمائی کو جو فلسطین کے تمام مزاحمتی گروہوں کو اکٹھا کئے ہوئے ہے کو بھی ہدف تنقید بنائے ہوئے ہے۔

جماعت اسلامی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے پاکستان کے حصول کی تحریک کے دوران حضرت قائداعظم اور پاکستان کے مطالبہ کے خلاف نظریاتی اور عملی میدان میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس وجہ سے وہ نہ صرف یہ کہ مسلمان عوام کے دلوں میں جگہ نہ پا سکی بلکہ وہ ملک کے اکثر اخبارات کی تنقید کا نشانہ بھی بنتی رہی۔ چنانچہ منصوبہ پلان کے مطابق اپنے دامن سے اس دھبے کو مٹانے کے لئے اور پاکستانی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جماعت کے رہنماؤں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ مسلسل پراپیگنڈا کے ذریعے عوام کو ذہن نشین کرا دیا جائے کہ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی مرحوم قائداعظم کے بہت قریب تھے اور ان کے مددگار تھے اور دراصل نظریہ پاکستان کے وہی خالق ہیں اور انہوں نے ہی تحریک پاکستان کی نظریاتی بنیادیں مہیا کی ہیں۔ چنانچہ موجودہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے نہایت ہی منظم انداز میں ان خطوط پر پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ تحریک پاکستان کے کچھ پرانے رہنماؤں نے اس پراپیگنڈا اور دروغ گوئی کی

www.bhutto.org

مزاحمت کی لیکن ان رہنماؤں کی مسلسل ناکامیوں اور جماعت کے وسیع وسائل کے بل بوتے پر وہ اپنی اس ہٹ پر ڈٹے رہے اور چونکہ آجکل وہ اپنے آپ کو نظام اسلام کے نفاذ کے سب سے بڑے داعی بنا کر پیش کر رہے ہیں اور شب و روز یہ کہے جا رہے ہیں کہ پاکستان بنا ہی نظریہ پاکستان یعنی اسلام کے نفاذ کے لئے تھا اور نئی پود چونکہ مولانا مودودی مرحوم کی کتاب "سیاسی کشمکش حصہ تین" سے نابلد ہے اس لئے کچھ حلقوں میں انہیں پذیرائی ہوئی ہے اور چونکہ وہ آج بین الاقوامی اور ملکی حالات جن میں انہیں ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں سے فائدہ اٹھا کر ریاستی اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے پلان بنائے ہوئے ہیں اور آہستہ آہستہ مارشل لا کے اندھیرے پردوں میں چوروں کی طرح دبے دبے پاؤں سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ نئی پود کے سامنے ایک بار پھر قائداعظم اور تحریک پاکستان کے متعلق ان کے نظریات اور خیالات پیش کئے جائیں تاکہ ان کے سفید جھوٹ اور خطرناک سازش کا پردہ فاش ہو سکے۔

اس لئے ہم ان مسائل پر روشنی ڈالیں گے اور دیکھیں گے کہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور خصوصاً مولانا مودودی مرحوم جو جماعت اسلامی کے بانی ہیں اور جن کے نظریات آج بھی جماعت کی رہنمائی کرتے ہیں اور جنہیں آج تک جماعت نے رد نہیں کیا اور نہ ہی ان میں ترمیم کی ہے' قائداعظم کے متعلق کیا رویہ تھا؟ تحریک پاکستان کے نظریہ کے متعلق وہ کیا کہتے تھے اور جماعت اسلامی کا اسلام کیا ہے اور وہ اس اسلام کا نفاذ کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟

قائداعظم کی مخالفت

سب سے پہلے ہم تحریک پاکستان کے روح رواں حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق جماعت اسلامی کے رویے اور خیالات کو مشتے از خروارے کے مصداق پیش کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی مولانا مودودی مرحوم نے بنائی تھی اور مولانا مودودی مرحوم کے نظریات جماعت اسلامی کے نظریات ہیں۔ مولانا مودودی نے پاکستان کے قیام سے پہلے اور بعد میں قائداعظم کے ساتھ کبھی تعاون نہیں کیا بلکہ اپنی تحریروں کے ذریعہ قائداعظم کے خلاف برابر زہر افشانی کرتے رہے اور اس طرح تحریک پاکستان کو نقصان پہنچاتے رہے۔ انہوں نے لکھا .... "مگر افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک

ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی اور مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۳۰)

مولانا مودودی مرحوم کی نظر میں قائداعظم نہ تو اسلامی ذہنیت رکھتے تھے اور نہ اسلامی طرز فکر اور نہ ہی مسلمان کے معنی اور مفہوم کو جانتے تھے۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر جماعت اسلامی یہ کیسے کہتی ہے کہ پاکستان بنا ہی نفاذ اسلام کے لئے تھا۔ عجب بات ہے کہ مولانا مودودی مرحوم نے پٹھانکوٹ سے بھاگ کر قائداعظم کے پاکستان میں پناہ لی۔ لیکن پھر بھی بغض کو نہ چھوڑا اور تحریک پاکستان کے خلاف برابر زہر اگلتے رہے۔ جب پاکستان کی ولادت خون آشام قربانیوں اور دردوں کے درمیان ہوئی تو مولانا مودودی رقمطراز ہوئے"...... اگر یہ ولادت کے درد ہی تھے تو یہ دنیا کو ایک درندے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے نہ کہ ایک انسان کے تولد کی...... یہی وہ نتیجہ ہے کہ جس سے بچنے کے لئے پچھلے دردناک واقعات کے اسباب کی بحث کو باتوں میں اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی۔"

(ترجمان القرآن ۱۹۴۸ء۔ صفحہ ۵۹)

گویا کہ پاکستان کی پیدائش ایک درندے کی پیدائش تھی اور قائداعظم اور دوسرے رہنماؤں کا منہ کالا کر دینے والی تھی۔ یہ مولانا طفیل محمد کا دل گردہ ہے کہ ایسی مستند تحریریں ہوتے ہوئے بھی وہ بلا جھجک یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں مولانا مودودی قیام پاکستان سے قبل قائداعظم سے راہ و رسم پیدا کئے ہوئے تھے اور پاکستان بنا ہی نفاذ اسلام کے لئے تھا۔

قرار داد پاکستان کی مخالفت

جماعت اسلامی نے نہ صرف پاکستان کے بانی قائداعظم پر کیچڑ اچھالا بلکہ قرارداد پاکستان کی مخالفت میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان پاس ہو گئی تو مودودی صاحب نے لکھا۔ "کہ جو قوم اس وقت مسلمان کے نام سے پکارے جانے کے باعث دنیا میں اسلام کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے اس کی سب سے بڑی مجلس نے دنیا کے سامنے اسلام کو کس رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس نقطہ نظر سے جب میں مسلم لیگ کے

ریزولیشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۳۰)

جب متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا جا رہا تھا تو مودودی صاحب اس مطالبے کو غیر اسلامی جان کر نہ صرف ماتم کر رہے تھے بلکہ اپنا زور قلم اس بات کو ثابت کرنے پر صرف کر رہے تھے کہ پاکستان میں کافرانہ حکومت قائم ہو جائے گی۔ بلکہ اس سے بھی بد تر۔ لہٰذا پاکستان کی تحریک میں حصہ لینا غلط ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا۔ "جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور سیاسی جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۴۹)

"اور یہ قومی حکومت جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہو گا اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہو گی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ ۱۳۷)

لیکن آج ان خیالات پر دبیز پردے ڈالے جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا۔ اس لئے اس میں اسلام کا نفاذ کرنا ہمارا فرض ہے۔

جمہوریت کی مخالفت

جماعت اسلامی جمہوریت کی حمایت میں بھی زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی ہے اور اپنے آپ کو اس کی سب سے بڑی داعی بنا کر پیش کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ اگر انتخاب ہو جائے تو اسے ووٹ حاصل کرنے ہوں گے۔ لیکن جب عوام کے ووٹوں سے پاکستان بنانے کی تحریک چل رہی تھی تو امیر جماعت اسلامی لکھ رہے تھے۔

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر تعداد میں ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔ میرے نزدیک جو سوال سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے پاکستان میں نظام حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت پر رکھی جائے گی۔ یا مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق عوام کی

حاکمیت پر۔ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً یہ پاکستان ہو گا ورنہ بصورت دیگر یہ ویسا ہی "نا پاکستان" ہو گا جیسا ملک کا وہ حصہ ہو گا جہاں آپ کی سکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے۔ بلکہ خدا کی نگاہ میں اس سے زیادہ ناپاک اور اس سے زیادہ ملعون ہو گا۔ کیونکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے وہ کام کریں گے جو غیر مسلم کرتے ہیں۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۷۴)

مودودی صاحب نے اس بات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ متواتر جمہوریت کو غیر اسلامی ثابت کرتے رہے۔ انہوں نے لکھا۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں' نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے اور نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۰۵)

انہوں نے جمہوریت کے متعلق مزید لکھتے ہوئے فرمایا۔ "جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ویسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہو گا۔ اس طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہے تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسراقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشات نفس سے سند قبولیت حاصل کریں گے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۰۷)

جماعت اسلامی جب تک پاکستان میں اپنے قدم نہیں جما سکی تھی وہ سیکولر جمہوریت کی قائل تھی لیکن آج وہ تحریک بحالی جمہوریت کی مخالفت کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ تحریک بحالی جمہوریت میں ایسی پارٹیاں بھی شامل ہیں جو جماعت اسلامی کی نظر میں سیکولر ہیں۔

حالانکہ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں وہ ولی خاں کی پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ بنائے ہوئے تھی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۴۹-۱۹۴۸ میں جماعت اسلامی نے شہری آزادیوں کے لئے جدوجہد کے لئے کیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے ساتھ سول لبرٹیز یونین کے پلیٹ فارم پر کیونسٹوں کے ساتھ بھی متحدہ محاذ بنایا تھا اور ایک عرصہ تک ان کے ساتھ مل کر کام کرتی رہی۔ لیکن آج وہی کیونسٹ اور سیکولر عناصر قابل گردن زنی ہیں۔ آج جماعت اسلامی اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرنے کے لئے مذہب کی آڑ میں ایسی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے کہ پاکستان کی آبادی کے بڑے حصے کو ان کے شہری حقوق سے ہی محروم کر دیا جائے چنانچہ جماعت اسلامی کے ایک رہنما سید اسعد گیلانی ۶ر فروری ۱۹۸۳ء کے روزنامہ جنگ میں رقمطراز ہیں۔

”جو جماعتیں قرآن و سنت کی تعلیمات کی علمبردار نہ ہوں اور ان تعلیمات کی پیروکار بھی نہ ہوں' غیر اسلامی نظریات و کردار کی حامل ہوں' ان کا وجود اس ملک کے لئے غیر آئینی ہے اور انہیں اسلام کے مطابق از سرنو منظم کرنا قانونی و دستوری ضرورت ہے جسے پورا کئے بغیر کسی جماعت کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق نہ دیا جائے۔ ورنہ ہم دشمن اسلام اور دشمن پاکستان لوگوں کے ہاتھوں میں ملک دینے کے مجرم ہونگے۔“

یہ ایک ایسا فاشٹ نظریہ ہے جو پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔ اس نظریے کے مطابق تمام اقلیتوں کو قلم کی ایک ہی جنبش سے تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی کا اسلام بھی ایک خاص قسم کا ہے اس سے جسے چاہیں وہ خارج کر دیں گے۔ اس طرح پراپیگنڈا اور جھوٹ اور افترا کے ذریعے اس ملک پر قابض ہونے کے لئے وہ میدان ہموار کر رہی ہے۔ حالانکہ وہ قیام پاکستان سے پہلے یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان اسلام کے نفاذ کے لئے نہیں بن رہا۔ اور اس میں سیاسی ڈھانچہ مغربی جمہوریت کی طرز پر ہو گا۔ اس لئے وہ تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے لیکن آج پنجابی کی مثل ”اگ لین آئی تے گھر والی بن بیٹھی“ کے مصداق وہ جو پناہ لینے کے لئے اس ملک میں آئے تھے اس کا مالک بننے کی فکر میں ہیں اور مالک بھی ایسا جو دوسروں کو اس میں رہنے کا حق نہیں دے گا۔

جماعت اسلامی کا اسلام

جماعت اسلامی کی پرزور مخالفت کے باوجود اس انبوہ عظیم نے بے پناہ قربانیاں دے کر ایک ملک حاصل کر لیا۔ جسے جماعت اسلامی جیسے خیالات رکھنے والوں نے دولخت کر دیا۔ اب بچے کھچے پاکستان میں بھی ایسی پالیسیاں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ملک کی سالمیت اور آزادی خطرے میں ہے۔ ۱۹۷۳ء کا آئین اس ملک میں رہنے والی مختلف قوموں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے نہایت سوچ بچار کے بعد بنایا گیا تھا۔ ان قوموں کے حقوق کی بہتر حفاظت کے لئے متفقہ طور پر مزید تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں لیکن جماعت اسلامی اس آئین کی ہیئت یکسر بدل دینا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی کے امیر نے تو جمہوری انتخاب کو زہر سے زیادہ خطرناک ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن منافقت کی حد ہے کہ طلبا اور مزدوروں کی انجمنوں کے انتخابات میں جب ان کی پالتو تنظیم جیت جائے تو اسے اسلام کی فتح قرار دے دیا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی کا دعویٰ ہے کہ ان کے امیر مولانا مودودی مرحوم نے اسلام کی جو تشریح کی ہے وہی صحیح اسلام ہے باقی سب باطل اور کفر ہے لیکن افسوس ہے کہ جماعت اسلامی کا اسلام چونکہ ان کی سیاست کے تابع ہے اس لئے وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جو آج فتویٰ صادر کیا جاتا ہے کل اس کے خلاف اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اگر کل انہوں نے جمہوری انتخاب کو عین اسلامی قرار دیا تھا تو آج اسی انتخاب کو غیر اسلامی قرار دے رہے ہیں۔ پاکستان کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کو ہی لیجئے آج یہ کہا جا رہا ہے کہ عورت مملکت کی سربراہ نہیں بن سکتی بلکہ عورت کسی شعبہ زندگی میں اسلام کی رو سے کام نہیں کر سکتی۔ اس کی جگہ صرف گھر کی چاردیواری ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں "کہ مجلس شوریٰ میں جو ساری مملکت کی قوام ہے عورتوں کی شمولیت کا دروازہ قرآن نے بند کر دیا ہے۔"

(اسلامی دستور کی تدوین صفحہ ٦٨)

اور یہ کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناصب (خواہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اور اطاعت خدا اور رسول کی پابندی کرنے والی ریاست خلاف ورزی کرنے کی سرے سے ہی مجاز نہیں ہے۔

(اسلامی ریاست صفحہ ۲۹۱)

www.bhutto.org

○ ان نظریات سے ظاہر ہے کہ عورت ملک کی صدر نہیں ہو سکتی- مجلس شوریٰ کی ممبر نہیں بن سکتی- اسمبلی میں مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بیٹھ سکتی- وزیر نہیں ہو سکتی وغیرہ لیکن

i- ۱۹۶۴ میں صدارتی انتخاب کے موقعہ پر ایوب خاں کے مقابلہ میں صدارتی امیدوار مس فاطمہ جناح کی جماعت اسلامی نے جمہوریت کی بحالی کے نام پر بھرپور حمایت کی-

ii- ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق عورتیں اسمبلی کی ممبر بن سکتی ہیں- وزیر ہو سکتی ہیں- اسی آئین پر جماعت اسلامی کے ممبروں نے اپنے دستخط ثبت کئے- اور ۱۹۷۷ء میں انتخابات میں اسی آئین کے تحت حصہ لیا-

iii- موجودہ نامزد مجلس شوریٰ میں جس میں اسلامی جنرل نے عورتیں بھی شامل کی ہیں جماعت اسلامی نے اپنے نمائندے نامزد کروائے ہیں-

○ آج جماعت اسلامی پاکستانی عوام کے متعلق اسلام کی رو سے یہ نظریہ بیان کر رہی ہے- وہ ایک قوم ہیں' ایک ملت ہیں- لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد مولانا مودودی صاحب لکھ رہے تھے- "کہ درحقیقت ہم ایک قوم نہیں ہیں- پانچ مختلف قومیں ہیں جو مصنوعی طور پر ایک سیاسی وحدت میں منسلک ہو گئی ہیں یعنی سندھی' بلوچی' پٹھان' پنجابی اور بنگالی- ان میں سے ہر ایک قوم کے اندر علیحدگی کا رجحان شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے-

(ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۰۹)

○ مولانا مودودی کے اسلام کے مطابق پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کی سیاسی پارٹیاں نہیں بنائی جا سکتی تھیں- انہوں نے فتویٰ دیا-

"یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمعیت ہے اس کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر جماعتوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے-"

(پیام حق فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۸۳)

مگر مولانا مودودی صاحب نے خود تین سال بعد ہی اپنی پارٹی بنا لی' جو بات ۱۹۳۸ء میں قرآن اور اسلام اور اسوۂ رسولؐ کے یکسر خلاف تھی ۱۹۴۱ میں وہ عین مطابق اسلام قرار پا گئی-

www.bhutto.org

○ پاکستان کے قیام کے بعد جماعت اسلامی مسلسل یہ فتویٰ صادر کرتی رہی ہے کہ مزدوروں کو ٹریڈ یونین اور کسانوں کو کسان کمیٹیوں میں طبقاتی بنیادوں پر منظم کرنا اسلام کے خلاف ہے کیونکہ یہ ملت اسلامی کے اتحاد کو کمزور کرتا ہے اور بھائی کو بھائی کے خلاف لڑانے کے مترادف ہے لیکن جماعت اسلامی نے جب یہ دیکھا کہ اس پالیسی کی وجہ سے وہ عوام کے بڑے حصہ سے کٹ جائیگی تو انہوں نے فتویٰ بدل دیا اور کسان بورڈ اور نیشنل لیبر فیڈریشن کی تشکیل کی اور اہم صنعتوں میں ٹریڈ یونینز قائم کیں۔ لیکن جہاں بھی جماعت اسلامی نے ٹریڈ یونین قائم کی اس قدر فساد اور تشدد کا بازار گرم کیا اور دھاندلی کی کہ آخر ٹریڈ یونین ہی ختم کروا دی۔ جیسا کہ پی آئی اے میں ہوا۔ یہ جماعت اسلامی کی پروردہ پیاسی یونین کا ہی کارنامہ ہے کہ آج پی آئی اے میں یونین بنانا غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ پی آئی اے میں تو ان کے ایک جنونی ممبر نے ایک سفیر کو عمداً گاڑی کے نیچے روند ڈالا۔

○ آج جماعت اسلامی افغانستان کے پناہ گزینوں کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ انہیں کفر کی طاقتوں نے اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے اور ان کی مدد کرنا عین اسلامی ہے۔ لیکن جب لاکھوں مہاجرین مشرقی پنجاب سے لٹ لٹا کر ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ کے طالب ہوئے جن میں خود مودودی صاحب شامل تھے تو مولانا نے فتویٰ دیا کہ ...... وہ بھگوڑے اور بزدل ہیں اور انہوں نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا (مطالبہ پاکستان) قومیت کی جنگ لڑی تھی۔ جب سزا بھگتنے کی باری آئی تو مشکلات سے بھاگ کر فرار کی راہ اختیار کی۔

(نوائے وقت ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء)

○ آج جماعت اسلامی افغانستان کے مہاجرین کو سوویٹ یونین کے خلاف جہاد کرنے کے لئے منظم کر رہی ہے۔ ان کے جلسے کروا رہی ہے۔ ان کے اشتہار تقسیم کرتی ہے۔ فوجی ٹریننگ میں مدد دیتی ہے لیکن مئی ۱۹۴۸ء میں مولانا مودودی نے پشاور کے ایک اجتماع میں فرمایا جہاد کشمیر میں حصہ لینا جائز نہیں جب تک دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدانہ تعلقات ہیں اور پھر یہ لکھا کہ اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم صرف اس صورت میں مدد کو جا سکتے ہیں جبکہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہمارے (قومی حیثیت) سے معاہدانہ تعلقات نہ ہوں لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو ہم ان کی حمایت

www.bhutto.org

میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کاروائی نہیں کر سکتے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۲)

آج سوویٹ یونین کے ساتھ پاکستان حکومت کا معاہدہ موجود ہے بلکہ پاکستان سوویٹ یونین سے کراچی میں فولاد کا کارخانہ بنانے کے لئے مدد لے رہا ہے لیکن جماعت اسلامی سوویٹ یونین کے خلاف اسلامی مجاہدین سے جہاد کروا رہی ہے اس کے برعکس اسرائیل کے ساتھ پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا اور وہ قبلہ اول پر غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہے لیکن ملت اسلامیہ کی نام نہاد نمائندہ جماعت اسلامی اسرائیل کے خلاف جہاد کا فتویٰ نہیں دیتی اور اپنے ایک ممبر کو بھی جہاد کے لئے نہیں بھیجتی۔

دراصل جماعت اسلامی کا اسلام جماعت کی خود غرضیوں اور موقع پرستیوں کا مرقع ہے بلکہ جماعت اسلامی کا اسلام جماعت کے مفادات کے تقاضوں کے تابع ہے وہ ہمیشہ مارشل لا کے ذریعے اپنی طاقت کو بڑھانے اور اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ جماعت کے امیر میاں محمد طفیل نے ۸ دسمبر ۱۹۶۹ کو کارکنوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے جنرل یحییٰ خاں کے متعلق فرمایا۔

"مجھے قوی امید ہے کہ اسلامی نظام حکومت کا جو سلسلہ حضرت علیؓ کی شہادت سے منقطع ہوا تھا اس کی بحالی کا آغاز انشاء اللہ حضرت علیؓ کے عاشقوں میں سے ایک شخص کے ہاتھوں پاکستان کی سرزمین سے ہو گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یحییٰ خاں صاحب کو عزم و ہمت اور اسی اخلاص کے ساتھ پاکستان میں اسلامی جمہوری نظام بحال کرنے کی توفیق فرمائے جس کا انہوں نے بار بار اپنی تقریروں میں ذکر فرمایا ہے۔ آمین۔"

(ایشیا ۱۴ دسمبر ۱۹۶۹ء)

امیر جماعت اسلامی نے تو یحییٰ خان کو اسلام کا داعی ہونے کی سند عطا فرمائی لیکن عدالت عالیہ پاکستان نے یحییٰ خان کو غدار اور اوباش قرار دے دیا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کالعدم جماعت اسلامی نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی وجہ لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "اخبار وطن" (۱۹ مئی ۱۹۷۴) میں یوں بیان کی گئی ہے۔ یحییٰ خان نے انتخابات کے لئے چار کروڑ روپیہ کا خفیہ فنڈ قائم کیا تھا۔ جسے مختلف سیاسی جماعتوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں سے ۶۵ لاکھ روپیہ جماعت اسلامی کو دیا گیا۔" آج تک اس خبر کی تردید نہیں کی گئی۔ اگر روپے کی موجودہ قیمت کو پیمانہ بنایا جائے۔ تو یہ رقم پونے دس کروڑ کے قریب بنتی ہے۔

جماعت اسلامی اور اخلاق

جماعت اسلامی کے رہنما مولانا مودودی نے اسلامی اخلاق کا بھی جنازہ نکال دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کو سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ انہیں بلا نکاح اور بلا حد تعداد اپنے استعمال میں لائیں گے۔ اس کے بعد جب جی چاہے دوسروں کی طرف منتقل کر دیں گے۔ حتیٰ کہ انہیں فروخت بھی کر سکیں گے۔" (اس کی پوری تفصیل تفہیمات حصہ دوم اگست ۱۹۵۱ ایڈیشن صفحات ۲۲۴۔ ۲۹۰ میں کی گئی ہے۔)

گویا کہ جماعت اسلامی کے نظریہ سازوں کے مطابق عورتیں محض بازاری جنس ہیں اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے اور ان کے ساتھ نکاح کے بغیر مباشرت عین اسلام کے مطابق ہے۔ پاک ہند جنگوں کے دوران جو مسلمان عورتیں ہندوستانی فوج کے قبضے میں آئیں ہندوستانی فوج کے سپاہی جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی کے بتائے ہوئے اسلام کے مطابق ان کے ساتھ بلا نکاح مباشرت کر سکتے تھے اور انہیں بازار میں کسی جنس کی طرح بیچ بھی سکتے تھے۔

مولانا مودودی صاحب اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۷۱ (طبع اول) پر لکھتے ہیں کہ نابالغ لڑکیوں سے نہ صرف نکاح جائز ہے بلکہ شوہر کا ان کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے کمسن لڑکیوں کے ساتھ جنسی اختلاط کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "کفار کی لڑکیاں جو کمسنی میں ہی وفات پا گئی ہوں گی انہیں جنت میں حوریں بنایا جائے گا۔

(ایشیا ۱۴ جون ۱۹۶۹ء)

تفہیم القرآن جلد پنجم طبع اول صفحہ ۲۷۱ پر یہ اضافہ کیا ہے۔ "اہل جنت کی بیویاں ان کے ساتھ قصروں و محلات میں رہیں گی اور ان کی سیر گاہوں میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوں گے جن میں حوریں ان کے لئے لطف و لذت کا سامان فراہم کریں گی۔" یعنی جنتی مومنین کی بیویاں تو گھروں پر رہیں گی لیکن جب وہ پکنک منانا چاہیں گے تو یہ حوریں (یعنی کفار کی کمسن بچیاں جنہیں نوخیز لڑکیاں بنا دیا جائے گا) ان کے خیموں میں لطف و لذت کا سامان بہم پہنچائیں گی۔

www.bhutto.org

(اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش۔ ادارہ علوم اسلام)
جماعت اسلامی کے پہلے امیر مولانا مودودی نے تو ایک ایسی بات بھی کہہ دی ہے جس سے اسلام کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ ہے کہ قرآن جو اس وقت دنیا میں موجود ہے حرفاً حرفاً وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور رسولؐ اللہ نے اسے امت کو دیا۔ اگر اس ایمان میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے قرآن مجید کو ایک مسلسل کتاب کی صورت میں مرتب نہیں فرمایا تھا اسے بعد میں مرتب کیا گیا۔ قرآن مجید درحقیقت سات زبانوں میں نازل ہوا تھا اور رسولؐ اللہ نے بھی قرآن کریم کو ان سات زبانوں ہی میں پیش کیا اور امت کو سکھایا تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان میں سے صرف ایک زبان والے قرآن کو باقی رکھا اور بقایا چھ زبانوں والے نسخوں کو جلا دیا تاکہ امت میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ حالانکہ منسوخ کرنے کا حکم نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور نہ ہی رسولؐ اکرم کی زبان مبارک سے سنا گیا۔" (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۵ صفحہ ۳۹۔ نومبر ۱۹۷۵ صفحہ ۴۳)

حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور اس کے سابق امیر نہ صرف پاکستان کے قیام سے پہلے بلکہ بعد میں بھی قائد اعظم کو معتوب کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ اسلام کو اپنی سیاسی ضروریات کے مطابق پیش کرتے رہے ہیں۔ نظریہ پاکستان بھی مختلف ادوار میں ان کی نظروں میں مختلف رہا ہے۔ وہ اپنی تحریروں اور فتووں سے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف رہے حتیٰ کہ نوائے وقت جیسا رجعت پسند اخبار بھی ان کے متعلق لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

"ہم ان لوگوں کے حامی نہیں جو محض اپنی لیڈری کو چمکانے کے لئے شریعت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں۔ ان میں سے ایک گروہ ایسے افراد کا ہے جو مختلف وجوہ سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی رائے یہی ہے کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین رکھ کر غلطی کی۔

مگر چونکہ عامتہ المسلمین پاکستان کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہیں اور یوں بھی پرانی پالیسی اب خالی از خطر نہیں اس لئے یہ بزرگ نئے بھیس بدل کر مسلمانوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ بقول کسے جن لوگوں کے نزدیک کل تک ایک مسلمان حکومت کے

www.bhutto.org

قیام کا مطالبہ غلط تھا۔ آج وہ اسلامی حکومت کے داعی اور علمبردار ہیں مگر مسلمانوں اور اسلام کی خدمت نہ پہلے ان کا مقصد تھا نہ اب ہے۔ ان بزرگوں نے نہ پہلے کبھی مسلمانوں کی جدوجہد میں حصہ لیا اور نہ آج کوئی حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی حیثیت پہلے بھی نکتہ چین تماشائیوں یا دشمن کے خیمہ برداروں کی تھی اور آج بھی وہ دورازکار موشگافیوں میں مشغول ہیں اور مین میخ نکالنے کو ہی قوم کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتے ہیں۔

(نوائے وقت لاہور ۴ جولائی ۱۹۴۸)

"نوائے وقت" نے جماعت اسلامی کو بے نقاب کرنے کے لئے مزید لکھا۔ "جو لوگ اس مطالبے (اسلامی حکومت) کی آڑ لے کر اور اسلام کا بہانہ بنا کر ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ ملک سے غداری کر رہے ہیں اور ان سے وہی سلوک ہونا چاہئے جو دنیا کے دوسرے ملکوں میں غداروں سے ہوتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمانؓ اسلام کے نام پر ہی شہید کئے گئے۔ حضرت علیؓ کو جام شہادت پلانے والے بھی اسلام کے نام پر ہی میدان میں اترے تھے اور خارجیوں کا نعرہ بھی اسلام ہی تھا۔"

(نوائے وقت لاہور۔ اکتوبر ۱۹۴۸)

حقائق کی روشنی میں یہ ہیں وہ خیالات اور نظریات اور اسلام جس کا ڈھنڈورا جماعت اسلامی پیٹتی ہے اور دوسروں کو کافر، ملحد اور غدار بتاتی ہے اور پاکستان کے اندر ان کے شہری حقوق چھیننے کے درپے ہے۔ اپنے کفر اور الحاد اور غداری کو چھپانے کے لئے اس نے رنگا رنگ کے لبادے پہن رکھے ہیں۔ وہ اس قدر ملعون ہے کہ نوائے وقت جیسا اخبار بھی اس جماعت کے کردار کے متعلق چپ نہیں رہ سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور نظریہ پاکستان کو اپنے سیاسی مفادات کے لئے استعمال کرتی ہے اور اپنے فتوؤں اور نظریات کو جنہیں وہ اسلام کے نام پر پیش کرتی ہے حالات بدلنے پر ضرورت کے مطابق بلا جھجک اور شرم تبدیل کر لیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ جھوٹ، فریب، موقعہ پرستی، تشدد کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے پر تول رہی ہے۔

جماعت اسلامی اپنے ممبران اور متفقین کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتی۔ جماعت کے بانی مولانا مودودی نے اعلان کیا تھا کہ جس علاقے میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو بزرگ اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں۔ وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار

کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

(رسالہ مرتد کی سزا صفحہ ۷۵)

گویا کہ ان کی حکومت میں یہ فیصلہ مودودی کے پیروکار ہی کریں گے کہ کس مسلمان کا قدم دائرہ اسلام کے اندر ہے اور کس کا باہر۔ ان کی نظر میں تو صوفیائے کرام ' مزاروں پر حاضری دینے والے' پیروں کو ماننے والے' شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے حتیٰ کہ وہ تمام مسلمان جو مودودی مسلک کو نہیں مانتے ہیں واجب القتل ہیں۔

جماعت اسلامی کے مسلک کے مطابق تو عوام کی بہتری کے لئے صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینا بڑی بڑی جاگیروں کو مزارعین میں تقسیم کرنا بھی اسلام کے خلاف ہے مولانا مودودی کے مطابق تو جو شخص موٹر لے کر آیا ہے وہ موٹر پر سوار رہے اور جو لوگ بغیر سواری کے ہیں وہ پیدل ہی چلتے رہیں گے۔ اور اگر وہ اس اونچ نیچ کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کریں گے تو وہ غیر اسلامی ہو گی۔ جس طرح جرمنی میں نازی پارٹی بڑے بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی آلہ کار بن کر ان کے روپے پیسے سے برسر اقتدار آ گئی تھی اور اس نے نہ صرف جرمن قوم بلکہ دنیا کی کئی دوسری قوموں کو تباہی سے دوچار کیا۔ جماعت اسلامی کے عزائم کا نتیجہ بھی یہی ہو گا۔ مشرقی پاکستان میں الشمس اور البدر یہ کھیل کھیل چکی ہیں۔ اب موجودہ پاکستان میں بھی یہی حالات پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

منصورہ پلان کے مطابق سب سے پہلے پاکستان کی نئی پود کے ذہنوں کی جنگ جیتنا ضروری تھا۔ چنانچہ پاکستان کے قیام سے پہلے اور قیام کے بعد جماعت اسلامی کے ان نظریات کو جو قائداعظم' تحریک پاکستان اور دوسرے مسائل کے متعلق مذہبی نقطہ نظر سے نشر کئے گئے تھے اور جو ذہنوں کے جنگ جیتنے کے راستے میں حائل تھے' نئے پراپیگنڈا کے دبیز پردوں کے نیچے دبانے کی کوشش کی جانے لگی۔ اس لئے ضروری تھا کہ جماعت کے ان نظریات کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ جنہیں بنیادی نظریات کہا جاتا رہا ہے۔ مذہبی نظریات بتایا جاتا رہا ہے۔ مذہبی نظریات میں تو ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے مقصود یہ تھا کہ عوام کو پتہ چلے کہ جماعت مذہب کو اپنی سیاست کی کامیابی کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اور بدلتی ہوئی سماج کے ساتھ ساتھ اپنے مذہبی نقطہ نظر کو بدلتی ہے۔ لیکن اس کے

www.bhutto.org

باوجود اپنے مخالفین کو مذہبی فتویٰ دے کر مطعون کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

جماعت اسلامی اور مارشل لا:

چنانچہ آج جماعت اسلامی نظریہ پاکستان کی سب سے بڑی داعی بنی ہوئی ہے۔ اور یہ نعرہ لگا رہی ہے۔ کہ پاکستان بنا ہی اسلام کے نفاذ کے لئے تھا۔ منصورہ پلان کے مطابق جماعت اسلامی اپنے پرانے نظریات کو چھپانے کے لئے ہمہ گیر مہم چلا رہی ہے اور اقتدار کے حصول کے لئے اسلام کا نقاب اوڑھے ہوئے ہے اور اسلام کو اقتدار کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے محض ایک سیڑھی کی طرح استعمال کر رہی ہے۔ اس کے پاس اس پراپیگنڈا کے لئے وسیع وسائل موجود ہیں مارشل لا حکومت کی طرف جماعت اسلامی کو ان وسائل کے استعمال کے لئے کھلی چھٹی ہے حالانکہ ایم۔ آر۔ ڈی کو بند کمروں میں بھی میٹنگیں کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جماعت اسلامی اندرونی اور بیرونی ذرائع سے حاصل کئے گئے ان وسائل کو اپنے حریفوں کو ختم کرنے کے لئے اور اپنی نظریاتی حکمت عملی کو آگے بڑھانے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے نہایت ہی جارحانہ انداز سے استعمال کر رہی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ ان ہتھکنڈوں سے اقتدار پر قابض ہونے ہی والی ہے۔

مارشل لا کے دور میں جماعت اسلامی کی سیاسی حکمت عملی شروع شروع میں مکمل طور پر مارشل لا کی حمایت کرنا تھا۔ اسے اپنے عزائم حاصل کرنے اور مزید پھلنے پھولنے کیلئے مارشل لا کی چھتری کی ضرورت تھی۔ ضیاء الحق کو بھی ضرورت تھی کہ کوئی منظم پارٹی اس کے وجود کے لئے نظریاتی بنیادیں فراہم کرے اور پیپلز پارٹی اور اس کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو کو نیست و نابود کرنے کے لئے حالات پیدا کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائے اور آئین میں ایسی تبدیلیاں کرنے میں مدد دے جن سے پیپلز پارٹی کے پھر سے اقتدار میں آنے کے تمام راستے بند کر دیے جائیں۔ چنانچہ ۹ فروری ۱۹۷۸ کو میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی کی زیر صدارت جماعت کی شوریٰ کے ایک اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے انتخابات سے پہلے احتساب کے عمل کو پاکستان کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دیا۔ اور کہا کہ گذشتہ تیس سالوں میں پاکستان جن ہولناک بحرانوں سے دوچار ہوا ہے اس کی بہت بڑی وجہ ان طبقات کا احتساب نہ ہونا ہے جو مختلف اوقات میں پاکستان کی حکومت پر قابض رہے اور جنہوں نے عوام اور خواص کو اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کے حقوق نہایت بے رحمی سے پامال کئے۔ اور اپنے سیاہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کے لئے پریس اور حزب اختلاف پر بے جا

www.bhutto.org

پابندیاں عائد کیں۔ قرارداد میں مزید کہا گیا کہ بھٹو اور ان کی جماعت نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ کر دیدہ دلیری سے ہر قسم کی بدعنوانی کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے حکومت کے پورے نظام کو بد دیانت بنا کر رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں معاشرے میں ہر قسم کی بدعنوانی' بد دیانتی ' رشوت ' چور بازاری اور فریب کاری کا زہر سرطان کی طرح پھیلتا گیا .... پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ موجودہ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد محاسبے کے عمل کو روبہ عمل لانے کا اعلان کیا تھا جس سے توقع پیدا ہوئی کہ تطہیر و احتساب کا عمل پاکستان کی سیاست کو غلاظت سے پاک کر دے گا اور آئندہ کسی طالع آزما حکمران کو عوام کی جان و مال عزت و آبرو اور ملک کے خزانہ سے کھیلنے کی جرات نہ ہو سکے گی۔"

(امروز۔ ۱۰ جنوری ۱۹۷۸)

چنانچہ جمہوریت اور اسلام کا نعرہ لگانے والی اس جماعت نے ایک آمر مطلق سے اپنے سیاسی عزائم کے حصول کے لئے ناپاک اور عوام دشمن گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور سیاسی اور سماجی زندگی میں تطہیر اور غلاظتوں کو صاف کرنے کے نام پر ضیا الحق کی پہلی کابینہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ لیکن جلد ہی اس کابینہ کے ایک وزیر کے خلاف کار اسکینڈل میں ایک کروڑ رشوت لینے کا الزام اخبارات میں آنے لگا۔ اور ایک گورنر کے بھائی کے خلاف واپڈا کے کروڑوں روپے کے غبن کرنے کے متعلق چرچا ہونے لگا۔

جماعت اسلامی نے اس گٹھ جوڑ کو استعمال کرتے ہوئے ۱۹۷۳ کے آئین پر پہلا وار کیا اور مخلوط انتخاب کی بجائے جداگانہ طرز انتخاب کی ترمیم کروا ڈالی۔ مگر پراپیگنڈا یہ کیا گیا کہ مخلوط طرز انتخاب اسلام کے خلاف ہے لیکن درحقیقت یہ ترمیم محض پیپلز پارٹی کو غریب عیسائی عوام اور احمدیوں کے ووٹوں سے محروم کرنے کے لئے کروائی گئی تھی پھر سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن کا قانون بنایا گیا۔ جس کا منشا پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کی دوسری پارٹیوں کو سیاسی میدان سے ہٹانا تھا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو جن کی ہر دلعزیزی عوام کے کچھ حصوں میں برسراقتدار رہنے کے دوران مجروح ہوئی تھی' جیل میں بند ہونے کی وجہ سے دن بدن بڑھنے لگی۔ اور مقید بھٹو آزاد بھٹو سے بھی زیادہ طاقتور نظر آنے لگا۔ چنانچہ اس ملی بھگت سے بھٹو کو بھی سیاسی افق سے ہٹا دیا گیا۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ارشد ملزم کے لواحقین کو مولانا طفیل محمد امیر جماعت اسلامی نے یقین دلایا تھا۔ کہ اگر وہ عدالت میں اقبال جرم کر لے تو اسے پھانسی سے بچا لیا جائے گا۔

منصورہ پلان کے مطابق نوجوانوں کے ذہنوں کو جیتنے کے لئے ضروری تھا کہ کالجوں اور

www.bhutto.org

یونیورسٹیوں سے تمام ترقی پسند' روشن خیال اساتذہ کو یا تو ملازمت سے نکال دیا جائے یا انہیں بڑے تعلیمی مراکز سے دور دراز علاقوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ روشن خیال اساتذہ کے خلاف ایک زبردست پراپیگنڈا کی مہم چلائی گئی۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ روشن خیال اساتذہ نظریہ پاکستان کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ دہریت کا پرچار کر رہے ہیں۔ سوشلزم پھیلا رہے ہیں اور پاکستان کی ریاست جو وجود میں محض اس لئے آئی تھی کہ یہاں اسلام کا نفاذ کیا جائے' کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔ چنانچہ غیر قانونی حکومت کو نظریاتی بنیادیں مہیا کرنے کے عوض میں حکمرانوں نے جماعت اسلامی کی راہ صاف کرنے کے لئے روشن خیال ترقی پسند اساتذہ کو چھوٹے چھوٹے بہانوں کے ذریعے ملازمتوں سے نکالنا شروع کر دیا یا ایسی دور دراز جگہوں پر ان کے تبادلے کر دیئے کہ وہ تنگ آکر خود ہی ملازمت چھوڑ دیں۔

نظریات اور خیالات کے میدان میں کچھ کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد ریاستی اقتدار تک پہنچنے کے لئے جماعت کے لئے ضروری تھا کہ نازی پارٹی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے شاک بریگیڈ تیار کرے۔ اس کام کے لئے تین شعبے چنے گئے۔

اول۔ طلبا۔ دوم مزدور۔ سوم افغان مہاجرین۔

منصورہ پلان کے مطابق ملک بھر کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ذریعے مکمل کنٹرول حاصل کرنا ہے۔ چونکہ نوجوان پس ماندہ ممالک کی سیاسی تحریکوں میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اس لئے درسگاہوں کی طرف خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ اور لاکھوں روپیہ طلبا میں کام کرنے والے نوجوانوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ انہیں ہتھیار مہیا کئے جاتے ہیں اور ان کی ہلڑ بازیوں اور غنڈہ گردی اور قتل و غارت کے متعلق یہ پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ یونیورسٹیوں میں امن قائم کرنے کے لئے ہے۔ جماعت اسلامی روپے پیسے کے علاوہ ان کاروائیوں کی وجہ سے قائم ہونے والے مقدمات کی پیروی کرتی ہے اور حکومت پر اثر انداز ہو کر مقدمات واپس کرواتی ہے۔

طلبا میں تنظیمی طریق کار یہ ہے۔ کہ مرکزی رہنما تو اسلام سے شغف رکھنے والے کارکن تیار کئے جاتے ہیں اور وہ عموماً جماعت کے تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ انہیں یونیورسٹیوں میں داخل کروا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے عزائم کی تکمیل کے لئے کام کر سکیں۔ لیکن ان کے نیچے جو نوجوان بھی مار دھاڑ اور مخالفین کے خلاف جارحانہ کاروائیاں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انہیں عہدیدار بنایا جاتا ہے تاکہ ان کی قتل و غارت کو اسلامی جمعیت طلبا کا کور

دیا جا سکے۔ حافظ سلیمان جیسا بدنام زمانہ شخص جو کئی معصوم نوجوانوں کے قتل کے مقدمات میں ملوث رہا ہے اور ایک سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس کا لڑکا ہے کو اسلامی جمعیت طلبہ میں باقاعدہ عہدے دیئے جاتے ہیں۔ مارشل لا کے دوران بلکہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں بھی پولیس اور نوکر شاہی کی انہیں مکمل حمائت حاصل رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ایجنسیوں میں امریکی سامراج کے ایجنٹ انہیں حفاظت دیئے ہوئے ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبا محض اسلحہ اور غنڈہ گردی کے بل بوتے پر جسے پولیس اور مارشل لا کی حمائت حاصل ہے۔ یونیورسٹی کیمپوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ خاص طور پر پنجاب یونیورسٹی کیمپس ان کی آماجگاہ ہے۔ نیو کیمپس جماعت اسلامی کے ہیڈکوارٹر کے قریب ہے اس ہیڈ کوارٹر میں ہر وقت وافر اسلحہ جمع رہتا ہے۔ اور بوقت ضرورت جماعت اسلامی کی ٹرانسپورٹ کے ذریعے مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

پچھلے چند سالوں میں درسگاہوں میں امن قائم کرنے' اخلاق بلند کرنے اور تعلیم اور اسلام پھیلانے کے نام پر اسلامی جمعیت طلبا نے کئی طلبہ کو شہید کیا کیونکہ وہ محب وطن اور سامراج دشمن تھے۔

۱۔ برکات احمد طالب علم بی۔ اے اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور۔ ۲۹ اپریل ۷۲ء کو پنجاب یونیورسٹی کے الیکشن کے موقعہ پر اسلامی جمعیت طلبا کے غنڈوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ متوفی چھ بہنوں کا اکیلا بھائی تھا۔ اس کی ماں بیوہ تھی۔

۲۔ حنیف برکت طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا۔ ۱۹۶۵ میں جمعیت کے غنڈوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ قاتلوں میں من جملہ دیگر لوگوں کے حافظ سلیمان بھی شامل تھا۔

۳۔ امین اللہ ایف سی کالج کا بی۔ اے کا طالب علم ۱۹۷۷ میں کالج یونین کے انتخابات کے دوران جمعیت کے غنڈوں نے شہید کیا۔ اس کے قاتلوں میں بھی حافظ سلیمان کا نام شامل ہے۔

۴۔ محمد اختر پنجاب یونیورسٹی میں جیالوجی کا طالب علم تھا اور نہایت ہی غریب والدین کا بیٹا تھا۔ ۱۹۸۱ میں جمعیت کے غنڈوں نے اسے شہید کیا۔ ان میں سے دو کو سزائے قید ہوئی۔

۵۔ انس چودھری۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کا طالب علم ۱۹۸۱ میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے انتخابات کے دوران جماعتی غنڈوں نے اسے گولی کا نشانہ بنا کر شہید کیا۔

www.bhutto.org

۶- نذیر الحق کراچی یونیورسٹی کا طالب علم جولائی ۱۹۸۲ کو طالب علم تنظیم یونائیٹڈ فرنٹ کے سٹال پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ جمعیت کے غنڈوں کی اندھا دھند فائرنگ کے دوران زخمی ہو کر شہید ہوا۔

۷- شوکت چیمہ اور

۸- دانش غنی کو دسمبر ۱۹۸۱ میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کے تربیت یافتہ غنڈوں نے شہید کیا۔

عموماً یہ قاتل مقدمات سے صاف بچ جاتے ہیں۔ وہ گواہوں کو دھمکیاں دیکر بٹھا دیتے ہیں۔ پولیس کی تفتیش جان بوجھ کر ناقص کی جاتی ہے۔ اور مقدمات کمزور رہ جاتے ہیں۔ عموماً کمزور مقدمات کو مارشل لا کے دوران فوجی عدالتوں میں بھیجا جاتا ہے لیکن جمعیت کے ایسے قاتلوں کا آج تک کوئی مقدمہ مارشل لا عدالت میں نہیں بھیجا گیا۔

نذیر الحق کے قتل کو تقریباً دس ماہ گذر چکے ہیں لیکن اس کے قاتلوں کو نہ تو فوجی عدالت کے سپرد کیا گیا ہے اور نہ ہی سیشن عدالت میں ابھی تک مقدمہ چلا ہے۔ اس کی تفتیش میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تاخیر کی جا رہی ہے اور اب اسلامی جمعیت طلبہ کراچی نے قاتلوں کی رہائی کے لئے تحریک چلانی شروع کر دی ہے اور یہ تحریک تقریباً ایک ماہ سے چل رہی ہے۔ کراچی کی شاہراہوں پر رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ بسیں روک کر ٹائروں کی ہوا نکالی جاتی ہے۔ ٹریفک بند کر دی جاتی ہے۔ مزاحمت کرنے والوں پر فائرنگ کی جاتی ہے۔ کراچی میں آخری کرکٹ ٹیسٹ کے موقعہ پر اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوان یونیورسٹی کی بسوں پر قبضہ کر کے گراؤنڈ پر پہنچے اور انہوں نے کپتان عمران خان کو زدوکوب کرنے کی کوشش کی۔ اور حاضرین پر حملے کئے۔ پولیس کو آنسو گیس چھوڑنی پڑی۔ گراؤنڈ میں پٹاخے چلائے گئے اور آخر کرکٹ کا میچ ختم ہو گیا۔ چند لوگوں کو معمولی جرائم میں گرفتار کیا گیا لیکن بعد میں ان کی ضمانت پر رہائی کر دی گئی۔ اس ایجی ٹیشن کے نتیجے میں اسلامی جمعیت طلبا کے رہنما کے نام کو پرچہ سے خارج کر دیا گیا ہے اور اب دوبارہ پرچہ درج کیا گیا ہے۔

اس سے پہلے لاہور کے اخبارات جنگ اور نوائے وقت کے دفاتر پر ایک خبر کی وجہ سے جو حسب معمول چھپی تھی اور جس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں تھی ریوالوروں سے مسلح ہو کر جمعیت کے کارکنوں نے دفتروں کو تہس نہس کر دیا اور گولیاں چلائیں اسلامی جمعیت طلبہ کے کچھ نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا لیکن چند روز بعد مقدمات واپس لے لئے گے۔ اور

www.bhutto.org

اخبارات کے مالکان کو معافی مانگنے پر مجبور کر دیا گیا۔

ان تمام واقعات کے متعلق ایک بھی مقدمہ فوجی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی کسی مارشل لا ضابطے کی خلاف ورزی کا مقدمہ درج کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ارباب اختیار کی نظروں میں یہ واقعات مارشل لا کی خلاف ورزیاں نہیں سمجھے جاتے بلکہ مارشل لا کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مارشل لا کی چھتری اور حفاظت میں کئے جاتے ہیں اور جماعت اسلامی جمہوریت پسندوں کے خلاف مارشل لا کے سویلین شاک بریگیڈ کے طور پر امن عامہ قائم کرنے کی ابتدائی کاروائیاں کر رہی ہے۔

لیکن اس کے برعکس راولپنڈی میں پولی ٹیکنیک کالج کے ۳۳ طلبا کو معمولی مظاہرے کی بنا پر تین تین سال قید کی سزا دی گئی ہے اور تین پروفیسروں کو بھی محض ایک اشتہار تقسیم کرنے کی پاداش میں فوجی عدالت نے سزائیں دی ہیں اور جیل میں انہیں اخلاقی مجرموں کی طرح بیڑیاں پہنا کر رکھا گیا ہے۔

جماعت اسلامی کے ابتدائی مذہبی نظریات کے مطابق مسلمانوں میں کسی قسم کی پارٹی بنانی ان کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے مترادف تھا اور ٹریڈیونین بنانی تو بھائی کو بھائی کے خلاف لڑانے کی سازش سمجھی جاتی تھی لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا جماعت اسلامی نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت اس مذہبی نظریے میں تبدیلی کر دی۔ اور پاکستان کے محنت کشوں کی تنظیم سازی شروع کر دی لیکن کبھی بھی اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ صرف پی ۔ آئی۔ اے کے سفید پوش ملازمین میں اس کی یونین کامیاب ہوئی لیکن وہاں اس یونین نے وہ گل کھلائے کہ آخر یونین سازی ہی غیر قانونی قرار دے دی گئی۔ لیکن مارشل لا کے زمانے میں جماعت اسلامی نے حکومت کی مدد سے اس میدان میں بھی کچھ کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ منصورہ پلان کے مطابق ٹرانسپورٹ' سٹیل مل ' شپ یارڈ' بڑی میونسپل کارپوریشنز اور واپڈا وغیرہ میں ٹریڈ یونینوں پر روپے پیسے' دھاندلی' دھونس' نوکر شاہی اور حکومت کی مدد سے قبضہ کرنے کے منصوبہ پر عمل کیا جا رہا ہے۔ کراچی کارپوریشن اور سٹیل ملز میں ناجائز ہتھکنڈوں اور حکام کی مدد سے اس کی یونینوں نے وقتی طور پر الیکشن جیت لیا۔ اور پھر ریلوے اوپن لائن پر لاکھوں روپیہ کے خرچ ' دھاندلی اور افسروں کی مدد اور این۔ آر۔ سی کی غیر قانونی امداد سے اس نے انتخاب میں کامیابی حاصل کر لی جس کے متعلق وزیر محنت غلام دستگیر نے برملا کہا .... کہ ریلوے میں ...... حالیہ ریفرنڈم میں ایسے ہی کامیابی نہیں ہو گی اس میں ہم نے بھی بہت کچھ کیا ہے جس سے بائیں بازو کو شکست کا

www.bhutto.org

سامنا کرنا پڑا ہے" ...... تاہم انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ ریلوے کے ریفرنڈم میں حکومت نے کیا کردار ادا کیا۔

(روزنامہ امروز ۵ اکتوبر ۱۹۸۴)

بس، ٹرک، ٹیکسی اور رکشہ مالکان پر جماعت اسلامی کا اثر و رسوخ پہلے سے موجود ہے۔ اب اہم شعبوں کے مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں میں بھی حکومت کی امداد سے اپنا اثر بڑھا رہی ہے تاکہ وقت آنے پر وہ ان شعبوں کو اچھی طرح اپنے مفادات کے لئے استعمال کر سکے۔

افغان مہاجرین:

انقلاب ثور کو امریکی مداخلت اور اندرونی رجعت پسندوں کی یلغار سے بچانے کیلئے سوویٹ فوجوں کا افغانستان میں داخلہ اور پاکستان میں مہاجرین کی آمد نے جماعت اسلامی کے ہاتھ ایک نیا ہتھیار دے دیا ہے وہ حکومتی اداروں کے ساتھ مل کر افغان مہاجرین کے کیمپوں میں بین الاقوامی سامراجی طاقتوں اور خلیج کی ریاستوں کی امداد اور پاکستان کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے اکٹھے کئے ہوئے فنڈ کی تقسیم کے بہانے سے بے روک ٹوک کام کر رہی ہے۔ ان مہاجرین کے کیمپوں سے مجاہدین بھرتی کئے جاتے ہیں انہیں فوجی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ منصورہ میں بھی اس ٹریننگ کا بندوبست ہے۔ گلبدین حکمت یار کی پارٹی حزب اسلامی جماعت اسلامی کے ساتھ گہرے روابط قائم کئے ہوئے ہے۔ یوں تو شب و روز یہ پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ انسانی ہمدردی کی بنا پر افغان مہاجرین کو پناہ دی گئی ہے لیکن حکمت یار جیسے سیاسی رہنماؤں اور مجاہدین کو پاکستان میں نہ صرف نقل و حرکت کی کھلی آزادی ہے بلکہ وہ جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے جلسوں سے خطاب کرتے ہیں اخبارات کے ذریعے سوویٹ یونین کے خلاف جہاد کا پرچار کرتے ہیں اور پاکستانی عوام کو اس جہاد میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی نے بھی سامراجی طاقتوں کی امداد سے لڑی جانے والی اس لڑائی کو جہاد قرار دیا ہے۔ افغان مہاجرین دنیا کے واحد مہاجرین ہیں جن کے کیمپوں میں آئے دن سامراجی ممالک کے بڑے بڑے سیاسی اور فوجی رہنما اور فلم ایکٹر دورے کرتے رہتے ہیں۔ ان سے یک جہتی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے حوصلے بڑھاتے ہیں۔ خلیجی ممالک کے شیوخ اور شہزادے کروڑوں ڈالروں کے عطئے دیتے ہیں جو جماعت اسلامی کے ذریعے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں فلسطینی مہاجرین

www.bhutto.org

کے کیمپوں میں اسرائیلی جنگ بازوں نے یہودیوں کے قاتل نازیوں سے بھی بڑھ کر مظالم ڈھائے اور انہیں تحس نحس کر دیا لیکن سامراجی ممالک کے کسی لیڈر کو بھی توفیق نہیں ہوئی کہ ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ حتیٰ کہ جماعت اسلامی کے اسلامی رہنماؤں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ظاہر ہے افغان مہاجرین کے کیمپوں میں جماعت اسلامی پاکستانی سیاست میں ان کے مسلح دستوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے تگ و دو میں لگی ہوئی ہے۔ اور پاکستانی عوام میں جہاد کے نام پر اپنی ساکھ کو بڑھا رہی ہے۔

مجاہدین یوں تو دعویٰ کرتے ہیں کہ افغانستان کے ۹۰ فیصدی حصہ پر ان کا قبضہ ہے لیکن وہ پھر بھی واپس وطن کو نہیں جاتے باوجودیکہ افغان حکومت کئی بار عام معافی کا اعلان کر چکی ہے اور انہیں اپنے گھروں میں آباد کرنے کے وعدے کر چکی ہے۔

پشاور یونیورسٹی میں یونین کے انتخابات کے موقع پر مجاہدین کے مسلح دستے اسلامی جمعیت طلبہ کی حمایت کے لئے گاڑیوں پر جا کر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ارباب سکندر خاں خلیل نے جب اس مداخلت کے خلاف آواز اٹھائی تو انہیں شہید کروا دیا گیا۔ ان کے قاتلوں کے مقدمہ کی پیروی اور ان کی دیکھ بھال جماعت اسلامی کر رہی ہے۔

جماعت اسلامی کی کوشش یہ ہے کہ ان مہاجرین سے اپنے شاک بریگیڈ تیار کرے اور انہیں پاکستان کی اندرونی سیاست میں بوقت ضرورت استعمال کرے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں پاکستان میں مستقل طور پر آباد کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔

چنانچہ منصورہ پلان کے مطابق اسلامی جمعیت طلبہ اور افغان مہاجرین سے بھرتی کئے ہوئے مسلح دستے حکومت کے کچھ زیادہ رجعت پسند حلقوں کے ساتھ مل کر پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کا پراپیگنڈا کر چکی ہے۔ یہ منصوبہ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں' یہ تو مستقبل ہی بتائے گا لیکن جماعت اسلامی اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی حکمت عملی کے مطابق قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے اور آج جبکہ تمام سیاسی جماعتیں اور عوام پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی حکومت کی مدد سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ترقی پسند اساتذہ کو چن چن کر نکالنے کے پراپیگنڈے میں مصروف ہے۔ سوویٹ یونین کے ثقافتی طائفے کے خلاف اسلامی جمعیت طلبہ جلوس کا بندوبست کرتی ہے اور جمہوری جدوجہد کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہے۔ وہ گسٹاپو کے نقش قدم پر چل کر یونیورسٹیوں میں اپنے مخالفین ترقی پسند طلبا پر لگاتار تشدد کی پالیسی پر گامزن ہے۔

طلباء کو تشدد کا نشانہ تو خود بناتی ہے لیکن اپنے بے پناہ وسائل کے بل بوتے پر

www.bhutto.org

پروپیگنڈا یہ کرتی ہے کہ اس کے خلاف تشدد ہو رہا ہے۔

لیکن جماعت اسلامی کے فاشسٹ تشدد کی یہ پالیسی ان کے بعض باضمیر کارکنوں کے ضمیر کو بھی جھنجھوڑ رہی ہے۔ ۴ر ستمبر ۱۹۸۲ء کے روزنامہ "امن" میں یہ لرزہ خیز انکشافات کئے گئے ہیں کہ

"اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں نے جامعہ کراچی کے مخالف طلبا کو قتل کرنے کا منصوبہ کئی ماہ قبل تیار کیا تھا' وہ شوکت چیمہ کو شہید کرنے کے بعد خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک سرگرم کارکن' جامعہ کراچی یونٹ کے سیکرٹری اور شعبہ سائنس کے ناظم ارشد عظیم کے استعفیٰ کے خط سے اہم انکشافات ہوئے ہیں جو انہوں نے ۱۵ر مئی کو اسلامی جمعیت طلبا کے ناظم اعلیٰ کے نام روانہ کیا تھا۔ اس جماعت کے کارکنوں نے گزشتہ سال دسمبر میں شوکت چیمہ کو شہید کرنے اور دانش غنی کو موت کی نیند سلانے کے بعد سمیسٹر میں چھ ماہ تاخیر کروائی۔ پھر سیف الدین' احمد علی' امتیاز عرف گڈو' ارشاد خان' گلزار اور عظیم کے ذریعے جنہیں خصوصی تربیت دی گئی تھی' یکم جولائی کو سچائی کے علمبردار قدیر' عابد جاوید کو سینکڑوں طلبا اور طالبات کے سامنے شہید کرا دیا گیا۔ قدیر عابد جاوید کے قتل سے ۴۶ دن قبل اسلامی جمعیت طلبہ کے ارشد عظیم نے مرکزی ناظم اعلیٰ کے نام خط میں سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جامعہ کراچی میں یونٹ کے ناظم سیف الدین نے جمعیت کو جس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ وہ ساری دنیا پر آشکار ہے۔ حالات دن بدن بدلتے جا رہے ہیں۔ کارکنوں کا اخلاقی معیار نہایت پست ہے۔ غنڈہ عناصر ہماری صفوں میں مستحکم پوزیشن حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ ۱۳ر دسمبر کی طرح جامعہ کراچی میں ایک بار پھر خون کی ہولی کھیلی جائے گی۔ جس کی تمامتر ذمہ داری جامعہ کراچی یونٹ کے ناظم سیف الدین پر ہو گی۔ میں آنے والی کل سے ڈرتا ہوں اور اس سے زیادہ میدان حشر سے جہاں آپ بھی ہوں گے۔ ان حالات میں نجات کی صرف ایک راہ ہے اور وہ ہے میرا استعفیٰ۔ واضح رہے کہ اس طرح شوکت چیمہ شہید نے اسلامی جمعیت طلبہ کی سازشوں کا پردہ چاک کر کے حریت پسند طلبہ کی صفوں میں شمولیت اختیار کی تھی جس کے چند دن بعد ہی شوکت چیمہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا تھا۔ اور ان ہی حالات میں دانش غنی کو ہلاک کیا گیا۔"

ارشد عظیم کا یہ خیال ہے کہ غنڈہ عناصر لیڈر شپ کی لاعلمی کی وجہ سے اسلامی جمعیت طلبا میں گھس آئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لیڈر شپ خود ان

عناصر کو بھرتی کرتی ہے اور ان سے حسب منشا کام لیتی ہے۔ ریلوے یونین کے انتخاب کے دوران لاہور شہر کے معروف غنڈے مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں سیکرٹری کے عہدہ کی نشست ہار کر مخالف طلبا پر پولیس کی مدد سے بے پناہ تشدد کیا جا رہا ہے۔ ۱۵ فروری ۱۹۸۳ء کے روزنامہ "امن" میں ایک خبر کے مطابق "پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبا کی جانب سے پوسٹر لگائے گئے ہیں جن میں یونیورسٹی یونین کے نومنتخب جنرل سیکرٹری نوید شہزاد اور سٹوڈنٹس الائنس کے دوسرے رہنماؤں کو دھمکی دی گئی ہے کہ وہ یونیورسٹی میں داخل نہ ہوں ورنہ اسلامی جمعیت طلبا ان کی جانوں کے تحفظ کی ذمہ دار نہ ہو گی۔ جمعیت کے مسلح کارکنوں نے گزشتہ روز سٹوڈنٹس الائنس کے چار رہنماؤں چودھری عبدالقادر، خالد میر، جاوید بٹ اور عمران کو اولڈ کیمپس سے اغوا کر لیا اور نیو کیمپس لے گئے جہاں رات بھر ان پر تشدد کیا......" اس ظالمانہ منصوبہ کے تحت غنڈہ گردی کے خلاف پولیس کوئی رپورٹ درج نہیں کرتی۔ یہ ایسی صورت حال ہے جس کے متعلق ہر جمہوریت پسند کو سنجیدگی سے سوچنا ہو گا۔

جماعت اسلامی کے فنڈز:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام منصوبوں، جنگ و جدل، پراپیگنڈا، اور کل وقتی کارکنوں پر شاہ خرچیوں کیلئے روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ ہم نے پہلے لندن کے ایک اردو اخبار کا حوالہ دیا ہے جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخاب کے لئے یحییٰ خان حکومت نے جماعت اسلامی کو ۶۵ لاکھ روپیہ دیا تھا، اب مولانا مودودی مرحوم کے صاحبزادہ حسین فاروق مودودی نے تحریک اسلامی کے رفقا اور مولانا مرحوم کے احباب کے نام ایک کھلے خط میں جماعت اسلامی کے فنڈز کے متعلق چونکا دینے والے انکشافات کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"دراصل مولانا خلیل حامدی صاحب کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ واحد واسطہ ہیں جو مشرق وسطیٰ سے پیسے حاصل کرنے کے لئے مرکز منصورہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ میاں صاحب کے ساتھ باہر جاتے ہیں اور مولانا مرحوم کے نام پر اپنے تعلقات باہر کے حلقوں سے قائم کرتے ہیں۔ باہر سے رقوم کی آمد کے لالچ میں مولانا خلیل حامدی صاحب کی گرفت مرکز پر مضبوط ہو چکی ہے اور کوئی بھی ان کے بارے میں کچھ سننا گوارا نہیں کرتا......

جماعت کا ۸۰ فیصد بجٹ باہر سے آمدہ اعانتوں سے پورا ہوتا ہے اور اس کی نصف سے زائد رقم اپنی پسند اور اعتماد کے فارغ کارکنوں کی تنخواہیں ان کو دی جانے والی بے دریغ مراعتوں

پر صرف ہو جاتی ہے۔ مرکز کی گاڑیاں' مرکز کے ٹیلیفون' ذاتی استعمال میں آتے ہیں اور گاڑیاں اکابرین جماعت کے عزیزوں کے استعمال میں بھی خراب ہوں تو اخراجات بیت المال پر ڈال دیئے جاتے ہیں ...... جماعت کے بعض اکابرین اپنی دنیا بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ ان میں بیشتر لکھ پتی ہو چکے ہیں اور کروڑ پتی بننے کے خواہشمند ہیں..... مولانا خلیل حامدی صاحب نے سعودی عرب سے ویزے لا کر ان کی غیر اخلاقی اور ناجائز فروخت تک کا کام اسی منصورہ میں بیٹھ کر کیا ہے....."

حسین فاروق مودودی کے اس خط سے ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی جو اپنے مخالفین پر بیرونی نظریات اور بیرونی امداد کے حوالے سے اکثر پراپیگنڈا کرتی رہتی ہے۔ دراصل مشرق وسطیٰ کے بادشاہوں اور شیوخ کی کاسہ لیس ہے اور یہ بادشاہ اور شیوخ خود امریکہ کے کاسہ لیس ہیں۔ یوں یہ جماعت امریکی کاسہ لیسوں کی کاسہ لیس ہے اور نظریاتی' ثقافتی اور سیاسی غرضیکہ ہر میدان میں اپنے آقاؤں کے مفادات کی حفاظت میں لگی ہوئی ہے۔

پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کے عزائم:۔

...... ۱۹۶۵ء میں انڈونیشیا میں فوج کے مخصوص دستوں میں بغاوت کی آڑ لے کر سہارتو کے فوجیوں اور رجعت پسند جماعتوں نے مذہب کے نام پر ملک بھر میں ۱۵ لاکھ سے بھی زائد ترقی پسندوں' انقلابیوں اور قوم پرستوں اور ان کے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ہزاروں سیاسی کارکنوں کو گرفتار کر کے دور دراز جزیروں میں بلامقدمہ چلائے پندرہ سال سے بھی زائد عرصہ کے لئے مقید رکھا۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کے بھی عزائم ایسے ہی ہیں جن کے متعلق اس کے نوجوان اکثر اظہار کرتے رہتے ہیں۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جماعت اسلامی پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کے عزائم میں کامیابی حاصل کر سکے گی؟

جماعت اسلامی کا شاک بریگیڈ اسلامی جمعیت طلبہ جو پچھلے چند سالوں سے پنجاب اور کراچی میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بلاشرکت غیرے حکومت کرتی تھی اور حکومتی اعانت' ہتھیاروں اور غنڈہ گردی کے ذریعے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلوں اور ہوسٹلوں کے انتظام و انصرام پر مکمل کنٹرول حاصل کئے ہوئے تھی' اپنی پالیسیوں ..... حکومت سے کھلا گٹھ جوڑ' تشدد اور مخصوص مذہبی نظریات --- کی وجہ سے اب طلباء میں غیر مقبول ہوتی جا رہی ہے۔

اگر حکومت کی سرپرستی ختم ہو جائے تو اس کی تنظیم جتنی بڑی اور جارحانہ نظر آتی ہے' وہ دھڑام سے نیچے آ رہے۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان اور اندرون سندھ تو اسلامی جمعیت طلبہ پہلے بھی کبھی بہت بڑی طاقت نہیں تھی لیکن پنجاب اور کراچی میں اس کی طاقت ضرور تھی لیکن ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران پنجاب کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی اس کی طاقت ٹوٹ رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے حالیہ انتخاب میں صدر اسلامی جمعیت طلبہ کا کامیاب ہوا ہے لیکن طلبا نے ان کے بدنام زمانہ جنرل سیکرٹری کے امیدوار حافظ سلیمان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور سٹوڈنٹس الائنس کا امیدوار کامیاب ہو گیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ کا مکمل پینل شکست کھا گیا۔ اسی طرح اسلام آباد' فیصل آباد اور ملتان میں بھی اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پنجاب بھر کے دوسرے کالجوں میں بھی اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ حسب ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہے:۔

	صدر	نائب صدر	جنرل سیکرٹری	جائنٹ سیکرٹری
	مردانہ زنانہ	مردانہ زنانہ	مردانہ زنانہ	مردانہ زنانہ
پی ایس ایف' بلیک اسٹار				
این ایس ایف اور آزاد	۸۳ ۸۷=۱۶۲	۷۳ ۶۹=۱۴۲	۶۴-۷۷=۱۴۱	۷۷-۵۴=۱۳۱
اسلامی جمعیت طلبہ	۲۴-۱=۲۵	۲۲-۲۰=۲۴	۲۸-۰=۲۸	۲۰-=۲۰
انجمن طلباء اسلام	۱۳-۱=۱۴	۱۷-۱=۱۸	۱۹-۱=۲۰	۱۹=۱=۲۰
قائداعظم سٹوڈنٹ فیڈریشن				
اور مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن	۷-۱=۸	۹-۱=۱۰	۹- =۹	۶-۱=۷

(روزنامہ جنگ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۸۲ء)

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی جو ضیا حکومت سے گٹھ جوڑ کئے ہوئے تھی اور اپنے زعم میں اسے اپنی طاقت اور ہردلعزیزی بڑھانے کے لئے استعمال کر رہی تھی اپنی سب سے بڑی طاقت طلبا کی حمایت سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ جماعت کو خیال تھا کہ وہ فوجی حکمرانوں سے مل کر اس قدر طاقت ور ہو جائیگی کہ پھر پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کے عزائم کی تکمیل آسانی سے ہو سکے گی۔ ادھر فوجی حکومت اپنے آپکو دوام بخشنے کیلئے اسے استعمال کر رہی تھی۔ اب جبکہ اس کی ہردلعزیزی میں کمی واقع ہو رہی ہے اور شاک بریگیڈ کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے اور افغانستان کے مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنیکی کوششیں

www.bhutto.org

آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہیں۔ جماعت اسلامی نے ایک نیا پلان تیار کیا ہے۔ اس پلان کے تحت مذہبی جماعتوں کو اشتراک کی دعوت دی گئی ہے اور اس کیلئے ایسا پروگرام وضع کیا گیا ہے جس سے جمہوری جدوجہد کی صفوں میں روز افزوں اتحاد اور پھیلاؤ کو روکا جا سکے اور اس کی صفوں کو تقسیم کر کے اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ وہ وقتی طور پر دوسری مذہبی جماعتوں کو اسلام کے نام پر اتحاد کی دعوت دے رہی ہے۔ حالانکہ وہ اپنے عقیدے کی بنا پر ان کی بیخ کنی چاہتی ہے اور وقت آنے پر مدمقابل مذہبی جماعتوں کا قلع قمع کرنے کا پروگرام رکھتی ہے۔

اگر جماعت اسلامی کو فوج کے کچھ حصوں کی پوری مدد حاصل ہو جائے تو وہ ضرور پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کے پروگرام پر عمل کرے گی۔ لیکن تاحال اسے اس میں کامیابی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ لیکن تمام سیاسی پارٹیوں اور عوام کو ان بھیانک عزائم سے آگاہ ہونا چاہئے کہ وہ امن اور اسلام کے نفاذ کے نام پر پس پردہ کیسی منصوبہ بندیاں کر رہی ہے۔

بایاں بازو۔ تنظیم۔ سیاست۔ لائحہ عمل

۱۹۵۱ء میں راولپنڈی سازش کیس کے نتیجے میں کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان' جو ابھی نوزائیدہ اور ناتجربہ کار' کمزور اور ناتواں تھی اور پاکستان کے معروضی حالات سے بالکل بے خبر تھی' پاش پاش ہوگئی۔ سازش کیس کے بعد بچے کھچے رہنماؤں نے ان حالات کا جائزہ لینے کی بجائے جن کی وجہ سے راولپنڈی سازش کیس بنا اور اس واقعہ کے متعلق پارٹی کے رہنماؤں کے موقف' عمل اور کردار کو تنقیدی نظر سے پرکھنے کی بجائے چند رہنماؤں پر یکطرفہ طور پر ملبہ ڈال دیا گیا اور دوسروں کے نظریات اور عمل پر مجرمانہ خاموشی اور گمراہی کے دبیز پردے ڈال دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پارٹی شدید انتشار اور بحران سے دوچار ہوگئی۔ اس واقعہ کے بعد حکومت کا وار پارٹی کے لئے جانکاہ ثابت ہوا۔ آخر ۱۹۵۴ء میں پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد پارٹی کی جو تنظیمیں بنیں وہ بلند بانگ دعووں کے باوجود نہ تو اس پارٹی کے تسلسل کو قائم رکھنے والی تھیں اور نہ ہی وہ کبھی چھوٹے سے' اپنے ہی خول میں مقید گروہوں سے آگے بڑھ سکیں۔

اس کے بعد انقلابی کارکن مغربی پاکستان میں پہلے آزاد پاکستان پارٹی نیشنل پارٹی عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ میں کام کرتے رہے اور آخر ۱۹۵۷ میں پاکستان کی سطح

پر سب گروہ نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ لیکن اس پارٹی میں بھی تقسیم شدہ مختلف گروپ علیحدہ علیحدہ تنظیموں کی ڈسپلن میں کام کرتے رہے چنانچہ بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک میں خلفشار سے بہت پہلے پاکستان کی سوشلسٹ تحریک اپنی ہی پالیسوں کی وجہ انتشار سے دو چار ہو چکی تھی۔ بین الاقوامی خلفشار نے اس انتشار کو اور بھی تند و تیز کر دیا۔ مشرقی پاکستان کی آزادی کے بعد بھی مغربی پاکستان میں یہ عمل ۱۹۷۷ء تک برابر جاری رہا۔ سامراج اور فیوڈل ازم کے خلاف جدوجہد کی بجائے بائیں بازو کے متحارب گروہوں کا نصب العین ایک دوسرے کو شکست دینا اور ملیا میٹ کر دینا بن گیا۔ پاکستان کے معروضی حالات کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی کردار کشی کو انقلاب کی کامیابی کے لئے پہلا قدم قرار دے دیا گیا۔

آخر بھٹو حکومت کے خلاف مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخابی دھاندلیوں کے خلاف قومی اتحاد کی رہنمائی میں چلنے والی تحریک پر جب سخت تشدد شروع ہوا اور ملک کا اندرونی بحران تیز تر ہو گیا تو ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں مزدور کسان پارٹی، سوشلسٹ پارٹی، پاکستان ورکرز پارٹی، نیشنل پروگریسو پارٹی، مزدور مجلس عمل، پروفیسر گروپ وغیرہ کے نمائندے شامل ہوئے۔ انہوں نے متفقہ طور پر ایک قرار داد کے ذریعے بھٹو حکومت کے ہمہ گیر تشدد، دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ، گرفتاریوں وغیرہ کی پر زور الفاظ میں مذمت کی۔ اور اس لائحہ عمل پر اتفاق کیا کہ ان حالات میں بائیں بازو کو حکمران پارٹی کے اس تشدد کے خلاف قومی اتحاد سے علیحدہ آزادانہ طور پر جدوجہد کرنا چاہیے۔

لیکن بائیں بازو کی پارٹیاں اس دور میں اپنی تنظیمی کمزوری اور محدود اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی نمایاں کارکردگی نہ دکھا سکیں۔ آخر مارشل لا نافذ ہو گیا۔ اس نئے متشددانہ دور نے آخر پاکستان ورکرز پارٹی، عوامی جمہوری پارٹی، سوشلسٹ پارٹی مزدور مجلس عمل، نیشنل پروگریسو پارٹی، سرخ پرچم اور محبان وطن کے نمائندوں کو ۳۰-۷-۷۷ کو پہلی بار متحدہ محاذ بنانے کے سلسلے میں ایک میٹنگ میں اکٹھا کر دیا۔ انہوں نے بائیں بازو کے متحدہ محاذ کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور جن پارٹیوں یا گروہوں نے اس میں شمولیت نہیں کی تھی ان سے تعلق قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس بارے میں ۳ اگست ۱۹۷۷ کو پریس کانفرنس کی گئی۔ عوامی جمہوری اتحاد کے نام سے ایک تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے اعلان نامہ کا خاکہ تیار کیا گیا اور ۱۴ اگست ۱۹۷۷ کو ایک بڑی نمائندہ میٹنگ بلائی گئی جس میں بائیں بازو کی مزید تنظیموں کو دعوت دی گئی۔ اس میٹنگ کے لئے ۱۵ کے قریب چھوٹی بڑی

www.bhutto.org

تنظیموں کو دعوت نامے جاری کیئے گئے۔ جس کے نتیجے میں ۱۳ تنظیمیں شامل ہوئیں۔ کچھ نے اپنے مبصر بھیجے۔ اعلان نامہ پاس ہوا۔ اور اسے چھپوا کر بائیں بازو کے کارکنوں میں بحث کے لئے تقسیم کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ عوامی جمہوری اتحاد کی پاکستان بھر میں شاخیں قائم کی جائیں۔ پریس کانفرنس' اعلان نامے اور ۱۴ اگست ۷۷ کے میٹنگ کا بائیں بازو کے کارکنوں پر مثبت اثر ہوا۔ ۲۴ / ۲۳ ستمبر ۱۹۷۷ کو کراچی میں کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن چند وجوہات کی بنا پر مرکزی کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔ اور اسے سندھ ک صوبائی کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا جو کامیاب رہی۔ پھر پشاور میں کانفرنس کرنے کا پروگرام بنایا گیا لیکن اس اثناء میں حکومت نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دیں جس سے عوامی جمہوری اتحاد کی پیش رفت کو نقصان پہنچا۔ لیکن عوامی جمہوری اتحاد کی سٹینڈنگ کمیٹی کی میٹنگیں باقاعدہ ہوتی رہیں۔ اور نئی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے ۷۷-۱۰-۲۸ کو کونسل کی میٹنگ منعقد کی گئی۔ عوامی جمہوری اتحاد کی طرف سے ۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء کو یوم حسن ناصر منایا گیا۔ اس کے بعد ۷۸-۱-۱۱ کو کونسل کا پھر اجلاس ہوا جس میں ملکی حالات' حکمت عملی اور طریق کار اور متحدہ محاذ کے مسائل زیر بحث آئے۔ مختلف مسائل کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے لیکن سب کے تعاون سے مشترکہ پالیسی بنانے میں کامیابی ہوئی۔ آخر ۷۸-۷-۷ کو کونسل کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۷۸-۸-۱۴ کو کونسل کا ایک اور اجلاس بلایا جائے اور جو گروپ یا پارٹیاں ابھی عوامی جمہوری اتحاد میں شامل نہیں ہوئیں انہیں پھر سے دعوت دی جائے کہ اگر اتحاد میں شمولیت کا وہ فیصلہ کر چکے ہیں تو اس اجلاس میں وہ شامل ہوں۔ ۷۸-۸-۱۴ کے اجلاس میں مزدور کسان پارٹی نے افضل بنگش کی سرکردگی میں عوامی جمہوری اتحاد میں شمولیت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سندھ سے عوامی تحریک کے رسول بخش پلیجو نے بھی اتحاد میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس اجلاس میں قومی سوال پر بہت مفید بحث ہوئی۔ اعلان نامہ کو ضروری ترامیم کے ساتھ آخری شکل دے دی گئی۔ اس اجلاس میں قومی محاذ آزادی کے رہنما معراج محمد خاں بھی بطور مبصر کے شریک ہوئے ۷۸-۸-۱۴ کے اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ ۷۸-۹-۱۵ کو کانفرنس بلائی جائے اور اتحاد کی تنظیم کو آخری شکل دی جائے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو تنظیمیں اس اتحاد میں شامل ہونیکا فیصلہ کر چکی ہیں وہ ۷۸-۹-۱ تک سیکرٹری عوامی جمہوری اتحاد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کریں۔ تاکہ ۷۸-۹-۱۵ کی کانفرنس کا صحیح طرح بندوبست کیا جاسکے۔

اس دوران میں سندھ ہاری کمیٹی' ترقی پسند محاذ پاکستان' نیو جنریشن فورم اور نوجوان

www.bhutto.org

محاذ' پاکستان یونائیٹڈ کرسچن کونسل اور انجمن جمہوریت پسند خواتین کی تحریری اور زبانی درخواستوں پر عوامی جمہوری اتحاد میں شمولیت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ صرف سیاسی پارٹیوں کو ہی نئی ممبرشپ دی جائے گی اس لیے ان تنظیموں کے سربراہوں سے معذرت کی جائے۔اور انہیں عوامی جمہوری اتحاد کے ساتھ مل کر عمل کی دعوت دی جائے۔

۷۸-۸-۱۴ کی سٹینڈنگ کمیٹی کی میٹنگ میں عوامی جمہوری اتحاد کا ڈرافٹ پروگرام متفقہ طور پر طے ہو گیا اور تمام پارٹیوں کو بھیج دیا گیا تاکہ اپنی اپنی پارٹیوں میں بحث مباحثہ کے بعد اگر مزید ترامیم کرنی ہوں تو ۱۵ر ستمبر۱۹۷۸ کی میٹنگ تک یہ عمل پورا ہو جائے۔

آخر ۱۶ار ۱۵. ستمبر۱۹۷۸ کو عوامی جمہوری اتحاد کی مجوزہ کانفرنس لاہور میں پیپلز بلڈنگ میں سردار شوکت علی کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل پارٹیوں اور گروپوں نے شمولیت کی۔

۱۔ پاکستان ورکرز پارٹی
۲۔ مزدور کسان پارٹی (افضل بنگش)
۳۔ سوشلسٹ پارٹی
۴۔ نیشنل پروگریسو پارٹی
۵۔ عوامی جمہوری پارٹی
۶۔ مزدور مجلس عمل
۷۔ سندھ عوامی تحریک
۸۔ پنجاب جمہوری فرنٹ
۹۔ محبان وطن
۱۰۔ قومی محاذ آزادی
۱۱۔ انقلابی پرولتاری پارٹی (حبیب جالب)
۱۲۔ پنجاب لوک پارٹی
۱۳۔ پختون خواہ مزدور کسان پارٹی (شیر علی باچا)
۱۴۔ پیپلز لیبر فرنٹ

باوجودیکہ عوامی جمہوری اتحاد کی کانفرنس میں شامل ہونیوالی تمام پارٹیاں بحث و تمحیص کے بعد ایک پروگرام پر متفق ہو گئی تھیں لیکن جب انتخاب کا وقت آیا تو ارفع و اعلیٰ مقاصد کے لئے ایک ڈیڑھ سال کی مسلسل جدوجہد سے جو کامیابی نظر آ رہی تھی۔ اس نے ناکامی اور انتشار کی گھناؤنی اور بھونڈی شکل اختیار کر لی۔ اور انقلاب' اتحاد اور سوشلزم کے بلند بانگ دعوے چند عہدوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سردار شوکت علی جو ۱۹۷۷ء کے شروع سے عوامی جمہوری اتحاد کے جنرل سیکرٹری کے طور پر کام کر رہے تھے انہیں اتحاد کا جنرل سیکرٹری بنانے کیلئے تمام پارٹیاں اور گروپ متفق تھے۔ لیکن انہوں نے اتحاد کی خاطر عابد منٹو (سوشلسٹ پارٹی) کا نام جنرل سیکرٹری اور افضل بنگش (مزدور کسان پارٹی) کا نام صدارت کے لئے پیش کر دیا۔ ان دونوں کو اتحاد کا جنرل سیکرٹری اور صدر چن لیا گیا۔ تاج

www.bhutto.org

محمد لنگاہ (عوامی جمہوری اتحاد) اور رسول بخش پلیجو (سندھی عوامی تحریک) کو نائب صدر چن لیا گیا۔ لیکن نیشنل پروگریسو پارٹی، سندھی عوامی تحریک، پنجاب لوک پارٹی، عوامی جمہوری فرنٹ پنجاب، پختون خواہ مزدور کسان پارٹی، قومی محاذ آزادی نے ۲ دسمبر ۱۹۷۸ء کو لاہور میں ہونیوالی ایک میٹنگ میں عوامی جمہوری اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اور پاکستان عوامی تحریک بنانے کا فیصلہ کیا جس میں سندھ ہاری کمیٹی اور سندھ لیبر آرگنائزیشن کمیٹی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ لیکن چند دنوں بعد دونو موخرالذکر تنظیموں نے عوامی تحریک سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ نیشنل پروگریسو پارٹی اور قومی محاذ آزادی نے بھی پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت نہ کی اور بعد ازاں تینوں تنظیموں نے ایک نیا الائینس قائم کرنے کا اعلان کیا۔

۷۸-۱۹۷۷ کے دوران بائیں بازو کے اتحاد کی ان کوششوں سے ظاہر ہے کہ بین الاقوامی اور قومی حالات کے گوناگوں تجربات نے بائیں بازو کے تمام گروپوں میں اس بات کا شدت سے احساس پیدا کر دیا تھا کہ معروضی حالات کے تقاضے کے پیش نظر وہ متحد ہوں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں مکمل اتحاد تو نہ ہو سکا لیکن اتحاد کا عمل ضرور جاری ہو گیا۔ چنانچہ بائیں بازو کے تین علیحدہ علیحدہ متحدہ محاذ وجود میں آگئے۔

۱۔ عوامی جمہوری اتحاد (پاکستان پارٹی، سوشلسٹ پارٹی، مزدور کسان پارٹی، (افضل بنگش) عوامی جمہوری پارٹی، مزدور مجلس عمل، انقلابی پرولتاری پارٹی)

۲۔ پاکستان عوامی تحریک (پنجاب جمہوری فرنٹ، سندھ عوامی تحریک، لوک پارٹی پنجاب، پختون خواہ مزدور کسان پارٹی (شیر علی باچا)۔

۳۔ ورکنگ الائینس (قومی محاذ آزادی نیشنل پروگریسو پارٹی (کمیونسٹ پارٹی کا فرنٹ) مزدور کسان پارٹی (میجر اسحاق)

اتحاد کی کوششوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ پہلی بار پاکستان میں بائیں بازو کے تقریباً تمام گروپ ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کو تھوڑا بہت جاننے لگے۔ لیکن چونکہ نئی گروپنگ محض تنظیمی معاملات پر اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی اور ایک دوسرے سے حکمت عملی اور طریق کار اور قومی سوال پر سیاسی اختلاف کا اظہار نہ ہوا تھا اور نہ ہی اکٹھے مل کر چلنے کے راستے میں کوئی روکاوٹ پیش آئی تھی اس لئے جب عملی کام شروع ہوا تو یہ اختلافات پھر کھل کر سامنے آنے لگے اور ان تمام گروپوں کی متحدہ کوششوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ ۷۸-۱۹۷۷ء

www.bhutto.org

کے دوران جب عوامی جمہوری اتحاد کو بنایا جا رہا تھا وہ زیادہ سرگرم اور فعال رہا اور سیاسی کارکنوں کو متحرک کرتا رہا۔

نئے حالات اور تجربات نے بائیں بازو کے اتحاد کے لئے راہیں کھول دیں۔ چنانچہ جلد ہی نئی اور ٹھوس بنیادوں پر مختلف پارٹیوں میں مکمل اتحاد کیلئے بات چیت ہونے لگی عوامی جمہوری اتحاد میں شامل پاکستان ورکرز پارٹی اور مزدور کسان پارٹی (افضل بنگش) جولائی ۱۹۷۹ء میں مندنی ضلع مردان میں منعقدہ اتحاد کانفرنس میں باہمی طور پر مدغم ہو گئیں اور پاکستان مزدور کسان پارٹی وجود میں آ گئی جس کا صدر افضل بنگش اور جنرل سیکرٹری سردار شوکت علی کو منتخب کر لیا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں مزدور مجلس عمل بھی پاکستان مزدور کسان پارٹی میں شامل ہو گئی اور اس کی تمام ٹریڈ یونینوں نے آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن سے الحاق کر لیا۔ اس دوران میں پنجاب جمہوری فرنٹ تقسیم ہو گیا اور پروفیسر عزیز الدین گروپ بھی پاکستان مزدور کسان پارٹی میں شامل ہو گیا اور ان کے زیر اثر مزدوروں کی تنظیمیں آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن میں شامل ہو گئیں۔ محبان وطن نے عوامی جمہوری پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ اور ایک واحد شخص کی پارٹی انقلابی پرولتاری پارٹی جو سردار شوکت علی کی ملک سے غیر حاضری کے دوران ۱۹۷۸ء کے شروع میں خاص مصلحت کے تحت بنائی گئی تھی سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہو گئی۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی عوامی جمہوری پارٹی سے بھی ادغام کے لئے بات چیت ہوئی لیکن بین الاقوامی اور ملکی سیاست اور پارٹی کی تنظیمی معاملات کے سلسلہ میں بنیادی اختلافات کی وجہ سے یہ بات چیت سرے نہ چڑھی۔

اس دوران میں غوث بخش بزنجو نے پاکستان نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی۔ پنجاب سے اس میں شمیم اشرف ملک کا گروپ اور گردیزی کے ساتھی اور کچھ آزاد کارکن شامل ہوئے۔ ۱۹۸۲ء کے دوران کمیونسٹ پارٹی کا کھلا فرنٹ نیشنل پروگریسو پارٹی بھی پاکستان نیشنل پارٹی میں شامل ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد پنجاب لوک پارٹی جو پہلے پاکستان مزدور کسان پارٹی میں شامل ہونے کی گفت و شنید کر رہی تھی اچانک بین الاقوامی طور پر تسلیم ہونے کے نام پر پاکستان نیشنل پارٹی شامل ہو گئی عوامی جمہوری پارٹی کی پاکستان نیشنل پارٹی کے ساتھ ادغام کے سلسلے میں بھی گفتگو ہوئی لیکن آخری لمحہ پر عہدوں کی تقسیم پر اتفاق نہ ہو سکا اور بات چیت ناکام ہو گئی چنانچہ پاکستان نیشنل پارٹی مختلف انقلابی گروپوں اور دوسرے لوگوں کے ایک کھلے محاذ کے طور پر کام کر رہی ہے۔

www.bhutto.org

قومی محاذ آزادی میں پنجاب جمہوری فرنٹ اور پروفیسر گروپ کے چند لوگ شامل ہو گئے سوشلسٹ پارٹی ہی ایک ایسی پارٹی ہے جس میں کوئی دوسری پارٹی یا گروپ شامل نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے کسی گروپ کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔ البتہ گوجرانوالہ اور ملتان میں سوشلسٹ پارٹی کے یونٹ پاکستان نیشنل پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں مزدور کسان پارٹی (میجر اسحاق گروپ) تا حال کسی دوسری پارٹی کے ساتھ متحد نہیں ہو سکا۔

بایاں بازو اور ٹریڈ یونین تحریک:

پاکستان کے قیام کے بعد مزدوروں کی سب سے پہلی فیڈریشن دسمبر ۱۹۴۷ میں لاہور میں بنائی گئی فیڈریشن کا نام پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن رکھا گیا۔ مرزا محمد ابراہیم اس کے پہلے صدر اور ڈاکٹر اے۔ ایم مالک (مشرقی پاکستان) اس کے جنرل سیکرٹری چنے گئے۔ فیض احمد نائب صدر اور سردار شوکت علی اسسٹنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے اس کا مرکزی دفتر لاہور میں بنایا گیا ۱۹۵۴ میں جب کیمونسٹ پارٹی غیر قانونی قرار دے دی گئی تھی تو فیڈریشن کے دفتر بند کر دیئے گئے بائیں بازو کی انقلابی تحریک میں انتشار کے ساتھ ساتھ مزدور تحریک میں بھی انتشار بڑھتا گیا ایوب خان کے مارشل لا کے دوران ۱۹۶۳ء میں کراچی کے مزدوروں نے جدوجہد کا علم اٹھایا تو ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی اور درجنوں مزدور شہید ہو گئے۔

۶۹۔۱۹۶۸ء میں مزدور تحریک نے نئی کروٹ لی اور ملک بھر میں محنت کشوں نے اپنے حقوق کے لئے مظاہرے اور ہڑتالیں کیں اور ملوں پر قبضہ کیا۔ پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی ایک شاندار کانفرنس والی ایم سی اے ہال لاہور میں منعقد ہوئی۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں مغربی پاکستان فیڈریشن نے کراچی میں کانفرنس منعقد کی۔ اس وقت بائیں بازو کی حسب ذیل مرکزی تنظیمیں موجود تھیں۔

۱۔ پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن (مرزا محمد ابراہیم)
۲۔ پاکستان مزدور فیڈریشن (فضل الٰہی قربان)
۳۔ نیشنل فیڈریشن آف لیبر (لودھی وغیرہ)
۴۔ مغربی پاکستان ورکرز فیڈریشن (اعزاز' نذیر' شمیم' واسطی)
۵۔ کراچی مرکزی مزدور کمیٹی جو بعد میں متحدہ مزدور محاذ بنی (طفیل عباس)

مارشل لا اور بائیں بازو کی سیاست

پاکستان میں بائیں بازو کی پارٹیوں اور گروپوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ابھی تک

www.bhutto.org

کسی پارٹی نے بھی پچھلے ۳۶ سال میں پاکستان کی متواتر بدلتی ہوئی سماج کا بنیادی مطالعہ کر کے تجزیہ نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں نہ تو کوئی اعداد و شمار اکٹھے کئے ہیں اور نہ ہی کوئی گہری تحقیق کی ہے سامراجی، سوشلسٹ اور مسلم ممالک کی امداد اور قرضوں سے سرمایہ داری نظام کی جو نشوونما برابر ہو رہی ہے اور اس کے نتیجے میں جو نئے نئے طبقات جنم لے رہے ہیں ان کے ہر لحظہ تبدیل ہوتے ہوئے کردار کو سمجھنے کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی اندرون ملک پاکستانی عوام کی محنت شاقہ سے پیدا ہونے والے سرمایہ سے جو ترقی ہوئی ہے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ بیرون ملک گئے ہوئے پاکستانی محنت کش اور ڈاکٹر اور انجینئر جو چالیس ارب کے قریب روپیہ پاکستان بھیج رہے ہیں گو اس کے متعلق اب سوچا جا رہا ہے لیکن اس بارے میں بھی کوئی تحقیق نہیں کی گئی کہ وہ پاکستان کی سماجی زندگی پر کس حد تک اور کس انداز سے اثر ڈال رہا ہے اس کے علاوہ پاکستان کے وجود میں آنے کی وجوہات اور مذہب جو کردار ادا کر رہا ہے اسے سمجھنے سے بھی گریز کی پالیسی اختیار کی گئی ہے اور اسے عموماً شجر ممنوعہ سمجھ کر چھوا بھی نہیں جاتا۔ ایرانی انقلاب میں مذہب کے مثبت اور منفی کردار کا جائزہ بھی لینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ بس چند گھسی پٹی اصطلاحات ہیں جنہیں بین الاقوامی انقلابات نے پیش کیا ہے۔ انہیں پاکستانی حالات پر جوں کا توں چسپاں کر دیا جاتا ہے یقیناً دوسرے ملکوں کے انقلابات سے ہمیں سبق سیکھنا چاہئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پاکستان کے مخصوص حالات اور مسائل کو نظرانداز کر دیں۔

یہ مسئلہ بذات خود ایک ہمہ گیر اور گھمبیر مسئلہ ہے اور اس مضمون میں اس پر بحث کی گنجائش نہ ہے۔ اس لئے ہم صرف ان مسائل کے حوالے سے جو مارشل لاء نے پیدا کئے ہیں بائیں بازو کی پارٹیوں کی پالیسیوں کا جائزہ لیں گے۔ جن سے آج وہ دو چار ہیں۔

بائیں بازو کی تقریباً تمام پارٹیاں اور گروپ اس بات پر متفق ہیں کہ ابھی تک پاکستان میں جمہوری انقلاب پایہ تکمیل کو نہ پہنچا ہے اور وہ اس بات پر بھی متفق ہیں (سوائے دو چھوٹے چھوٹے چین نواز اور البانیہ نواز گرہوں کے) کہ سویٹ یونین بین الاقوامی سوشلسٹ کا محور و مرکز ہے اور وہ موجودہ مارشل لا کے دور میں پاکستانی سماج کا تجزیہ کرتے وقت حسب ذیل تضادات پر بھی تقریباً سبھی متفق ہیں۔

۱۔ پاکستانی عوام کا سامراج کے ساتھ تضاد۔

۲۔ پاکستان کے مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کشوں کا بڑے جاگیرداروں اور

www.bhutto.org

بڑے سرمایہ داروں سے تضاد۔

۳۔ پاکستان کے جمہوریت پسند عوام کا آمریت کے خلاف تضاد۔

۴۔ پاکستان کی پسماندہ مظلوم قومیتوں کا قومی نابرابری اور جبر کے خلاف تضاد۔

لیکن ان میں سے اکثر ان تضادات کو نہایت ہی میکانکی انداز سے دیکھتے ہیں اور ان کے معنی اور ترجیحات کو یوں سمجھتے ہیں جیسے پاکستانی سماج ساکت و جامد ہو۔ جیسے اس میں کوئی تبدیلیاں واقع وقوع پذیر نہ ہو رہی ہوں جیسے سماج کے بطن کے اندر سے پیدا ہونے والے نئے نئے طبقات اپنے دوغلے اور دوہرے کردار ادا نہ کر رہے ہوں۔ جیسے ان تبدیلیوں سے نئے نئے احساسات' نئے نئے جذبات اور نئے نئے زاویہ ہائے نگاہ جنم نہ لے رہے ہوں۔ جیسے حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ تضادات کی ترجیحات میں کوئی تبدیلی ہوتی ہی نہ ہو۔ اسلئے جب بالائی ڈھانچے میں کوئی بڑی تبدیلی جو دراصل سماج کے بنیادی ڈھانچے میں ہونے والی تبدیلیوں یا انہیں روکنے کے عمل کی عکاسی کر رہی ہوتی ہے وقوع پذیر ہوتی ہے تو اس تبدیلی کے متعلق فوراً مثبت ردعمل نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو نہایت ہی سست رفتاری اور آہستگی سے اور وہ بھی حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے زبردست تھپیڑوں سے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ عملی سیاست میں کوئی بڑا اور اثر آفرین کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور پھر حالات کادم بخلہ بنے سوشلزم کی تسبیح پڑھتے ہوئے پرانے خول میں مقید گھسٹتے چلے جاتے ہیں انہی حالات کی وجہ سے مختلف پارٹیوں اور گروہوں میں باہمی مخالفتیں اور منافستیں پھیلتی اور پھولتی رہتی ہیں اور سماج کی تبدیلی میں بائیں بازو کے مجموعی کردار کو مسخ کرتی رہتی ہیں اور وہ عوام جن کے متعلق نظریاتی طور پر وہ تسلیم کرتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہی تاریخ بنانے والے ہیں' وہی انقلاب برپا کرتے ہیں وہی سماجی تبدیلیوں کو اپنے خون سے سینچتے ہیں ان کے درمیان جانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے انہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ان کے ساتھ تحت الثری میں اتر کر اوپر اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے جب وہ طوفان بن کر در دیوار ہلاتے ہیں اور گھن گرج کے ساتھ رواں دواں ہوتے ہیں تو وہ کنارے پر کھڑے لہریں گنتے رہ جاتے ہیں ان کے سب اندازے اور تخمینے ان کی پیش گوئیاں خاک میں غلطاں نظر آتی ہیں اور وہ جعلی سنجیدگی کا غلاف چہرے پر اوڑھے پکار اٹھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا تھا درست ثابت ہوا باوجود کہ وہ اپنے طرز عمل کے سیل رواں میں سے دس اشخاص بھی اپنے ہمراہی نہیں بنا پاتے۔

www.bhutto.org

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو کچھ ایسی ہی صورت حال سے بائیں بازو کی پارٹیوں کو دوچار ہونا پڑا۔ قومی اتحاد کی تحریک کے نتیجے میں ضیاء الحق نے عین اس وقت مارشل لا نافذ کر دیا جب حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان سمجھوتہ ہو رہا تھا ضیاء الحق نے کمال چابکدستی سے ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کا اعلان کیا اور کہا مارشل لا صرف غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے لگایا گیا ہے بھٹو حکومت کے ۵ سالوں میں اس کی منفی پالیسیوں کی وجہ سے جو تشدد اور غیر جمہوری اقدامات روا رکھے گئے تھے وہ مارچ ۔ جون ۱۹۷۷ء میں انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ اس لئے مارشل لا لگایا گیا تو اس کے مضمرات اور نتائج اور عزائم کو فوراً سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور اگر بدلے ہوئے حالات کو سمجھنے کی کوشش بھی کی گئی تو ماضی کے تشدد اور جمہوریت کے سائے میں غیر جمہوری پالیسیوں کی وجہ سے صحیح نتائج نہ نکالے جا سکے۔

حقیقت تو یہ تھی کہ پاکستانی معیشت اور سیاست پرانے چوکھٹے کے اندر مزید ترقی کی سکت نہ رکھتی تھی جسکی وجہ سے ساری سماج بحران سے دوچار ہو گئی تھی اور حکمران طبقوں کے نہایت ہی رجعت پسند حصے امریکی سامراج کی مدد اور فوج کے ذریعے نظام مصطفےٰ کے نام پر ملک پر قابض ہو گئے تھے۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے پہلے حکمران جماعت جمہوری انقلاب کو آگے بڑھانے کی بجائے اسکے راستے میں روکاٹیں کھڑی کر رہی تھی۔ زرعی اصلاحات کے تحت بلا معاوضہ بڑے زمینداروں سے اراضی حاصل کر کے بے زمین کسانوں میں تقسیم کرنے کا اصول تو درست اور آگے کی طرف ایک بڑا قدم تھا لیکن ان اصلاحات کو عملی طور پر ناکام کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس وقت کے سماجی تقاضوں کو پورا نہ کرتا تھا۔ سامراجی اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے پاکستانی معیشت کو سامراجی مشروط قرضوں کے چنگل سے نکالنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور یوں جمہوری انقلاب کی نشوونما کے راستے میں روکاٹیں پیدا کی گئیں جن سے بحران گہرا ہوتا چلا گیا۔ ان حالات میں جب مارشل لا لگایا گیا تو بائیں بازو نے یہ نہ سمجھا کہ مارشل لا باقاعدہ پہلے سے منصوبہ بندی کر کے لگایا گیا ہے اور ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کا اعلان محض ابتدائی طور پر پردے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور یہ کہ مارشل لا اب خود بخود ختم نہیں ہو گا بلکہ جس قدر طویل عرصہ کے لئے اسے رکھا جا سکے رکھا جائے گا۔ یہ بھی نہ سمجھا گیا کہ مارشل لا اپنا جواز مہیا کرنے کے لئے نہایت ہی رجعت پسند نظریات کا اسلام کے نام پر پرچار کرے گا اور پاکستانی سماج کے ہر شعبے میں ترقی کے نام پر رجعت پسندی پھیلائے گا۔ دراصل ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو پاکستان کے

جمہوریت پسند عوام کا آمریت کے خلاف تضاد اولیت حاصل کر چکا تھا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ جمہوری انقلاب جس نے ۷۳-۱۹۶۸ء کے درمیان ایک قدم آگے کی طرف بڑھایا تھا اور ملک میں پہلی بار ایک منتخب اسمبلی نے متفقہ طور پر آئین پاس کیا تھا وہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو دو قدم پیچھے چلا گیا۔ جماعت اسلامی اور دوسری رجعت پسند جماعتیں اور فوج کے رجعت پسند حصے اسے مزید پیچھے کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ ملکی معیشت، سماجی، قومی اور بین الاقوامی حالات متقاضی ہیں کہ آگے بڑھا جائے۔

چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو تمام سیاسی پارٹیوں کے سامنے یہ سوال تھا کہ مارشل لا کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا جائے قومی اتحاد کی پارٹیاں جو جمہوریت اور نظام مصطفےٰ کے نعروں کے ساتھ بھٹو حکومت کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں۔ انہیں ایک نیا طاقت ور حلیف مل گیا تھا انہوں یہ سمجھا کہ یحییٰ خاں کی طرح ضیاء الحق بھی جس نے نمدہ و نعلی پڑھ کر انتخابات کرانے کا اعلان کیا تھا ضرور وعدہ پورا کرے گا اور پیپلزپارٹی کو من مانی نہیں کرنے دے گا اس لئے انہوں نے بیک زبان مارشل لا کو خوش آمدید کہا اور انتخابات کی تیاریوں میں لگ گئے لیکن بعد میں اپنی پوزیشن کمزور پا کر پھر ضیاء الحق کا سہارا لینے پر مجبور ہوئے اور احتساب کے نام پر انتخابات ملتوی کروانے میں مارشل لا کی مدد کی۔

دوسری طرف پیپلزپارٹی یہ سمجھ رہی تھی کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کے عام انتخابات میں وہ اور زیادہ مضبوط ہو کر نکلے گی۔ لاہور میں بھٹو کے والہانہ استقبال نے ان کے خیال کو اور بھی تقویت دی وہ یہ سوچ ہی نہ سکے کہ مارشل لا حکومت اب ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت انتخابات کروانا ہی نہیں چاہتی اور نہ کروا سکے گی۔

- بائیں بازو کی تقریباً تمام جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ جمہوری انقلاب ابھی تشنہ تکمیل ہے۔
- وہ یہ بھی سمجھتی ہیں کہ مارشل لا ملک کو دو قدم پیچھے کی طرف لے گیا ہے اور رجعت پسندی اور سامراجی مفادات کو مضبوط کر رہا ہے۔
- لیکن مارشل لا کے خاتمہ کے لئے سیاسی اور عملی جدوجہد کی حکمت عملی پر ان میں اب بھی اختلافات موجود ہیں اور ان میں سے کچھ جمہوریت پسند عوام کے آمریت کے ساتھ تضاد کو اولیت دینے کو تیار نہیں۔

ابتدا میں بائیں بازو کی کچھ پارٹیاں یہ سمجھتی تھیں کہ مارشل لا کے خلاف جدوجہد کے ساتھ ساتھ پیپلزپارٹی کے ۵ سالہ دور حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں پر برابر نکتہ چینی ضروری

www.bhutto.org

ہے۔ وہ ایک عرصہ تک یہی پرچار کرتی رہیں کہ بیک وقت ان دونوں کو ننگا کیا جائے گو آج جبکہ مارشل لا کے نفاذ کو چھ سال ہو چکے ہیں اور اس دوران میں پیپلزپارٹی جو اقتدار سے محروم ہے اور مارشل لا کی سب سے بڑی مخالف اور جس کے کارکنوں نے پارٹی کے مفادات اور بھٹو کی جان بچانے کے لئے لگاتار قربانیاں دی ہیں۔ عوام میں پیپلزپارٹی کو مارشل لا کے ساتھ ساتھ ننگا کرنے کی پالیسی بے وقت کی راگنی معلوم دیتی ہے اور مارشل کو کمزور کرنے کی بجائے مضبوط ہوتی ہے اور عوام کو یوں لگتا ہے جیسے یہ پارٹیاں بلا واسطہ طریقے سے مارشل لا کی حمایت کر رہی ہوں چنانچہ ان حالات کو دیکھ کر انہوں نے اب پینترا بدلا ہے اور اپنی نکتہ چینی کی توپوں کا رخ ایم آرڈی کی طرف پھیر دیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے یہ پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ایم آرڈی جدوجہد کرنا نہیں چاہتی۔ اور تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ وہ بڑی زبردست جدوجہد میں مصروف ہیں حالانکہ وہ جدوجہد کرنا ہی نہیں چاہتیں اور اگر چاہیں بھی تو کر نہیں سکتیں۔

پاکستان نیشنل پارٹی:

ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ پاکستان نیشنل پارٹی میں مختلف انقلابی گروپ اور پارٹیاں شامل ہو گئی ہیں گو وہ سبھی پاکستان نیشنل پارٹی میں مدغم ہو گئی ہیں لیکن دراصل وہ پاکستان نیشنل پارٹی کو ایک فرنٹ سمجھتی ہیں اور انکے گروپ اپنی علیحدہ علیحدہ تنظیمیں قائم رکھے ہوئے ہیں۔

اب ہم پاکستان نیشنل پارٹی کے مارشل لا اور جمہوریت کی بحالی کی تحریک کے متعلق رویے کا جائزہ لیں گے۔

چونکہ بھٹو حکومت نے بلوچستان پر فوجی چڑھائی کی تھی اور بلوچ عوام چار سال تک مزاحمتی جنگ لڑتے رہے تھے ان کے اندر نفرت کے بے پناہ جذبات موجزن تھے حالانکہ بھٹو خود ایک چھوٹی اور مظلوم قومیت سے تعلق رکھتا تھا لیکن چونکہ فوج میں اکثریت پنجابیوں کی تھی اس لئے پنجاب کو غاصب اور جارح سمجھا جاتا تھا چونکہ ضیاء الحق نے اس لڑائی کو بند کیا تھا اور عام معافی کا اعلان کیا تھا اور ان کی بحالی کے لئے کثیر رقم بطور امداد کے بھی تقسیم کی تھی اور حیدر آباد مقدمہ کو ختم کر کے بلوچ رہنماؤں کو رہا کیا تھا (حالانکہ پنجابی فوج ضیاء الحق کی کمان میں ان کے خلاف برسرپیکار رہی تھی اور ان کی رہائی اور حیدر آباد مقدمہ کی واپسی دراصل مارشل لا حکومت کو تقویت دینے اور پیپلزپارٹی کو

www.bhutto.org

ISOLATE کرنے کی پالیسی کی وجہ سے عمل میں آئی تھی) اس لئے وہ سیاسی اور ذاتی طور پر ضیاء الحق کے ممنون تھے اور پیپلزپارٹی کے خلاف تلخ نوا چنانچہ حیدر آباد مقدمہ کی واپسی کے بعد غوث بخش بزنجو اور قسور گردیزی جب بھی لاہو آئے جو پیپلزپارٹی کا گڑھ تھا اس کے فاشسٹ ہتھکنڈوں کے تذکرے کے حوالے سے نفرت کا اظہار کرتے رہتے بزنجو صاحب پیپلزپارٹی سے بہت رنجیدہ تھے اور بجا طور پر کیونکہ نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان) میں وہی ایک واحد قد آور شخصیت تھے جو نیپ اور پیپلزپارٹی کے اتحاد کے لئے کوشاں رہے اور اس کی پاداش میں پارٹی کے نوجوانوں سے بابائے مذاکرات کا لقب پایا۔ حالانکہ ان حالات میں یہ پالیسی بالکل درست تھی اور جمہوری انقلاب کو آگے بڑھانے والی تھی لیکن پیپلزپارٹی نیپ (ولی خان) کی بجائے جماعت اسلامی سے جو بنیادی طور پر پیپلزپارٹی کی مخالف تھی پینگیں بڑھاتی رہی۔ چنانچہ بزنجو صاحب کی تلخی قدرتی تھی۔

حیدر آباد مقدم کی واپسی کے بعد کچھ بلوچ رہنما کھلے طور پر مارشل لا کی حمایت میں اتر آئے اور بلوچستان میں مارشل لا حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کو سراہتے رہے جن کے خلاف آخر بزنجو کو تادیبی کارروائی کرنی پڑی۔

ان حالات میں جب ایم۔آر۔ڈی معرض وجود میں آئی تو اس میں شمولیت کیلئے اس کے کم از کم پروگرام میں صوبجاتی خود مختیاری کے مسئلہ کو شامل کرنے کی شرط رکھی اور اگر ایم آرڈی اس بات پر متفق نہ ہو تو کم از کم پیپلزپارٹی لکھ کر اس سلسلہ میں اسے یقین دہانی کروائے تو وہ ایم آرڈی میں شامل ہوگی غوث بخش بزنجو کا استدلال یہ ہے کہ بلوچستان کے موجودہ حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں (ان کا ذکر ہم تفصیل کے ساتھ صوبجاتی خود مختیاری کے باب میں کر چکے ہیں) کہ وہ پاکستان کے ساتھ آخری لنک ہیں۔ ایسا کم از کم پروگرام جس میں صوبجاتی خودمختیاری کو ۱۹۷۳ کے آئین میں دیئے گئے تحفظات سے آگے نہ بڑھایا جائے تو بلوچ عوام کو قبول نہ ہو گا۔ اور ان حالات میں اگر وہ ایم۔آر۔ڈی میں شامل بھی ہو جائیں تو بلوچ عوام ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اور اگر وہ بلوچ عوام سے کٹ جائیں اور ان کی حمایت وہ ایم۔آر۔ڈی کے لئے حاصل نہ کر سکیں تو ایم آرڈی کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا اور ان کی ذات کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ اپنے ہی عوام میں اجنبی بن کر رہ جائیں گے۔ آج بھی نوجوان طبقہ ان کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بزنجو کے اس استدلال میں یقیناً کچھ وزن ہے لیکن موجودہ حالات میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آیا بلوچ عوام اپنے حقوق ملک کے باقی عوام کی مدد کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں؟ ہمارا

www.bhutto.org

خیال ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ بلوچستان بنگلہ دیش نہ ہے پیپلزپارٹی کے دور حکومت میں چار سالہ جنگ مزاحمت میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ بلوچ عوام اپنے مفادات پاکستان کے باقی عوام خصوصاً پنجابی عوام کی مدد اور حمایت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ اب تو بلوچستان خلیج کی قربت کی وجہ سے ایسی سٹریٹجک پوزیشن حاصل کر چکا ہے کہ بلوچ عوام کی خود مختیاری کی جدوجہد اور بھی گنجلک ہو گئی ہے اگر پاکستان نیشنل پارٹی پاکستان کی آزادی اور یک جہتی پر یقین رکھتی ہے تو اسے فوجی آمریت کے خلاف علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ پاکستان کے عوام اور پارٹیوں سے مل کر جدوجہد کرنی ہو گی کیونکہ موجودہ پاکستان میں چھوٹی قومیتوں کے حقوق کی جدوجہد پنجاب کے عوام کے حقوق کی جدوجہد سے مربوط ہے۔

اگر وہ صوبجاتی خود مختیاری کے لئے ملک کے باقی حصوں کے عوام کی مدد کے خواہاں ہیں تو انکا فرض ہے کہ پنجاب کے عوام کی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد میں ہاتھ بٹائیں۔ پنجابی عوام بھی بلوچی عوام کی طرح آمریت کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں۔ پنجاب کے فوجی حکمران اور سرمایہ دار سوئی گیس، منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم کے حوالے سے پنجابی عوام کی چھوٹی قومیتوں کی اپنے حقوق کیلئے جدوجہد کو دبانے کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کریں گے اگر پنجابی عوام اس دام فریب میں آ گئے تو مجموعی طور پر تمام قومیتوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

بلوچستان میں چار سالہ مزاحمتی جنگ کے دوران بلوچ نوجوانوں میں پاکستان سے آزادی حاصل کرنے کے جذبات بھی پرورش پا رہے ہیں لیکن اس بار انکے ذہنوں میں نئی حکمت عملی نے بھی پرورش پائی ہے چونکہ پیپلزپارٹی کا گڑھ پنجاب تھا اور پنجاب کی ہی فوج میں اکثریت تھی جو بلوچوں کے خلاف برسرپیکار رہی۔ اس لئے انہوں نے ان خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ اس بار وہ لڑنے میں پہل نہیں کریں گے بلکہ وہ انتظار کریں گے پنجاب کے عوام کا فرض ہے کہ وہ فوجی حکومت کے خلاف جدوجہد کریں جب وہ ایسا کریں گے تو وہ ان کا ساتھ دیں گے۔

ان حالات کی وجہ سے پنجابی عوام کے ذہنوں میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پیپلزپارٹی کی حکومت کے زمانہ میں جب پہلی بار بلوچستان کے منتخب نمائندوں کی صوبائی حکومت قائم کی گئی اور جب ان کے کچھ اختیارات میں مرکز کی طرف سے مداخلت کرنے کی کوشش کی گئی تو مزاحمتی جنگ شروع ہو گئی لیکن آج جبکہ پچھلے چھ سال سے براہ راست فوجی راج قائم ہے اور دوسرے صوبوں کی طرح نامزد شدہ صوبائی حکومت بھی نہ

www.bhutto.org

جدوجہد کا ایک حصہ بن جائے گی۔

فلسطین کے مسئلہ پر تو عالم اسلام اور حکومت پاکستان کو ہر حالت میں امریکی سامراج کے خلاف تھوڑی بہت آواز اٹھانی پڑتی ہے خواہ وہ کتنی ہی نیم دلی سے کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ پر پاکستانی عوام کو زیادہ باشعور کیا جا سکتا ہے اور یہ بتایا جا سکتا ہے کہ امریکی سامراج کس طرح مشرق وسطیٰ کے تیل پر غاصبانہ قبضہ جمائے رکھنے کے لئے ایک طرف اسرائیل اور دوسری طرف پاکستان کو کیل کانٹے سے لیس کر رہا ہے اور کسطرح نہ صرف پاکستان کی معیشت کو اپنے زہریلے پنجوں میں جکڑے جا رہا ہے اور اس کی سالمیت کو بھی خطرے میں ڈال رہا ہے اور پاکستانی افواج کو اسلامی ممالک کے عوام کو دبانے اور شیوخ اور بادشاہوں کی رجعت پسند حکومتوں کو قائم رکھنے کے لئے استعمال کرنے کے لئے منصوبہ بندی کر رہا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بھی ضرورت ہو گی ضیاء الحق کی جگہ امریکی سامراج ایم ۔آر۔ڈی کی پارٹیوں کو لے آئے گا ضیاء الحق اور ایم ۔آر۔ڈی ـــــ دونوں گھوڑے ہی اس کے ہیں اس لئے دور سے رہنا چاہئے اور دونو کے خلاف بیک وقت جدوجہد کرتے رہنا چاہئے اور اس لئے ایک علیحدہ متحدہ محاذ جو بائیں بازو کی پارٹیوں پر مشتمل ہو بنانا چاہئے۔

اول تو یہ استدلال ہی غلط ہے کہ مستقبل میں جس گھوڑے کو استعمال کیا جاتا ہے اسے اس گھوڑے کے برابر سمجھا جائے جس پر وہ آج سوار ہے کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ مستقبل کا گھوڑا اس کے قابو میں ہی رہے گا یہ حقیقت ہے کہ ایم۔ آر۔ ڈی میں ایسی پارٹیاں موجود ہیں جو امریکی سامراج کی کسی صورت میں بھی آلہ کار نہیں بن سکتیں بلکہ بین الاقوامی اور قومی حالات کے تقاضے ایم آر ڈی کے اندر سنٹرلیسٹ پارٹیوں کو بھی مجبور کر رہے ہیں کہ وہ امریکی سامراج کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حال ہی میں ایم آر ڈی کے رہنماؤں نے نہ صرف حکومت پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ ببرک کارمل حکومت کے ساتھ براہ راست بات چیت کر کے باہمی کشیدگی کی فضا کو ختم کرے اور افغان مہاجرین کو باعزت طریقے سے واپس بھیجوائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بلوچستان میں امریکی سامراج کو ہوائی اڈے اور دوسری سہولتیں فراہم کرنے کے متعلق بھی مثبت پالیسی اختیار کی ہے اور زور دار الفاظ میں ان اڈوں کی تعمیر کی مذمت کی ہے اور قوم کو آگاہ کیا ہے کہ ضیاء الحق حکومت کس طرح پاکستان کو امریکی سامراج کا آلہ کار بنا رہی ہے اور ہماری مقدس سر زمین کو ناپاک سازشوں کے لئے استعمال کرنے کی کھلی اجازت دے رہی ہے ۔ ایم آر ڈی کے رہنماؤں

www.bhutto.org

ہے اور کسی قسم کا آئینی تحفظ کسی کو حاصل نہیں تو بلوچ کیوں خاموش بیٹھے ہیں کیا وہ بالواسطہ مارشل لا کی حکومت کی حمایت نہیں کر رہے؟

حیدر آباد مقدمہ کی واپسی کے بعد ضیاء الحق حکومت نے بلوچستان میں چند ترقیاتی منصوبوں پر کام کرنا شروع کر دیا امریکہ نے بھی خاص طور پر بلوچستان کی ترقی کے لئے فنڈز فراہم کئے۔ گویہ ترقیاتی منصوبے زیادہ تر سڑکیں بنانے ہوائی اڈے تعمیر کرنے اور گودیاں بنانے کے لئے ہیں اور نوکر شاہی بھی ان فنڈز میں سے بے دریغ پیسہ اڑا رہی ہے۔

پاکستان میں ایک بار پھر صوبجاتی خود مختیاری کے مسئلہ پر تاریخ اپنے آپکو دہرا رہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھی ایوب خان کی حکومت کے آخری سالوں میں بھی یہی کیفیت تھی گو سیاسی' جغرافیائی اور سماجی حالات بہت مختلف تھے اس کے باوجود ذہنوں کی نشوونما میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

ایم - آر-ڈی کے قیام کے فورا بعد پاکستان نیشنل پارٹی کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ یہ امریکی سامراج کی نئی چال ہے اور ایم آرڈی امریکی سامراج کی آلہ کار کے طور پر کام کر رہی ہے اس لئے اس میں شامل ہونا امریکی سامراج کی مدد کرنا ہو گا اور چونکہ امریکی سامراج اس علاقے میں پاکستان کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اسے بھاری امداد اور قرضے دے رہا ہے اور اس کی فوج کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کر رہا ہے اور اس سے پاکستان کی آزادی اور سالمیت کو خطرہ لاحق ہے اس لئے امریکی سامراج کی مخالفت کو اولیت حاصل ہے اور جو پارٹی امریکی سامراج کی مخالفت کو اولیت نہیں دیتی وہ امریکی سامراج کی کاسہ لیس ہے۔

یہ دلائل ایسے مفروضوں پر مشتمل ہیں جیسے امریکی سامراج کوئی غیر مرئی آفاقی چیز ہو جو پاکستان کے ارباب اقتدار کے علم کے بغیر پاکستان کی معیشت سیاست اور فوج پر چھائی جا رہی ہے حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ امریکی سامراج کو از سر نو زور دار طریقے سے پاکستان میں داخل کرنے والی طاقت پاکستان کے اندر ہی موجود ہے اور وہ ہے۔۔ ضیاء الحق کی مارشل لا حکومت امریکی سامراج اور ضیاء الحق کی حکومت اپنے باہمی مفادات کی بنا پر گھی شکر ہو رہے ہیں دونو کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے اور چونکہ پاکستان میں امریکی سامراج کی ریشہ دوانیوں کی امداد اور مفادات کی حفاظت کا بیڑا ضیاء الحق حکومت نے اٹھا رکھا ہے۔ اس لئے ضیاء الحق کی مارشل لا حکومت کے خلاف جدوجہد امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد ہے اور جوں جوں یہ جدوجہد آگے بڑھے گی یہ امریکی سامراج کے خلاف عالمی

www.bhutto.org

کے اس بیان کے بعد حکومت کو تردیدی بیان جاری کرنا پڑا۔

کچھ عرصہ ہوا سی آئی اے کے ایجنٹ پروفیسر کلیک جو افغان مجاہدین کے لئے اسلحہ سمگلنگ کرنے کے کام پر مامور تھا اور پکڑا گیا اور اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور اسے بیس سال سزا سنائی گئی۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ پروفیسر کلیک پاکستان سے غائب کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے ہی جیل سے نکال کر خفیہ طور پر امریکہ پہنچایا جا چکا ہے اس مسئلہ پر بھی ایم آر ڈی کے رہنماؤں نے امریکی سی آئی اے کی پاکستان میں سرگرمیوں کی سخت مذمت کی ہے اور نشاندہی کی ہے کہ امریکی قرضوں کیوجہ سے پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کو گروی رکھا جا رہا ہے اور سی آئی اے کو اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے اور ایف ۱۶ طیارے جو کہنے کو تو پاکستان کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت کے لئے حاصل کئے گئے ہیں لیکن ان کی آمد کے ساتھ ہی پاکستان کی آزادی اور حاکمیت چھینی گئی ہے اور پاکستان حکومت کر یہ اختیار بھی نہیں رہا کہ ایک امریکی مجرم کو پاکستانی قانون کے مطابق سزا دے کر جیل بھجوا سکے۔

پاکستان نیشنل پارٹی کے رہنماؤں کو اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ باوجودیکہ ایم -آر -ڈی کے کم از کم پروگرام میں محض آئین کی بحالی اور انتخابات کرانا کی بات ہی شامل ہے لیکن اسی پلیٹ فارم سے تمام وہ باتیں کہی جا سکتی ہیں جو جمہوری انقلاب کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہیں۔

عملی سیاست کے ان تقاضوں سے ظاہر ہے کہ ضیاء الحق حکومت کی مخالفت امریکی سامراج کی مخالفت سے مربوط ہو چکی ہے۔ آج ضیاالحق حکومت کی مخالفت امریکی سامراج اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے اسے ہر قسم کا سہارا مہیا کیے ہوئے ہے۔ اور آج پاکستان میں امریکی مداخلت بڑھ رہی ہے۔ کیونکہ ضیاالحق حکومت قائم ہے۔ اگر ضیاالحق حکومت کسی عوامی تحریک کے نتیجے میں ختم ہوتی ہے تو یقیناً امریکی سامراج بھی عوام کی تحریک کی زد میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہ ترقی پسند قوتوں پر منحصر ہو گا کہ وہ کس قدر اور کس طرح ایسی تحریک میں حصہ لیتی ہیں۔ اور جدوجہد کے دوران عوام کی رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں یا نہیں۔ لیکن یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر وہ اس تحریک کے کنارے پر ہی کھڑی رہیں تو وہ 69-1968 کی طرح کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر سکیں گی۔ اگر پاکستان نیشنل پارٹی بھی ایم آر ڈی میں شامل ہو کر جمہوریت کی بحالی کی تحریک میں مثبت کردار ادا کرے تو یقیناً اس تحریک کو نہ صرف بہت تقویت ملے گی بلکہ اس کی بہت سی کمزوریوں اور خامیوں

www.bhutto.org

پر بھی قابو پایا جا سکے گا۔

موجودہ حالات میں اس بات کو بھولنا نہیں چاہئے کہ جماعت اسلامی جو دوسری رجعتی طاقتوں کے بل بوتے پر اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرنے کے لئے پر تول رہی ہے ہر صورت اور ہر حال میں ایم - آر -ڈی میں انتشار ڈالنے اور اسے توڑنے کے درپے ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ بائیں بازو اور پیپلز پارٹی کو دوسری پارٹیوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور اس کی رہنمائی میں ایسا اتحاد وجود میں لایا جائے جو ان کی مزہبی فاشزم قائم کرنے میں ہتھیار بنے۔ اس لئے ترقی پسند قوتوں کی حکمت عملی ان رجعت پسندوں کو تنہا کرنے پر مبنی ہونی چاہئے۔ ان حالات کی وجہ سے آہستہ آہستہ شکست وریخت کے ذریعے نئے اتحاد وجود میں آ رہے ہیں۔ کل تک خاکسار پارٹی مکمل طور پر مارشل لاء اور جماعت اسلامی کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے کھڑی نظر آتی تھی لیکن آج اسکا ایک بڑا حصہ ایم- آر-ڈی میں شامل ہونیکا فیصلہ کر چکا ہے۔ اسی طرح شیعہ پولٹیکل پارٹی بھی ایم آر ڈی میں شمولیت کے لئے درخواست دے چکی ہے۔ ترقی پسندوں کا فرض ہے کہ وہ اس جمہوری اتحاد کو وسیع اور مضبوط کریں۔ اور ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانیکا خیال ترک کر دیں۔ وہ نہ صرف ملک اور قوم کے لئے نقصان دہ ہو گا بلکہ بائیں بازو کی پارٹیوں کے لئے بھی سود مند ثابت نہیں ہو گا۔ اور انہیں تنہا اور بے یارومددگار کر دے گا۔ اور ان پر ضیاالحق کی بی ٹیم کا لیبل بھی چسپاں کر دے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضیاالحق کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد کوئی اور جرنیل ملک پر سوار ہو جائے گا اس لئے ضیاالحق کے خلاف جدوجہد کرنے سے فائدہ کیا ہوگا؟ اس وقت تک خاموش رہنا چاہئے اور اپنے آپ کو مضبوط بنانا چاہئے جب تک ایسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ ہم اس قدر طاقت ور ہو جائیں کہ اس حکومت کی جگہ لے سکیں۔ یہ مفروضہ اس طرح قائم کر دیا جاتا ہے جیسے پاکستان کے اندر ترقی پسند قوتوں کی مخالف طاقتیں بالکل ساکت و جامد ہوں اور وہ کوئی عمل نہ کر رہی ہوں۔ اور صرف ترقی پسند ہی اپنے آپکو مضبوط کر رہے ہوں۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی سیاسی پارٹی محض تنظیم اور اعلیٰ و ارفع نظریات کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ ظالمانہ طاقت کے خلاف عوام میں جا کر جدوجہد نہ کرے۔ عوام اپنے مفادات کے حوالے سے جدوجہد کے دوران شعور حاصل کرتے ہیں اور پارٹیوں کو تقویت دیتے ہیں۔ جو بھی خاص وقت اور خاص حالات میں ظالمانہ طاقت کے خلاف جدوجہد میں عوام کی رہنمائی کرتا ہے بشرطیکہ وہ

www.bhutto.org

ان حالات میں عوام کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہو اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ ۶۹-۱۹۶۸ء کی تحریک اور مختلف پارٹیوں کے کردار سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی تحریک کے بل بوتے پر ضیاالحق حکومت ختم بھی ہو جائے تو امریکی سامراج پیپلز پارٹی کی حکومت بنوا دے گا۔ ان کی لیڈرشپ پہلے ہی امریکی نمائندوں سے بات چیت کر رہی ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو ایک بار پھر پیپلز پارٹی اپنے مخالفین کو جوروستم کا نشانہ بنائے گی۔ اور اب اسکے تمام لیڈر ایک ایک کر کے بیماری کے بہانے یورپ اور امریکہ یاترا پر جارہے ہیں کوئی نہ کوئی کھچڑی ضرور پک رہی ہے۔ اس لئے ایم آر ڈی کی ایسی تحریک میں شامل ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی پھر سے برسراقتدار آجائے۔ لیکن ان لوگوں کو یہ جاننا چاہیے کہ پیپلز پارٹی کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی ضیاالحق حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ پیپلز پارٹی نے ضیاالحق سے آپنے تضاوات کی وجہ سے لگاتار چھ سال جدوجہد کی ہے۔ اس کا ثمر اسے عوام کی حمایت کی شکل میں مل رہا ہے۔ اگر کوئی دوسری پارٹی اس جدوجہد میں شریک ہوتی ہے تو وہ خود عوام کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کر لے گی۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ایم آر ڈی سے انڈی پنڈنٹ جدوجہد کرنی چاہیے۔ انڈی پنڈنٹ جدوجہد کے راستے میں ایم آر ڈی ہرگز حائل نہ ہے۔ اور ایم -آر -ڈی ایسی جدوجہد کی حمایت کرتی ہے لیکن اگر یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ ایم -آر -ڈی عوام دشمن کردار ادا کر رہی ہے اس لئے اس سے علیحدہ رہ کر جدوجہد کی جائے۔ تو عوام اسے ضیاالحق کا چھوڑا ہوا شوشہ سمجھیں گے اور اسی پالیسی کی بالکل نفی کر دے گی جس کے لئے جدوجہد کا اعلان کیا جاتا ہے۔

مارشل لا کی طوالت کی وجہ سے خیر بخش مری اور عطاء اللہ مینگل اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کے لئے پاکستانی وفاق میں کوئی جگہ نہیں اور انہوں نے آزاد بلوچستان کا مطالبہ کر دیا ہے۔ ان حالات میں بلوچستان کی صوبائی خودمختیاری کا مسلہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اور پاکستان نیشنل پارٹی کے لئے جس کے رہنما بلوچستان کے گورنر رہ چکے ہیں اور بھی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ اس مسئلے کا حل ایک بڑا قدم اٹھا کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر اسے پردوں کے پیچھے چھپایا گیا اور خفیہ رکھا گیا یا اس سے بچنے کے لئے محض کبوتر کی طرح آنکھیں بند رکھی گئیں تو اس سے نتائج نہ صرف پاکستان بلکہ اس سارے خطے کے لئے خطرناک ہوں گے۔

ان حالات میں بلوچستان کی قومی خودمختیاری کے مسائل مزید گنجلک ہوتے جا رہے ہیں

www.bhutto.org

اور یہ مسائل بقیہ پاکستان کی عوامی تحریک سے علیحدہ رہ کر حل نہیں ہو سکیں گے۔ ۷۳-۱۹۷۷ء کی چار سالہ مزاحمتی جدوجہد جس کا نصب العین پاکستان کے وفاق کے اندر صوبجاتی خودمختیاری حاصل کرنا تھا۔ ملک کے باقی حصوں کی تحریک سے بالکل کٹی ہوئی تھی۔ بلکہ حکومت وقت نے اس پر اس قدر دبیز پردے ڈال رکھے تھے کہ عوام کو پوری طرح خبر بھی نہ تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور جن حلقوں کو خبر تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ان کی آواز نہایت ہی کمزور اور نحیف تھی۔ وہ سوائے ایک آدھ اشتہار اور پمفلٹ چھاپنے یا ریزولیشن پاس کرنے کے کچھ بھی نہ کر سکے۔ جب مزاحمتی جدوجہد ختم ہوئی اور اس میں حصہ لینے والے پنجابی نوجوان جو چکرخاں کے نام سے جدوجہد میں شامل تھے جب وطن واپس لوٹے تو وہ سیاست کے مرکز لاہور جیسے شہر میں بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتے تھے اور ان حالات کی وجہ سے ذہنی پریشانیوں اور مایوسی کا شکار تھے۔ اس لئے بلوچستان کی خودمختیاری کی جدوجہد باقی جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد سے علیحدہ نہیں کی جاسکتی۔ نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما غوث بخش بزنجو کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ بلوچستان اور اور باقی پاکستان کے درمیان آخری لنک ہیں (حکومت جن رجعت پسند اور موقعہ پرست سرداروں کو لنک بنائے ہوئے ہے وہ درحقیقت عوامی سیلاب کے سامنے ایک تنکے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے) پاکستان کی یک جہتی اور سالمیت اور بلوچ خودمختیاری کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ بلوچستان کی جدوجہد کو باقی پاکستان کی جمہوری جدوجہد کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ بلوچستان کے قومی مسلہ کا حل کرنیکی جدوجہد پاکستان کی جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے بلوچ رہنماوں کا فرض ہے کہ وہ بلوچستان سے جمہوریت کی بحالی کے لئے آواز اٹھائیں۔ اور پنجاب میں جمہوری تحریک کا فرض ہے کہ وہ قومی مسائل کو اپنے پروگرام کا حصہ بنائیں۔ کیونکہ انکی بحالی جمہوریت کی جدوجہد قومی مسائل کے حل کرنیکی جدوجہد کے بغیر تشنہ اور نامکمل ہے۔ جس کے نتائج ویسے ہی نکل سکتے ہیں جیسے ۱۹۷۱ء میں نکلے۔

کچھ عرصہ ہوا پاکستان نیشنل پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے ایک بیان میں تحریک بحالی جمہوریت کے وجود اور تشکیل کو سراہا ہے۔ یہ یقیناً بہت خوش آئندہ بات ہے۔ اور اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ پاکستان نیشنل پارٹی کے اندر سوچ میں تبدیلی آرہی ہے۔

آج باوجود تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ایم آر ڈی مارشل لا حکومت کے خلاف ایک ایسی طاقت کے طور پر ابھر رہی ہے جو عوام کی رہنمائی حاصل کر کے رہے گی۔ ایسے

www.bhutto.org

حالات میں پاکستان نیشنل پارٹی کا ایم آر ڈی میں محض اس بنا پر شامل نہ ہونا کہ اس کے پروگرام میں امریکی سامراج کے خلاف اور صوبائی خود مختیاری کے حق میں کوئی شق نہیں محض عذر لنگ ہے۔ اور ان مقاصد کی نفی ہوتی ہے جن کے نام پر تاحال پاکستان نیشنل پارٹی ایم آر ڈی میں شامل نہیں ہوئی۔ اس پالیسی سے پاکستان نیشنل پارٹی عوام سے Isolate بھی ہوتی ہے جو جمہوری تحریک کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور اس کی کمزوری میں اضافہ کرتی ہے۔ اس لئے پاکستان میں جمہوریت کی بحالی اور قومی مسائل کے حل کے لئے اور امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد کرنے اور پاکستان نیشنل پارٹی کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ ایم ۔ آر ۔ڈی میں شامل ہو۔

ویسے بھی اس سے بہت پہلے پاکستان نیشنل پارٹی اور لوک پارٹی کے اوغام کے اعلان میں یہ کہا گیا ہے کہ دونو پارٹیاں جمہوریت کی بحالی کے کم سے کم پروگرام کی بنیاد پر دوسری پارٹیوں سے متحدہ محاذ بنائیں گی۔ اس پر عمل پاکستان نیشنل پارٹی اور پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔

عوامی جمہوری اتحاد

میں تین پارٹیوں (پاکستان ورکرز پارٹی' مزدور کسان (افضل بنگش) مزدور مجلس عمل کے باہمی اوغام کے نتیجے میں پاکستان مزدور کسان پارٹی وجود میں آگئی۔ حبیب جالب کی شخصی انقلابی پرولتاری پارٹی سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہوگئی۔ اور محبان وطن (طفیل عباس) عوامی جمہوری پارٹی میں مدغم ہوگئی۔ اس طرح عوامی جمہوری اتحاد تین پارٹیوں پر مشتمل متحدہ محاذ بن گیا۔ عوامی جمہوری اتحاد کے اندر شروع سے ہی مارشل لا حکومت کے خلاف جدوجہد کے سلسلہ میں طریق کار میں اختلاف چلا آ رہا تھا۔ وہ تضاد مختلف وقتوں میں کھل کر سامنے آیا۔ سوشلسٹ پارٹی اور عوامی جمہوری پارٹی کا موقف یہ تھا کہ گو اپنی وجوہات کی بنا پر پیپلز پارٹی ضیاالحق کی حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے اور اس کا تضاد اس حکومت سے روز بروز گہرا ہوتا چلا جا رہالیکن ہمیں ضیاالحق کی حکومت کے خلاف جدوجہد میں پیپلز پارٹی کو بھی پوری طرح ننگا کرنا چاہیے۔ اور اس نے اپنے دور حکومت میں جو کچھ کیا ہے اسے عوام کے سامنے اس جدوجہد کے دوران واشگاف الفاظ میں پیش کرنا چاہیے۔ اس طرح ہم عوام کو ایک تیسرا راستہ دکھلا سکیں گے۔ سوشلسٹ پارٹی کی لائن کی بنیاد یہ تھی کہ پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ سی آئی اے کی ایجنٹ ہے اور بڑے بڑے وڈیروں کے مفادات کی حفاظت کے لئے وجود میں آئی ہے۔ عوامی جمہوری پارٹی پیپلز پارٹی کی آمرانہ لیڈر شپ اور

www.bhutto.org

وڈیرہ شاہی کی اپنے تجربات کے حوالے سے خلاف تھی کیونکہ وہ خود پیپلز پارٹی میں رہے تھے۔ اور دوسروں سے زیادہ جانتے تھے کہ پیپلز پارٹی کیا ہے؟ پاکستان مزدور کسان پارٹی کا موقف یہ تھا کہ پارٹی کا کردار مثبت اور منفی دونوں پہلو لئے ہوئے تھا۔ اور اسکے کردار کے ہر دو پہلوؤں کا اظہار مختلف وقتوں میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے بعد ایک نہایت ہی رجعت پسند فوجی حکومت کے قیام کے بعد پاکستانی عوام کا آمریت سے تضاد اولیت اختیار کر چکا ہے اس لئے عوام میں آمریت کو ہی آپنی جدوجہد کا ہدف بنانا چاہیے۔ اگر فوجی حکومت اور پیپلز پارٹی دونو ہی جدوجہد کے اہداف رہے تو بالواسطہ طور پر بات فوجی حکومت کے حق میں جائیگی اور عوام یہ سمجھیں گے کہ یہ فوجی حکومت کے بی ٹیم ہیں۔ جیسا کہ ایوب حکومت کے آخری سالوں میں جدوجہد کے دوران ہوا۔ اس طرح بایاں بازو اور ترقی پسند طاقتیں جو پہلے ہی بہت کمزور ہیں عوام سے بالکل کٹ جائیں گی۔ گو سیاسی کارکنوں کو پیپلز پارٹی کے کردار اور اس کے ۵ سالہ دور میں مثبت اور منفی پالیسیوں کے متعلق پوری طرح آگاہ کرنا چاہیے لیکن عوام میں ان حالات میں جبکہ وہ آمریت کے خلاف اپنے تضاد کی وجہ سے سخت ترین جدوجہد میں مصروف ہیں اس پر براہ راست حملہ آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے کا باعث بنے گا۔

اس لئے آمریت کے خلاف صرف پیپلز پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کے لئے سوشلسٹ پارٹی کے رہنما تیار نہ تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر آمریت کے خلاف متحدہ محاذ بنانا ہی ہے تو تمام پارٹیوں کے ساتھ ملکر بنانا چاہیے۔ ان ایام میں ابھی قومی اتحاد کی چند پارٹیاں ضیاالحق کی حکومت میں شامل تھیں اور اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں اور جو نہیں شامل تھیں وہ استقلال پارٹی کے علاوہ ابھی کسی جدوجہد میں شامل ہونے کو تیار نہ تھیں۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق فیصلہ ہوا کہ جو پارٹیاں بھی آمریت کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں انہیں متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دینی چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان تمام پارٹیوں کو اس بارے میں عوامی جمہوری اتحاد کی طرف سے خط لکھا گیا جس کا مثبت جواب صرف استقلال پارٹی کی طرف سے دیا گیا۔

دراصل سوشلسٹ پارٹی کی اس پالیسی کی بنیادی وجہ وہ تھی جس کا اظہار انہوں نے ایک مضمون میں جو ہفت روزہ عوامی جمہوریت کے شمارہ نمبر ۴۲ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۲ میں چھپا ہے کیا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے۔" وڈیرہ جمہوریت کے دن اب ختم ہوئے۔ زمانہ اب سلطانی جمہور کا ہے" ۔ اس مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ آئین کی بحالی اور جمہوریت

کی جدوجہد وڈیرہ جمہوریت کی جدوجہد ہے جس کے دن بیت چکے ہیں۔ اور یہ کہ جمہویت پسندوں کے پیٹ میں جمہوری جدوجہد کا مروڑ اس وقت اٹھتا ہے جب پاکستان حکومت سویت یونین کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کے راستے پر گامزن ہوتی ہے۔ چنانچہ سوشلسٹ پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ایک اہم رکن اس مضمون میں رقمطراز ہیں کہ ایوب خاں کے آخری چار سال ہی تھے جس میں اشتراکیت کی بات کرنیکی چھوٹ تھی لیکن یہی وہ زمانہ ہے جب جمہوریت پسندوں کے پیٹ میں بہت زیادہ مروڑ اٹھتا رہا۔ ....ہمارے موجودہ کرم فرما افغانستان اور ایران کے انقلاب کے تین چار سال بعد اب مجبور ہو گئے ہیں کہ سویٹ یونین سے بھی کچھ اپنے معاملات درست کر لیں۔ اور اس امر کا اندازہ کچھ امریکہ بہادر کو بھی ہو گیا ہے اور حضور انکل سام کے غلامان غلام جناب جتوئی صاحب' جناب پیر صاحب پگارا شریف' جناب مزاری صاحب' جناب میاں طفیل محمد صاحب' جناب ایرمارشل صاحب اور ان کے شامل باجے خود ساختہ بائیں بازو والوں کو بھی چنانچہ جمہوریت کا شور ملک میں زیادہ اونچے سروں میں سننے میں آ رہا ہے۔ بلکہ جناب جتوئی صاحب کے سلسلہ میں تو پچھلے دنوں سندھ میں یہ افواہیں بڑے زور سے گشت کرتی رہیں کہ حضور والا کی منصب داری کی منظوری حضور ریگن صاحب نے مرحمت فرما دی ہے ...."

اس مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ۱۹۷۳ کے آئین کی بحالی اور اس کے تحت عام انتخابات کرانے کا مطالبہ دراصل وڈیرہ جمہوریت کا مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ضیاء الحق کی مارشل حکومت نے سویت حکومت سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے ہیں اور اس تحریک کے ذریعے یہ نام نہاد جمہوریت پسند نشوونما پانے والے نئے تعلقات کی استواری کے راستے میں جمہوریت کے نام پر روڑے اٹکا رہے ہیں۔ انہوں نے بات کی وضاحت کے لئے ایوب کے آخری چار سال کے دوران جمہویت کے لئے جو جدوجہد ہوئی اس کی بھی مثال دی کہ ان دنوں ایوب خاں نے سویت یونین کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی راہ اختیار کی تو جمہوریت پسندوں کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگا۔ گویا کہ ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخاب میں فاطمہ جناح کی حمائت اور ۶۹۔۱۹۶۸ء میں عظیم عوامی تحریک محض اس لئے شروع کی گئی کہ ایوب خاں سویٹ یونین سے تعلقات قائم کر رہے تھے انہوں نے جتوئی' پگاڑا' مزاری' طفیل محمد اور اصغر خاں کے موجودہ کردار کو بھی ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ سب امریکی مفادات کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان مزدور کسان پارٹی اور قومی محاذ آزادی کو جو ایم آر ڈی میں

www.bhutto.org

شامل ہیں، نام نہاد بائیں بازو والے اور شامل باجے کا نام ہے۔

یہ مضمون سوشلسٹ پارٹی کے سرکاری اخبار عوامی جمہوریت جو اس مارشل لا کے زمانے میں بھی متواتر چھپ رہا ہے میں چھپا ہے اور چھپنے کے سات ماہ بعد بھی اس کی تردید نہیں کی گئی جس سے ظاہر ہے کہ یہ سوشلسٹ پارٹی کی سرکاری پالیسی ہے جو جاری و ساری ہے اور باوجود یکہ ریگن حکومت نے ۳۰۲ بلین ڈالر کے قرضے ضیاء الحق حکومت کو دینے کے معاہدے کئے ہیں اور وہ اس ملک میرے اپنے اڈے تعمیر کر رہے ہیں اور افغان مجاہدین کو پروفیسر کلیگ جیسے سی آئی اے کے ایجنٹوں کے ذریعے ہتھیار مہیا کیے جا رہے ہیں اور امریکی سامراج کی موجودہ عالمی پالیسی میں ضیاء الحق حکومت ایک بہت بڑے اور مفید مہرے کے کردار کی جگہ پا چکی ہے لیکن پھر بھی اس پالیسی کی تردید نہیں کی گئی اور نہ کبھی کی جائے گی۔

لیکن باوجود کہ ایم آر ڈی اسی آئی اے کے ایجنٹ پروفیسر کلیگ کی سرگرمیوں کی مذمت کر چکی ہے اور بلوچستان میں امریکی سامراج کے مبینہ اڈوں کی تعمیر کی واشگاف الفاظ میں مخالفت کر چکی ہے لیکن وہ پھر بھی امریکی ایجنٹ ہے۔

سوشلسٹ پارٹی کے موجودہ رہنماؤں کی پالیسی کوئی نئی پالیسی نہیں ہے۔ بلکہ یہ پالیسی ایوب خاں کے زمانے سے چلی آ رہی ہے جبکہ وہ نیپ بھاشانی مغربی پاکستان کے کرتا دھرتا تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ۱۹۷۰ تک سوشلسٹ پارٹی کے یہ رہنماؤں نہایت ہی ہوشیاری اور تدبر سے اس پالیسی پر پردے ڈالے ہوئے تھے اور اسے نہایت ہی خفیہ انداز میں عمل لاتے تھے۔ لیکن اب ان کی اس کاریگری کا سیاسی کارکنوں کو علم ہو چکا ہے چونکہ اس مضمون میں ایوب خاں کے زمانہ میں تحریک جمہوریت کے رہنماؤں کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے کا حوالہ دیا گیا ہے (حالانکہ خود مولانا بھاشانی نے مشرقی پاکستان میں گورنمنٹ ہاؤس کا گھیراؤ کر کے تحریک شروع کی تھی) اس لئے ضروری ہے کہ سوشلسٹ پارٹی کے ان رہنماؤں کی موجودہ پالیسی کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ کے چند حقائق کو سامنے رکھا جائے۔

ایوب خاں کے آخری دور میں نیپ بھاشانی مغربی پاکستان کے صدر سی آر نے پارٹی کو اطلاع دی کہ ایوب خاں کے صاحبزادے اختر ایوب سوشلسٹ ہو گئے ہیں اور وہ باقاعدہ کسانوں میں کام کر رہے ہیں۔ کسان کمیٹیاں بنا رہے ہیں کسانوں کے جلسے کر رہے ہیں اور وہ پارٹی کو فنڈز دینے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ان سے فنڈ لیا جانے لگا لیکن ایوب خان کی حکومت کے خاتمے کے بعد اختر ایوب کی سوشلزم ختم ہو گئی اور اس نے فنڈ دینا بھی بند کر

www.bhutto.org

دیا۔

اسی زمانہ میں ایوب خاں حکومت کے سیکرٹری الطاف گوہر نے اپنے ایک ایڈووکیٹ دوست کے ذریعے پیپلزپارٹی کے مقابلہ کے لئے ۱۲ لاکھ روپیہ فنڈ کی فراہمی کی پیش کش کی لیکن یہ پیش کش تین چار دوستوں کے سامنے کر دی گئی۔ ان حالات میں اس وقت اس پیش کش کو مسترد کر دیا گیا لیکن حیرانی کی بات تھی کہ آخر الطاف گوہر کو یہ پیش کش کرنے کی کن حالات کے تحت جرات ہوئی۔

نیپ بھاشانی مغربی پاکستان کی ورکنگ کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ قرار داد پاس کی کہ ایوب خاں کی حکومت کے خلاف جدوجہد میں اپنے طور پر حصہ لیا جائے۔ چنانچہ لاہور کے کارکنوں کی ایک میٹنگ میں اکثریت سے جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ صدر نے جلوس کی مخالفت کی لیکن وہ اقلیت میں تھے فیصلہ کے فوراً بعد انہوں نے سوشلسٹ پارٹی کے موجودہ جنرل سیکرٹری اور ایک دوسرے دوست کو اعتماد میں لے کر مخفی طور پر جلوس نہ نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے فعال معتمد کارکنوں کو اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا۔ لیکن جلوس نکالنے کے متعلق پارٹی کے فیصلہ کو اخبارات میں چھپوا دیا تاکہ سند رہے۔ چنانچہ اس طریقے سے مقررہ وقت پر بہت کم کارکن جلوس کے لئے اکٹھے ہوئے۔ کارکنوں کے فیصلہ کے مطابق جلوس نکالنے کی خبریں بھی اخبار میں چھپ گئیں اور رہنما کی پالیسی کے مطابق جلوس بھی نہ نکل سکا اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ پارٹی کے کارکن بھی جلوس نکالنے کے لئے تیار نہیں۔

نیپ بھاشانی مغربی پاکستان کی ورکنگ کمیٹی کے ریزولیشن کے مطابق یہ فیصلہ بھی متفقہ طور پر کیا گیا کہ ایوب خاں کی حکومت کے خلاف جدوجہد کے لئے تمام ان پارٹیوں اور گروپوں کو جنہیں حالات نے قرآن جلائے جانے کے جھوٹے واقعہ کے بعد اکٹھا کر دیا ہے پیپلزپارٹی سمیت متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس بارے میں پریس کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا لیکن پریس کانفرنس میں جو بیان سائیکلو سٹائل کر کے تقسیم کیا گیا اس میں سے پیپلزپارٹی کا لفظ حذف کر دیا گیا۔

اس کے بعد پارٹی کے متفقہ فیصلہ کے مطابق پیپلزپارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کے لئے کئی دن تک ڈاکٹر مبشر حسن کے گھر میٹنگیں ہوتی رہیں۔ بھٹو صاحب اس وقت جیل میں تھے۔ بحث مباحثہ کے بعد ایک ڈرافٹ پروگرام تیار کیا گیا اور بھٹو صاحب کو جیل میں بھجوایا گیا۔ انہوں نے کچھ کانٹ چھانٹ کی۔ پھر ایک متفقہ ڈرافٹ تیار کیا گیا۔ اس پر

فریقین کے دستخط کرنے باقی تھے لیکن سوشلسٹ پارٹی کے موجودہ صدر جو اس وقت مغربی پاکستان نیپ بھاشانی کے صدر تھے یہ کہہ کر کہ وہ امریکی سی آئی اے کے ایجنٹوں کے ساتھ متحدہ محاذ نہیں بنا سکتے معاہدے کو حتمی شکل دینے سے انکار کر دیا اس طرح ان تما کوششوں کو سبوتاژ کر دیا گیا جو متحدہ محاذ بنانے کے بارے میں ہو رہی تھیں۔ لیکن جونہی وہی بھٹو اقتدار پر قابض ہوئے اور انہوں نے پہلی بار یوم مئی کے موقع پر محنت کشوں کا جلوس نکالا تو وہ میاں عارف افتخار اور بھٹو صاحب کے ہمراہ اس ٹرک پر سوار ہو گئے جو جلوس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

وہی مصطفےٰ جتوئی جس کے ڈانڈے متذکرہ مضمون میں ریگن سے ملائے گئے ہیں پیپلز پارٹی کے دور میں سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے اس دور میں اراضی کا ایک وسیع و عریض قطعہ محنت کشوں کی آبادی کے لئے سوشلسٹ پارٹی کی رہنما نے حاصل کر کے گلشن کنیز فاطمہ کے نام پر کالونی بنائی جس کا افتتاح اسی ریگن کے دوست مصطفےٰ جتوئی سے کروایا گیا کنیز فاطمہ کے دم سے ہی پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن (سوشلسٹ پارٹی کی ذیلی تنظیم) کراچی میں ایک فعال تنظیم ہے اور ملک بھر میں یہی تنظیم سوشلسٹ پارٹی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اور ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز سے ملحق ہے۔

پیپلز پارٹی کے دور میں ہی سوشلسٹ کے تمام چھوٹے اور بڑے رہنماؤں کو بیرون ملک جانے کے لئے پاسپورٹ حاصل ہوئے۔

فاطمہ جناح کے صدارتی انتخاب میں پارٹی کا فیصلہ فاطمہ جناح کی حمایت حاصل کرنے کا تھا بلکہ مغربی پاکستان بھاشانی نیپ کے صدر سی آر اسلم نے پارٹی کو بتایا تھا کہ بھاشانی کی کوششوں سے ہی فاطمہ جناح کو صدارتی امیدورا بنایا گیا ہے چنانچہ پارٹی نے دل و جان سے فاطمہ جناح کی حمایت کی۔ حتیٰ کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں جہاں پارٹی کا اثر و رسوخ تھا تمام پولنگ سٹیشنوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے لیکن صدر کے با اعتماد کارکن لگاتار فاطمہ جناح کی مخالفت اور ایوب خاں کی حمائت میں پراپیگنڈا کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیپ بھاشانی کو ایوب خاں کی بی ٹیم کہا جانے لگا۔

یہ چند مثالیں ۷۰-۱۹۶۴ کے دوران نیپ بھاشانی کے سلسلہ میں اس لئے دی گئی ہیں تاکہ سوشلسٹ پارٹی کے موجودہ رہنماؤں کی پالیسیوں کو سمجھا جا سکے۔ یوں تو عوامی جمہوریت کے اس سرکاری مضمون میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے جمہوریت کی جدوجہد کے متعلق اپنی پالیسی واضح کر دی ہے لیکن پھر بھی ابہام کی بہت کی گنجائشیں موجود ہیں گو وہ ایم ۔ آر ۔ڈی

www.bhutto.org

کو امریکی سامراج کا ہی ناجائز بچہ قرار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب ایم ۔آر ۔ڈی وجود میں آئی تو پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے میاں محمود علی قصوری کے کہنے پر ایم ۔آر ۔ڈی میں شمولیت کے لئے خط لکھ کر میاں محمود علی قصوری کو دیا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے فوراً بعد تمام مرکزی لیڈر شپ گرفتار ہو گئی اور ان کی غیر حاضری میں دائیں بازو کی پارٹیوں نے اپنی تنظیمی مصلحتوں کے پیش نظر فیصلہ نہ ہونے دیا اس تاخیر کی وجہ سے سوشلسٹ پارٹی کو پاکستان مزدور کسان پارٹی کی طرف سے یہ پیش کش کی گئی کہ ان کی شمولیت کے لئے پاکستان مزدورر کسان پارٹی کی جگہ عوامی جمہوری اتحاد کی ایم ۔آر ۔ڈی میں شمولیت کے لئے کوشش کی جا سکتی ہے تاکہ اس میں شامل سب جماعتیں نمائندگی پا سکیں لیکن پیش کش ٹھکرا دی گئی۔

۱۹۶۳ء سے لے کر سوشلسٹ پارٹی کے رہنماؤں کی پالیسی میں ایک سنہرا تسلسل ہے جو آج تک نہایت ہی خوبصورتی سے قائم ہے جو بھی حکومت برسراقتدار آتی ہے۔ خواہ وہ سی آئی اے کی وساطت سے ہی کیوں نہ قائم ہوئی ہو وہ اس کے خلاف جدوجہد کرنے کے قائل نہیں ہوتے۔ کیونکہ موجودہ دور میں ریاستی سطح پر کئی گئی گذری رجعت پسند حکومتوں کو بھی جغرافیائی' معاشی اور عالمی سیاسی حالات کی وجہ سے سویٹ یونین جیسی عظیم طاقت سے تجارتی اور ثقافتی روابط قائم کرنے پڑتے ہیں جیسا کہ گدو بیراج' سٹیل مل' بیلارس ٹریکٹر کا کارخانہ اور سویٹ یونین کے ساتھ نئے تجارتی معاہدہ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ ان روابط کو اہمیت دیتے ہوئے مستقبل میں حکومت قائم کرنے کے لئے کوشاں سی آئی اے کے فرضی یا حقیقی ایجنٹوں کو اصل ہدف بنایا جا سکتا ہے۔ اس پالیسی کے مطابق رجعت پسند ظالم حاکم وقت کے خلاف جو سامراج کی ایجنٹی کر رہا ہوتا ہے جدوجہد کی ضرورت پیش نہیں آتی اور اس کا حوالہ دیئے بغیر امریکی سامراج کے خلاف بھرپور حملے کئے جا سکتے ہیں۔ جو سودے بازی کے لئے حاکم وقت بھی استعمال کرتا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں اخبار بھی پابندی سے چھپتا رہتا ہے اور سوشلزم کا پرچار بھی ہوتا رہتا ہے۔ شاید اسی پالیسی کے پیش نظر ۱۴ اگست ۱۹۸۲ کو سوشلسٹ پارٹی کے صدر سی آر اسلم یوم آزادی کے موقع پر لاہور شہر کے دوسرے شرفاء کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس میں مدعو کئے گئے تھے اور وہ مولانا طفیل محمد کے ہمراہ گورنر ہاؤس کی سرکاری تقریب میں شامل ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ گو سوشلسٹ پارٹی کا بنیادی تھیسس عوامی جمہوریت کا ہے لیکن جب بھی کبھی عملی جدوجہد میں جمہوریت کی بحالی یا قومی سوال کے حل کا مسئلہ پیش ہو تو وہ فوراً یہ

www.bhutto.org

کہتے ہیں کہ ان مسائل کا حل صرف اور صرف سوشلزم میں ہے۔ سوشلزم کا حل تو کارل مارکس نے آج سے سوا سو سال پہلے ہی پیش کر دیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سوشلزم کی منزل تک پہنچنے کے لئے جن مدارج سے گذرنا ہے انہیں درخود اعتنانہ سمجھا جائے اور انہیں عبور کرنے کے لئے کوئی حکمت عملی اور طریقہ کار نہ وضع کیا جائے اور یہ کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور خود سوشلزم کے آنے کا انتظار میں درس و تدریس کا کام ہی کیا جائے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ اسی وڈیرا جمہوریت کی بحالی کے لئے اکثر قرار داد پاس کرتے رہتے ہیں اور لاہور ہائی کورٹ بار کی کنونیشن جو ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۸۲ کو سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری جوہائی کورٹ بار کے ان دنوں صدر تھے کے زیر انتظام و انصرام ہوئی کا حوالہ دیتے ہیں اور سر دھنتے ہیں اور کامیاب کانفرنس کی داد وصول کرتے ہیں اور اس بات کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں اس کانفرنس کے متعلق ہم وکلا کی جدوجہد کے باب میں روشنی ڈالیں گے اور اس جدوجہد میں بھرپور انداز میں حصہ لے رہے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایام آر ڈی میں شمولیت کے لئے انہوں نے تو درخواست دے دی تھی لیکن چونکہ ایم ۔آر ۔ڈی کی لیڈر شپ نے آج تک اس بارے میں فیصلہ نہیں کیا اس لئے ان کا کیا قصور ہے؟

عام سیاسی کارکنوں کے لئے یہ عجیب معمہ ہے کہ ایک طرف تو سوشلسٹ پارٹی کے سرکاری اخبار میں جمہوریت کی جدوجہد کو وڈیرہ جمہوریت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور پیپلزپارٹی' استقلال پارٹی وغیرہ کے رہنماؤں کو امریکی ایجنٹ کہا گیا ہے اور یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے جمہوریت کی جدوجہد کے لئے آواز اس وقت اٹھائی جاتی ہے جب پاکستان حکومت سویٹ یونین سے اچھے تعلقات قائم کرتی ہے لیکن دوسری طرف پیپلزپارٹی اور استقلال پارٹی کے رہنماؤں (معراج خالد' شیخ رفیق' میاں محمود علی قصوری' اعتزار احسن) کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اسی جمہوریت کی بحالی کے لئے نہایت ہی خوبصورت تقریریں کرتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

دراصل کھلے طور پر جمہوریت کی جدوجہد کی مخالفت کر کے وہ اپنا نصب لعین حاصل نہیں کر سکتے اور عوام اور سیاسی کارکنوں کی نفرت اور عتاب کا نشانہ بنتے ہیں اسی لئے وہ جمہوری تحریک میں شامل ہو کر اس کو جس قدر بریک لگا سکتے ہیں لگاتے ہیں وہ اس کام میں نہایت ہی ماہر ہیں سیاسی کارکنوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ کیا چال چل رہے

www.bhutto.org

ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ جدوجہد جیسی اکھڑ کھردری اور بے ہنگم چیز پر یقین ہی نہیں رکھتے وہ دھیرے دھیرے سوشلزم کی تعلیم دیئے جانے پر ایمان رکھتے ہیں۔ تاکہ آنیوالے وقت کے لئے کاڈر تیار کئے جا سکیں تاکہ جب سوشلزم نازل ہو تو وہ کام چلا سکیں حتی کہ سوشلسٹ پارٹی کے وہ ٹریڈ یونین کاڈر جو بلغاریہ میں ٹریڈ یونین کی تربیت حاصل کر کے آتے ہیں ان کے متعلق اکثر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مستقبل میں سوشلزم کے دور میں ٹریڈ یونینیں چلانے کے لئے تربیت حاصل کی ہے کیونکہ ان میں سے اکثر کسی ٹریڈ یونین میں کام نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ وہ تھوڑا بہت یقین علم جوتش پر بھی رکھتے ہیں کہ وہ اکثر برملا کہتے ہیں کہ ایک جوتشی نے انہیں بتایا ہے وہ جدوجہد کے آدمی نہیں ہیں بلکہ زمانہ امن کے رہنما ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۹ء میں تو یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ ۱۹۸۴ء میں پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب برپا ہو جائے گا۔ لہذا اسے خوش آمدید کہنے کیلئے انہیں تیار رہنا چاہئے ان کی پارٹی کے کارکن اکثر یہ کہتے ہیں کہ خواہ کوئی کچھ بھی کرے جب وقت آئے گا تو وہی انقلاب کے قائد بنائے جائیں گے اور کچھ لوگ تو انہیں ببرک کارمل کا نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

جب عوامی جمہوری اتحاد کی مستقل تنظیم سازی کی جا رہی تھی تو بائیں بازو کے اتحاد کی خاطر سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کو عوامی جمہوری اتحاد کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا لیکن جنرل سیکرٹری نے کبھی میٹنگوں کی کارروائی نہیں رکھی حالانکہ انہیں کئی بار یاد دہانی کرائی گئی چنانچہ انکی سیاسی اور تنظیمی پالیسیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ عوامی جمہوری اتحاد نے دم توڑ دیا۔ دراصل وہ تنظیموں کو فعال سے بے فعال بنانے اور کام میں تعطل پیدا کرنے اور انہیں نہایت ہی سلجھے ہوئے انداز سے سلا دینے کے ماہر ہیں اور اچھی بھلی تنظیم کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اسے لحد میں اتارا جا رہا ہے۔

ایوب خاں حکومت کے آخری ایام میں ایک ہمہ گیر تحریک ترقی پسند نعروں کے ساتھ ملک کے کونے کونے میں پھیل رہی تھی۔ لاکھوں لوگ ملک کے طول و عرض میں تحریک میں حصہ لے رہے تھے دوکاندار ہڑتالیں کر رہے تھے طلبا جلوس نکال رہے ہیں اور مزدور فیکٹریوں پر قبضہ کر رہے تھے اور تحریک کا رخ جمہوری انقلاب کو آگے بڑھانے کی طرف تھا ایسے حالات قوموں اور ملکوں کی زندگی میں بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ ایسے لمحات کبھی کبھار ہی آتے ہیں لیکن سوشلسٹ پارٹی کے موجودہ رہنما نے جو ان دنوں مغربی پاکستان میں نیپ

www.bhutto.org

پاکستان مزدور کسان پارٹی

یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان میں ابھی تک جمہوری انقلاب نامکمل ہے۔
جمہوری انقلاب کی تکمیل کے لئے فیوڈل ازم اور ہر شعبہ میں امریکی سامراج کی بالا دستی کا خاتمہ ضروری ہے۔ ۷۳-۱۹۶۸ء میں سرمایہ دارانہ جمہوریت یا جمہوری انقلاب ایک قدم آگے بڑھا تھا لیکن ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لا کے نفاذ کے ساتھ دو قدم پیچھے چلا گیا۔ جس کے نتیجے میں امریکی سامراج کی گرفت اور مضبوط ہو گئی اور انحطاط پذیر فیوڈل ازم کو آمریت کا سہارا مل گیا اور اب پاکستان امریکی سامرج کی عالمی حکمت عملی کو کامیاب کرنے کے لئے ایک بہت بڑے مہرے کا کردار ادا کر رہا ہے امریکہ اور پاکستان کے فوجی رابطے برابر بڑھ رہے ہیں اور امریکہ پاکستان کو اس خطے میں اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے ایک سنجیدہ اور مضبوط فوجی عنصر میں تبدیل کر رہا ہے۔ جدید ترین امریکی اسلحہ پاکستان کے بیس فوجی ڈویژنوں کو ازسر نو اسلحہ بند کرنے کے کام لایا جا رہا ہے اور وہ امریکہ کی فوری کارروائی والی فورس کی طرز پر تشکیل پا رہا ہے۔ امریکی محکمہ دفاع کے مطابق خلیج فارس میں بحران کی صورت میں اس پاکستانی فوجی ڈویژن کو ٹرانسپورٹ طیاروں کے ذریعے وہاں پہنچایا جا سکتا ہے اب پاکستان کے علاقے میں مسلح امریکی کمان کے علاقائی ہیڈ کوارٹر اور امریکی سی آئی اے کے علاقائی ہیڈکوارٹر ہمسایہ ممالک میں پوشیدہ دخل اندازی کے پروگرام بنا رہے ہیں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں الیکٹرانک سراغرسانی کے سٹیشن قائم کر رہا ہے جو امریکی فوجی کارروائیوں میں مدد دینے کے ساتھ پڑوسی ملکوں کے بارے میں جاسوسی معلومات حاصل کریں گے اس طرح پاکستان کی آزادی اور سالمیت' آمریت کو طویل کرنے کے لئے داؤ پر لگایا جا رہا ہے جوں جوں یہ پالیسی زیادہ سے زیادہ عمل میں آتی چلی جائے گی توں توں پاکستانی عوام کی رہی سہی آزادیاں بھی چھنتی چلی جائیں گی۔ تشدد جبر بڑھتا چلا جائے گا۔ سخت گیر پالیسیاں نافذ ہوتی چلی جائیں گی۔

چنانچہ پاکستانی عوام اور تمام جمہوریت پسندوں کا آمریت کے خلاف تضاد اولیت اختیار کر گیا ہے اور قومی مفاد اور محنت کشوں کا جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ساتھ تضاد اور عوام کا امریکی سامراج کے ساتھ تضاد اسی تضاد کا حصہ بن گئے ہیں کیونکہ موجودہ مارشل لا حکومت ہی امریکی اثر و رسوخ کے پاکستان میں دخول کا ذریعہ بنی ہوئی ہے یہ مارشل لا حکومت ہی جاگیرداری نظام اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کو تحفظ دیئے ہوئے ہے بلکہ انہیں مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے جیسا کہ قومیائی ہوئی صنعتوں کو نجی

www.bhutto.org

ملکیت میں واپس کرنے اور شب و روز نجی سرمایہ داری کے فروغ کے لئے ڈھنڈورا پیٹنے کی پالیسی سے ظاہر ہے جیسا محنت کشوں کے خلاف آجروں کو ہائر اینڈ فائر کا اختیار دینے کی پالیسی سے ظاہر ہے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد جس صورت حال نے نشوونما پائی ہے وہ ایک طرف تو پاکستان کی آزدی اور سالمیت کے لئے خطرہ بن رہی ہے اور دوسری طرف پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے راستے میں رکاوٹیں مضبوط سے مضبوط تر کر رہی ہے پاکستان مزدور کسان پارٹی کی نظر میں ان حالات میں سوویت یونین کے ساتھ تجارتی معاہدے اور صنعتوں کے قیام کے لئے منصوبہ بندی سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ پاکستان امریکی سامراج کی مہلک گرفت سے آزاد ہو رہا ہے' درست نہیں ہے۔

ان حالات میں جمہوری انقلاب کو آگے بڑھانے کے لئے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی' مارشل لا اور فوجی عدالتوں کا خاتمہ اور عام انتخابات کا انعقاد پہلے قدم کے طور پر ضروری ہے دراصل جمہوریت کی جدوجہد موجودہ حالات میں سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد کی ابتدائی کڑی ہے۔

لہٰذا ان تمام طاقتوں کو جو مارشل لا حکومت سے علیحدہ کی جا سکتی ہیں علیحدہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اسے تنہا کرنے کی پالیسی پر گامزن رہنا چاہئے اور تمام ان طاقتوں کا جو اس پہلے قدم کے لئے متحد ہو سکتی ہیں ان کو متحد کرنا چاہئے ایم - آر -ڈی کی تشکیل اس سلسلے میں ایک صحیح قدم ہے تمام جمہوریت پسند عناصر اور پارٹیوں اور بائیں بازو کو ایم - آر - ڈی کو متحد اور منظم اور فعال بنانے کے لئے جدوجہد جاری رکھنی چاہئے اور اس اتحاد کو جس قدر وسیع کر جا سکتا ہو وسیع کرنا چاہئے۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی سمجھتی ہے کہ جماعت اسلامی اور اس کادم بھرنے والی دوسری تنظیمیں کسی ایسے جمہوری محاذ میں اب شامل نہیں ہوں گی جو جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے وجود میں آیا ہو بلکہ وہ فوج کے رجعت پسند حصوں اور مذہبی جماعتوں کے انتہا پسندوں افغان مجاہدین اور طلبا میں اپنی فاشسٹ تنظیم کے ذریعے حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے علیحدہ حکمت عملی بنائے ہوئے ہے اس نے طلبا کی تنظیموں پر لاکھوں روپیہ لگا کر طلبا کو تقسیم کیا ہوا ہے اور بجائے حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے کے باہمی لڑائی کے راستہ پر گامزن ہو کر آمریت کو سہارا دے رہی ہے حکومت کی مدد سے مزدوروں کی صفوں میں مذہب کے نام پر لاکھوں روپیہ صرف کر کے تنظیمیں کھڑی کر رہی ہے یہ

www.bhutto.org

تنظیمیں بجائے آمریت کے خلاف آواز اٹھانے کے ضیاء الحق کو اپنی حمایت کا یقین دلاتی رہتی ہیں ۹ ستمبر ۱۹۸۲ء کے روز نامہ مسلم کی ایک خبر کے مطابق جماعت اسلامی کی رہنمائی میں چلنے والی مزدوروں کی تنظیم نیشنل لیبر فیڈریشن آف پاکستان کے ایک وفد نے ملک محمد شفیع (ممبر مجلس شوریٰ اور جماعت اسلامی) کی قیادت میں ضیاء الحق سے ملاقات کے دوران صدر کو اسلام کے نفاذ کی تمام کوششوں میں بھرپور مدد کرنے کا یقین دلایا۔ صدر نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ مزدوروں کے مسائل کے حل کے لئے ان کی ہر ممکن امداد کریں گے جماعت اسلامی انہی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جہاں کہیں بھی ممکن ہے حکام کی امداد سے زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ ان حالات میں جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیموں کی پالیسیوں کو عوام میں ننگا کرنا ضروری ہے۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی نظر میں مارشل لا حکومت نہایت ہی چابکدستی سے پاکستان کے معاشی اور سماجی حالات پر جو دن بدن خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں، پر پردہ ڈالے ہوئے ہے اس پردہ کو چاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی کارکنوں اور عوام کے سامنے مدلل طریقے سے اور وسیع پیمانے پر حقائق پیش کئے جائیں اور پاکستان کے مستقبل کو جو خطرات درپیش ہیں ان سے آگاہ کیا جائے۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی یہ بھی سمجھتی ہے کہ بائیں بازو کی تمام پارٹیوں، گروپوں اور افراد کو متحد کیا جائے۔ لیکن یہ اتحاد موجودہ حالات میں ایم ۔آر ۔ڈی کے اندر ہی مطلوبہ کردار ادا کر سکتا ہے اگر ایسا محاذ ایم ۔آر ۔ڈی سے باہر بنایا جائے تو آمریت کے خلاف قوتوں میں انتشار پھیلے گا اور آمریت کو تقویت ملے گی۔ اس لئے بائیں بازو کی جو پارٹیاں ایم ۔آر ۔ڈی سے باہر ہیں ان کو چاہئے کہ وہ کم از کم پروگرام کی بنیادوں پر ایم ۔آر ۔ڈی میں شامل ہوں۔

پاکستان مزدرو کسان پارٹی بائیں بازو کی کچھ جماعتوں کی اس پالیسی سے متفق نہیں ہے۔ کہ ایم ۔آر ۔ڈی امریکی سامراج کی ایجنٹ ہے اور یہ جان بوجھ کر تحریک نہیں چلاتی اور اگر وہ تحریک چلائے تو وہ اس کا ساتھ دیں گے۔

کسی جماعت یا پارٹی کی پالیسی سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے پاکستان میں موجودہ حالات میں امریکی سامراج کی سب سے بڑی مربی اور ایجنٹ طاقت مارشل لا حکومت ہے مارشل لا حکومت کے خلاف جدوجہد امریکی سامراج کے خلاف جدوجہد ہے اور یہ درست نہیں ہے کہ ایم آر ڈی جان بوجھ کر تحریک نہیں چلاتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایم

www.bhutto.org

۔آر۔ڈی نے بار بار تحریک چلانے کی کوشش کی ہے لیکن تحریک نہیں چلی۔ ایم۔آر۔ڈی سیاسی اور تنظیمی طور پر اتنی مضبوط نہیں ہوئی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے تحریک چلا سکے پچھلے دو اڑھائی سال سے ایم۔آر۔ڈی حکومت کے تشدد کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے رہنما نظر بند ہیں۔ اس کے کارکن بار بار جیلوں میں بھیجے گئے ہیں اس کے چھوٹے سے چھوٹے اجتماعات پر پابندیاں ہیں۔ ایم۔آر۔ڈی کے رہنماؤں کو آزادی نقل و حرکت کرنے کی بھی اجازت نہیں اس سے ظاہر ہے ایم۔آر۔ڈی ہی حکومت کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہے۔ امریکی سامراج کی خدمت کرنے والے عناصر ہر پارٹی میں موجود ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایم۔آر۔ڈی کے اندر بھی موجود ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مارشل لا حکومت کے خلاف اور جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد ایسے عناصر کی پالیسی ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو آج کے حالات میں یہ پالیسی پاکستانی عوام کے مفادات کے حق میں ہے۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی نظر میں بائیں بازو کی وہ پارٹیاں جو ایک طرف تو یہ کہتی ہیں کہ ایم آر ڈی امریکہ نے بنوائی ہے اور امریکی سامراج اسے اقتدار منتقل کرنے کے لئے پروگرام بنائے ہوئے ہیں لیکن دوسری طرف یہ کہتی ہیں کہ اگر ایم۔آر۔ڈی تحریک چلائے تو وہ اس کا ساتھ دیں گے۔ دراصل اپنی ناقص اور موجودہ حکومت کے خلاف جدوجہد نہ کرنے کی پالیسی کو چھپانے کے سوا کچھ نہیں کرتیں۔ اگر واقعی وہ حقیقی معنوں میں مارشل لا کے خلاف جدوجہد کرنا چاہتی ہیں تو انہیں جدوجہد شروع کرنی چاہئے اور اگر وہ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ جدوجہد کر سکیں تو انہیں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ ایم۔آر۔ڈی بھی اس سطح پر ابھی نہیں پہنچی کہ وہ کوئی بڑی جدوجہد جاری کر سکے۔ جدوجہد کے راستے میں رکاوٹوں کے بارے میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ وہ رکاوٹیں کیونکر پیدا ہو رہی ہیں۔ بائیں بازو کی وہ پارٹیاں جو اس بات پر زور دے رہی ہیں کہ پاکستان کو اس وقت قومی جمہوریت کے نفاذ کی ضرورت ہے۔ انہیں لاکھوں قومی جمہوری عناصر سے علیحدہ نہیں رہنا چاہئے۔ اس علیحدگی سے وہ اپنی پالیسی کی نفی کر رہے ہیں اور خود عوام سے کٹ رہے ہیں۔

بائیں بازو کی چند جماعتیں اور گروہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قومی جمہوری انقلاب کے نعروں کے قائل نہیں اور یہ اصلاح پسندی کے نعرے ہیں اور پاکستان کی بورژوازی کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ آج زمانہ سیدھا سوشلسٹ انقلاب برپا کرنے کا ہے اس لئے سوشلسٹ

www.bhutto.org

انقلاب کیلئے ہی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان مزدور کسان پارٹی کی نظر میں یہ نعرہ پیٹی بورژوا ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے اور اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ دوست پاکستان کے موجودہ معروضی حالات کو قطعاً نہیں سمجھتے۔ وہ محض خالی خولی انقلابی نعرہ بازی کے بل بوتے پر زندہ رہنا چاہتے ہیں خواہ وہ عوام سے کتنے ہی ISOLATE نہ ہو جائیں۔ وہ محض اپنی انا کی تسکین چاہتے ہیں اور اپنی محفوظ کمین گاہوں میں بیٹھے اپنی انقلابیت کا ڈھنڈورا پیٹتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ عوام کو موجودہ حالات میں انقلاب کی منزل تک پہنچنے کے لئے کن راستوں سے گذرنا ہے۔ وہ اپنی ناکامیوں اور شکستوں کو غبارہ نما بڑے بڑے خوشنما نعروں کے پیچھے چھپانا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی حکمت عملی نہیں رکھتے جسے وہ پاکستانی عوام کو انقلاب کے لئے منظم کر سکیں اور انہیں جدوجہد کے راستے پر ڈال سکیں۔ ان کا خیال ہے صرف وہی انقلابی ہیں' ان کے نعرے ہی صحیح انقلابی نعرے ہیں اور جاہل اور پسماندہ عوام جب جاگیردار سرمایہ دار رہنماؤں کی سیاسی شعبدہ بازیوں سے مایوس ہو جائیں گے تو خود ان کے پاس آ کر رہنمائی کے لئے درخواست کریں گے ۔ یہ نہایت ہی کھوکھلا بوگس اور غیر انقلابی خیال ہے اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی پالیسی کے مطابق ایم ۔آر ۔ڈی کے علاوہ اپنی پارٹی کے پلیٹ فارم سے بھی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے اور ٹریڈ یونینوں' طلبا' اور عورتوں کی انجمنوں اور محنت کشوں کی دوسری تنظیموں کے ذریعے ان کے اپنے مسائل کے حوالے سے جدوجہد جاری رکھنی چاہئے اور اسی جدوجہد کے دوران سامراج جاگیرداری اور گماشتے سرمایہ داروں کے متعلق ان کے شعور کو بلند کرنا چاہئے اور ان سب تحریکوں کو ایک بڑے اتحاد میں جمع کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے تاکہ یہ تمام تحریکیں موجودہ حالات میں ایم ۔آر ۔ڈی کے اردگرد جمع ہو سکیں اور آمریت کو چیلنج کر سکیں۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی نظر میں جمہوریت کی بحالی کی سب سے زیادہ ضرورت محنت کش طبقات اور بائیں بازو کی پارٹیوں کو ہے۔ دائیں بازو کی رجعت پسند جماعتوں کو تو موجودہ مارشل لا کے دوران بھی جلسے کرنے اور تنظیمیں بنانے کی کھلی چھٹی ہے جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ تسلسل سے اور کھلے بندوں سیاسی کام بغیر کسی گرفت کے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ رجعت پسند مذہبی جماعتیں ہر ہفتے جمعہ کے اجتماعات کو اپنی سیاسی پالیسیوں کی ترویج کے لئے استعمال کر رہی ہیں اگر عوام تک پہنچنے کے لئے روکا گیا ہے تو وہ بائیں بازو

www.bhutto.org

کی جماعتیں اور جمہوریت پسند پارٹیاں ہی ہیں۔

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی پالیسی کے مطابق بائیں بازو کی پارٹیاں جمہوریت کی جدوجہد کے دوران ہی عوام کی رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں اور انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہیں اس تحریک سے علیحدگی سیاسی خودکشی کے مترادف ہو گی۔ امریکی سامراج اور جاگیرداروں اور بڑے سرمایہ داروں کو تقویت ملے گی اور جمہوری جدوجہد رجعت پسندوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور اگر ایسا ہوا تو امریکی سامراج کی گرفت مضبوط ہو گی جاگیرداری کی عمر بڑھے گی بڑے سرمایہ دار طاقت پکڑیں گے اور قومی سوال مختلف قومیتوں کی باہمی کش مکش پر منتج ہو گا جو کہ پاکستان کی آزادی اور سالمیت کے لئے زہر قاتل ہو گا۔ موجودہ حالات میں جمہوریت کی جدوجہد مختلف قومیتوں کے عوام کو متحد کئے ہوئے ہے اور ان کے اتحاد کو مزید مضبوط کرنے کا باعث ہو گی اور پاکستانی سماج کے دوسرے بنیادی تضادات کو حل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔

قانون اور عدلیہ

گو پاکستان میں شروع سے ہی طاقتور حکمران طبقوں کے نمائندوں نے ملک کے مختلف آئینوں میں انتظامیہ کے غیرقانونی اور قانون سے تجاوز کرنیوالے اقدامات کو چیلنج کرنیوالے اختیارات کو کم سے کم کرنیکی کوشش کی ہے۔ اور عدلیہ کے اختیارات کو محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں عدلیہ کو ایسے اختیارات حاصل رہے کہ وہ عام شہریوں کے حقوق کی کچھ حد تک نگہداشت کر سکے۔ مثال کے طور پر عبوری آئین جو پاکستان میں ۱۹۵۶ء تک رائج تھا کے آرٹیکل ۲۲۳ کے مطابق عدلیہ کو انتظامیہ کے احکامات کی نگرانی کرنیکا اختیار حاصل تھا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے آرٹیکل ۹۸ اور ۱۹۷۳ء کے آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ میں عدلیہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ انتظامیہ کے اقدامات کو غیر قانونی قرار دیکر شہریوں کے حقوق بحال کر دے۔ باوجودیکہ عدلیہ نے کئی بار انتظامیہ سے سمجھوتہ کرنے میں ہی عافیت سمجھی لیکن پھر بھی مجموعی طور پر وہ ہمیشہ اپنے اختیارات کی آزادانہ طور پر حفاظت کرتی رہی اور عوام کی شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی نگہداشت کرتی رہی۔ اس کے علاوہ قبل ازیں جب بھی مارشل لا لگا تو مارشل لا قوانین کو بہت کم مدت کے لئے مکمل برتری حاصل رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عدلیہ کے اختیارات بحال ہوتے گئے۔ لیکن اس کے برعکس ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد مارشل لا جو شروع میں ملک کے آئین اور

www.bhutto.org

پاکستان کی یک جہتی کی حفاظت کے نام پر لگایا گیا تھا بتدریج مارشل لا قوانین کی برتری کے لئے کوشاں رہا۔ ایسے قوانین بنائے گئے جن کے تحت کسی بھی مقدمہ کو خواہ وہ کسی بھی عدالت میں زیر سماعت کیوں نہ ہو یا تفتیش کے مرحلہ میں ہو' مارشل لا عدالت کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عوام کے بنیادی حقوق۔ اجتماع۔ تحریر و تقریر اور تنظیم کے متعلق۔ کم کرتے کرتے آخر ضیا حکومت نے ۲۴ر مارچ ۱۹۸۱ء کو عارضی آئینی حکم (پی سی او) کے ذریعے عدلیہ کے تمام وہ اختیارات کالعدم قرار دے دیئے جن کے بل بوتے پر انتظامیہ اور مارشل لا کے احکامات کی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ اس قانون کے تحت ۱۹۷۳ء کے آئین کو عملی طور پر ختم کر دیا گیا اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو ایسے اختیارات دے دیئے گئے جنہیں کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حالانکہ خود چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ابتدائی اختیارات کو سپریم کورٹ نے نظریہ ضرورت کے تحت قانونی قرار دیا تھا لیکن اس نئے قانون کے تحت مارشل لا کے چھوٹے سے چھوٹے حاکم اور عدالت کی مکمل بالادستی قائم کر دی گئی اور ان کے احکام کو ملک کی بڑی سے بڑی عدالت میں بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس حکم کے تحت آئین میں بھی ہر قسم کی تبدیلی اپنی مرضی کے مطابق کرنے کے اختیارات حاصل کر لئے۔

اس سے پہلے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کے ایک حکم کے تحت تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا اور تمام سیاسی پارٹیوں کی ممبرشپ کو غیر قانونی بنا دیا۔

مارشل لا کے نفاذ کے ساتھ ہی ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں مارشل لا ریگولیشن ۱۳ کا نفاذ کر دیا گیا تھا۔ جس کی خلاف ورزی کرنے والے کو پانچ سال کی سزا اور ۲۰ کوڑے کی سزا دی جا سکتی تھی۔ یہ قانون اس قدر ہمہ گیر تھا کہ ہر شے اس کی زد میں آ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ مارشل لا ریگولیشن ۳۳ اور ۴۹ میں ترمیم کر کے اخبارات کے ایڈیٹروں کے سروں پر تلوار لٹکا دی گئی اور اس کے تحت لئے گئے ایکشن کو ہائی کورٹ کے احاطہ اختیار سے باہر قرار دے دیا گیا۔

یوں تو پاکستان کی عدلیہ شروع دم سے ہی انتظامیہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑی نہیں ہو سکی۔ اور نظریہ ضرورت کے تحت طاقت ور انتظامیہ کو مزید طاقت ور بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوتی رہی ہے۔ لیکن ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد بار بار عدلیہ کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ آئین کی وفاداری کے حلف کو ردی کی ٹوکری میں پھینک کر حاکم وقت کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی ملازمت اور مراعات کو محفوظ رکھنے کے لئے مارشل لا احکام کے تحت نیا

www.bhutto.org

حلف اٹھائیں۔ آخر عبوری آئینی حکم مجریہ ۲۴ر مارچ ۱۹۸۱ء کے تحت حلف وفاداری کی تقریب کے وقت بہت سے ناپسندیدہ ججوں کو مدعو ہی نہ کیا گیا۔ اس طرح مارشل لا انتظامیہ انہیں اپنی طاقت اور دبدبے کے بل بوتے پر ذلت و تحقیر اور بے بسی سے ہمکنار کر دیا ہر بار عوام میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور وہ ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے رہے کہ کب کوئی کلمہ حق کہتا ہے لیکن صد حیف کہ سوائے چند ایک کے کوئی بھی ان کی توقعات پر پورا نہ اترا اور جنہوں نے جرات رندانہ کا مظاہرہ کیا انہیں ملک چھوڑنا پڑا لیکن وہ عوام کے دلوں میں جاگزیں ہو گئے۔

عجب بات ہے کہ عدلیہ کے بڑے بڑے عہدیدار جو اٹھتے بیٹھتے بابائے قوم حضرت قائداعظم کا نام لیتے ہیں وہ قائداعظم کے قانون کی حکمرانی' شہری آزادیوں' اور جمہوریت کے متعلق زریں نظریات کی پیروی میں ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے اور وہ حضرات جو حضرت علامہ اقبال کے ولولہ انگیز خیالات کی ترجمانی کرنیوالوں کی صف اول میں شمار ہونا چاہتے ہیں اقبال کے شاہین نہ بن سکے اور محض کرگس بن کر رہ گئے اور وہ جو قانونی موشگافیوں کے ذریعے اور تصوف کی اوڑھنی لئے فرصت کے لمحات میں اسلامی تعلیمات کے مبلغ بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں امام حنبلؒ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت نہ پا سکے اور ان میں سے سب سے لائق فائق اور عالم جو چوٹی کی نشستوں پر پہنچ گئے وہ نہایت ہی چھوٹے خیالات اور باہمی چپقلشوں کے غلام بن گئے۔ اور ایسے فیصلے صادر کر دیئے جن سے ایک طرف تو جبر و ظلم مضبوط ہوا اور دوسری طرف عوام کے ذہنوں میں ایسا زہر گھول گیا کہ ملک و ملت کی سالمیت اور بقا ہی خطرے میں پڑ گئی۔ اور وطن عزیز ایک بڑا جیل خانہ بن گیا اور جب وہ ان عظیم خدمات کی بنا پر بین الاقوامی ادارے میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے رکنیت حاصل کرنے کے لئے انتخاب کے میدان میں اترے تو ان کی قدر و منزلت صرف دو ووٹوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔

لیکن آمر مطلق نے جس کی خوشنودی کے لئے عدلیہ کی اعلیٰ اقدار کو پامال کیا گیا تھا انہیں استعمال کر کے یوں گٹر میں پھینک دیا کہ کوئی ان کا نام لیوا نہ رہا۔ اور آج وہ اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں اور اپنے ہی ملک میں اجنبی بنے ہوئے ہیں۔

اگر ظالم کو ظالم اور غدار کو غدار کہا بھی گیا تو اس وقت جب وہ محبوس اور بے اختیار ہو چکا تھا اور اقتدار سے الگ ہو کر زندگی کے دن گن رہا تھا لیکن جب ابتلا کا وقت پھر آن پڑا تو اس فیصلہ کو پھر نظرانداز کر دیا گیا۔

عدلیہ میں صاحب اقتدار اکثر شخصیتیں اس نظریہ کی داعی ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور مذہب اور سیاست کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس نظریہ کی ترویج کرتے وقت وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اس کی پیروی کرتے ہوئے عدلیہ کو کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔

کیا ان کا یہ کردار ہونا چاہئے کہ وہ ظالم کو ظالم نہ کہیں اور لاقانونیت کو لاقانونیت نہ کہیں۔ جبر کو جبر نہ کہیں اور ظالم اور جابر جو بھی حکم صادر کرے اسے نظریہ ضرورت کے تحت مشرف بہ اسلام کر کے مطمئن ہو جائیں اور خود فریبی میں مبتلا ہو جائیں کہ ملک و ملت کو ایک مبینہ عمیق گڑھے میں گرنے سے بچایا گیا ہے۔ یا وہ حق اور سچ اور انصاف کی ارفع قدروں کے لئے مجاہدانہ جہاد کریں خواہ اس کے لئے انہیں کتنے ہی مصائب کیوں نہ جھیلنے پڑیں اور کانٹوں سے بھری ہوئی راہوں پر ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔

کیونکہ ہمارے حد سے زیادہ محترموں کی بہت بڑی اکثریت نے پہلا کردار ہی ادا کرنے کی راہ اختیار کی ہے اس لئے عوام کے ذہنوں میں قنوطیت اور مایوسیاں چھا گئی ہیں اور وہ اپنی عدلیہ کے رہبروں سے جو توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے وہ زخمی اور نڈھال پڑی کراہ رہی ہیں۔

عام طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ کیونکہ وہ عدلیہ کی مسند پر براجمان ہیں اس لئے وہ جم غفیر سے کوئی ماورا شے ہیں اور ان کے منصب کی بنا پر ان کا فرض نہیں بنتا کہ وہ سماج کو برائیوں اور ظلم و جبر اور ہر قسم کی لاقانونیت جو قانون کے نام پر روا رکھی جائے' سے پاک کرنے کے لئے کسی قسم کی جدوجہد کریں۔ یہ نظریہ نہایت ہی بودا اور کھوکھلا اور بزدلانہ ہے اور صریحاً خود غرضی پر مبنی ہے۔

لیکن ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھی عدلیہ کے کچھ رہبر روشنی کی کرن ضرور چھوڑ گئے ہیں اور آج بھی عام لوگ عدلیہ سے اپنی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں اور بجا طور پر۔ کیونکہ ان سب ہمہ گیر ناساعد حالات کے باوجود جب بھی عوام کو انصاف کی توقع نہیں رہتی تو عدلیہ کی زنجیر ہی ہلانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ آج بھی عدلیہ کی آزادی' عزت و توقیر اور خود مختیاری بحال کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ان گنت قربانیاں دے رہے ہیں۔

وکلاء اور جمہوری جدوجہد

پاکستان کے وکلاء عموماً اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ پاکستان ایک وکیل کی بصیرت اور کاوشوں کے نتیجے میں وجود میں آیا اور وہ وکیل قانون کی حاکیت' عدلیہ کی آزادی کا علمبردار

www.bhutto.org

تھا اور امتناعی نظربندی کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھاتا رہا تھا۔ اور اس نے اپنے حریفوں کی شاطرانہ چالوں کو اپنی خداداد ذہانت، سچ گوئی، راست بازی اور بلند کردار کے ذریعے ہر مرحلہ پر شکست دی۔ چنانچہ بابائے قوم، قائداعظم محمد علی جناح کے ان اصولوں اور نظریات کو وکلا نے ہمیشہ مشعل راہ بنایا۔

۸۳-۱۹۷۷ء کے دوران وکلا نے جمہوریت کے قیام، مارشل لا کے خاتمے اور آئین کی بحالی کی لئے عظیم جدوجہد کی ہے اور اس پاداش میں نہایت ہی خندہ پیشانی سے قید و بند کی صعوبتیں سہی ہیں۔ اور آج بھی وہ آزادی اور جمہوریت کا علم اٹھائے ہوئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس لئے وکلا کی جدوجہد کی ارتقائی منازل پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا اور اسکے محرکات، پس منظر اور نتائج کو پرکھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔

۱۹۷۷ء میں لاہور ہائی کورٹ بار کے انتخاب میں عامر رضا اے خاں بار کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ دائیں بازو کے نظریات کے حامل تھے۔ اور قومی اتحاد کے زبردست حمایتی۔ چنانچہ ۷؍ مارچ ۱۹۷۷ء کو جب پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف انتخابات میں دھاندلیوں کی بنا پر صوبائی انتخاب کا بائیکاٹ کر دیا گیا تو ۹؍ مارچ ۱۹۷۷ء کو عامر رضا اے خاں کی صدارت میں منعقد ہونیوالے بار کے اجلاس میں انتخابات میں دھاندلیوں کی پرزور مذمت کی گئی۔ اور سجاد احمد جان چیف الیکشن کمشنر سے مستعفی ہونے اور بی زیڈ کیکاؤس اور صلاح الدین احمد پر مشتمل جوڈیشل کمشن مقرر کرنیکا مطالبہ کیا گیا اس قرار داد میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس کی کاپیاں اقوام متحدہ، جمی کارٹر اور برزنیف کو بھی بھجوائی جائیں۔

پھر ۲۱-۳-۷۷ کو کراچی اور پاکستان کے دوسرے علاقوں میں پولیس تشدد سے ۱۰۰ کے قریب لوگوں کے جاں بحق ہونے کے واقعات کی پرزور مذمت کی گئی۔ اور یہ اعلان کیا گیا کہ پنجاب بار کونسل کی آواز پر ۲۶؍ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہڑتال کی جائے گی۔ ۲۸-۳-۷۷ کو وکلا کے نئے کنونشن میں بار کے نئے ہال کا نام شہدائے کراچی ہال رکھا گیا اور کئی صد وکلا کی گرفتاری اور ملتان میں فائرنگ کی مذمت کی گئی۔ ۱-۴-۷۷ کو ان حالات کے خلاف لاہور ہائیکورٹ بار نے جلوس نکالنے کا اعلان کیا اور ۹؍ اپریل ۱۹۷۷ء کو قومی اتحاد کی آواز پر جلوس نکالنے کی تیاری شروع کر دی جس کی رہنمائی نوابزادہ نصراللہ خاں نے کرنی تھی۔ ۹؍ اپریل کو پولیس نے ہائیکورٹ کے تمام دروازوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ لیکن ان تمام انتظامات کے باوجود وکلاء نوابزادہ صاحب کو ہائیکورٹ بار کے اندر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ عوام کے اور وکلاء کا متحدہ جلوس نکلا اور اسمبلی ہال تک پہنچ گیا پولیس

کے ساتھ جلوس کے شرکاء کی کئی جھڑپیں ہوئیں۔ جلوس کے اختتام پر پولیس نے مال روڈ سے ہائی کورٹ کے احاطہ کے اندر سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت گولی چلا دی جس سے چار نوجوان موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئے۔

بھٹو حکومت نے ان حالات سے نمٹنے کے لئے لاہور شہر میں سویلین حکومت کی مدد کے لئے آئین کے مطابق منی مارشل لا لگا دیا۔ وکلاء کی بحث ابھی جاری تھی کہ فوجی افسروں کی طرف سے پیغام آیا کہ مارشل لاء کو غیر قانونی قرار دینے کا جلد فیصلہ کیا جائے چنانچہ ہائی کورٹ نے نہایت ہی عجلت میں وکلاء نے مارشل لا کے نفاذ کو لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ وکلاء کی بحث کو ختم کرتے ہوئے منی مارشل لا کو غیر قانونی اور ۱۹۷۳ء کے آئین کے خلاف قرار دے دیا۔ عوام اور وکلاء کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ ایجی ٹیشن ملک کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں پھیل چکی تھی اور ہزاروں کی تعداد میں قومی اتحاد اور درمیانہ طبقہ کے رہنما اور کارکن جیلوں میں جا رہے تھے جن کے مقدمات سپیشل ٹریبونل میں پیش ہوتے تھے۔ اور سپیشل ٹریبونل دھڑا دھڑ گرفتار شدگان کی ضمانتیں لئے جا رہے تھے۔

اس دوران میں عورتوں کے ایک جلوس پر نہایت بہیمانہ لاٹھی چارج کیا گیا۔ اس تشدد کے خلاف لاہور ہائیکورٹ بار نے ۲۵-۶-۷۷ کو میاں شیر عالم (نائب صدر) کی زیر صدارت ایک قرار داد پاس کی (عامر رضا اے خاں ان دنوں جیل میں تھے) جس میں ان بہادر عورتوں کو سلام پیش کیا گیا جنہوں نے بھٹو کے ظلم کے خلاف بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ قرار داد میں مزید کہا گیا کہ تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی اور ان کی قربانیاں یکتا ہیں۔ جس قوم کی مائیں بہنیں اور لڑکیاں پاکستان کی عورتوں جیسی ہوں انہیں کوئی ڈکٹیٹر غلام نہیں بنا سکتا۔ وہ موجودہ دور کی عظیم مجاہدہ ہیں۔

چونکہ قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کی حکومت کے درمیان مصالحت کے لئے گفت و شنید شروع ہو گئی تھی۔ ایجی ٹیشن اور مظاہرے وقتی طور پر رک گئے تھے۔ اور تمام آنکھیں نتائج کے انتظار میں اسلام آباد پر مرکوز ہو گئیں۔ ۴ر جولائی ۱۹۷۷ء کو قومی اتحاد کے وفد نے اعلان کیا کہ سمجھوتہ تقریباً ہو گیا ہے اور قومی اتحاد کی کمیٹی کے سامنے بات چیت کا نتیجہ پیش کیا جائے گا لیکن تحریک استقلال کے رہنما نے اس سمجھوتے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ وضاحتوں کے لئے بھٹو کے ساتھ مزید بات چیت ہونی طے ہوئی عام خیال تھا کہ سمجھوتہ کا اعلان ہونیوالا ہے کہ ۵ر جولائی ۱۹۷۷ کو ضیاء الحق چیف آف دی سٹاف نے' جنہوں نے

www.bhutto.org

چند روز پہلے ہوائی اور بری فوج کے سربراہوں کی معیت میں منتخب سویلین حکومت کی وفاداری کا اعلان کیا تھا اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی حفاظت کے لئے حلف اٹھایا ہوا تھا مارشل لا کا نفاذ کر دیا۔

قومی اتحاد کی تحریک کے دوران جب لاہور میں منی مارشل لا لگایا گیا اور لوہاری گیٹ پر قومی اتحاد کے جلوس روکنے کے لئے فوج کے سپاہیوں نے راستہ روکا تو قومی اتحاد کے کارکنوں نے نعرے لگائے......

"ڈھاکے دی کھوتی لوہاری آن کھلوتی"

لیکن مارشل لا لگنے کے بعد قومی اتحاد کے کارکن فوج کو دوسری عینک سے دیکھنے لگے اور ۷۷-۹-۱ کو عامر رضا اے خاں کی زیر صدارت بار کے اجلاس میں یہ قرار داد پاس کی گئی کہ بھٹو کو بیرونی ایجنٹ کے طور پر کام سونپا گیا تھا کہ وہ پاکستان کو تقسیم کروائے اور پاکستانی افواج کا مورال تباہ کرے جس نے ۱۹۶۵ء میں ہندوستانی حملہ آوروں کو شکست دی تھی (آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایوب حکومت نے پہلے کشمیر میں گوریلے داخل کئے تھے) چنانچہ جب بھٹو نے حکومت بنائی تو ہر قدم فوج کی تذلیل کے لئے اٹھایا حتیٰ کہ ۶ ستمبر کے دن کو منانا چھوڑ دیا۔ پاکستانی عوام نے اپنی بے پناہ قربانیوں اور اللہ کی رضا سے ایک ظالم دیو کو مسند اقتدار سے اتار پھینکا ہے......" ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف اور غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے جوں جوں تحریک زور پکڑتی گئی اس کے نعرے بھی بدلتے گئے اور آخر نہایت ہی رجعت پسند حلقوں نے اسے نظام مصطفےٰ کے قیام کی تحریک میں بدل دیا۔ حالانکہ اس وقت تک اس نظام کا نہ تو کوئی خاکہ پیش کیا گیا اور نہ ہی کوئی پروگرام۔

لاہور ہائی کورٹ بار کے وہی رہنما جو قانون کی حکمرانی' شہری آزادیوں کی بحالی اور آئین کی بالا دستی اور تقدس اور جلد از جلد انتخابات کے لئے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک نعرہ زن تھے انہوں نے آن واحد میں پینترا بدل لیا۔ انہوں نے مارشل لا حکومت کو خوش آمدید کہا اور ۹ اگست ۱۹۷۷ء کو جب پیپلزپارٹی کے نوجوان رہنما جہانگیر بدر اور ملک لطیف احمد ایڈوو کیٹس کو مارشل لا حکام کی طرف سے سمری ملٹری کورٹ کے فیصلہ کے مطابق کوڑے لگائے جانے کی سزا کے خلاف ایک قرار داد میں پیش کی گئی تو اسے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر نامنظور کروا دیا اور انہیں جلد از جلد کوڑے لگائے جانے کے حق میں تقریریں کیں۔

پھر ۲۳ اگست ۱۹۷۷ کو بار میں ذوالفقار علی بھٹو اور اس کے شرپسند رفقاء کے خلاف قتل کے مقدمات بنانے کے لئے قرار داد پاس کی گئی اور آخر ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو لاہور ہائی کورٹ بار نے سب سے پہلے ایک قرار داد کے ذریعے کھلم کھلا اپیل کی کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے اعلان کے مطابق ہونے والے انتخابات کو ملتوی کر دیا جائے اور پہلے احتساب کا عمل جاری کیا جائے۔ ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو عامر رضا اے خاں صدر لاہور ہائی کورٹ بار نے ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کے فضل سے پاکستانی عوام کی عظیم تحریک کا پہلا دور جس میں وکلاء برادری نے رہنمایانہ کردار ادا کیا تھا ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو کامیابی سے ختم ہو گیا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اگر خدا نے چاہا تو وہ جلد ہی پاکستان میں جمہوری حکومت کی بحالی کے ساتھ کامیابی ہمکنار ہو جائے گی۔

اس دوران ذوالفقار علی بھٹو نے کراچی سے ٹرین کے ذریعے پاکستان بھر کے دورے کا پروگرام بنایا اور ملتان تک ہزاروں عوام نے والہانہ انداز سے ان کا استقبال کیا۔ عوام کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے ہر اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ مارشل لا حکام نے یہ غیر متوقع مناظر دیکھ کر بھٹو کے ٹرین کے ذریعے سفر پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور پہنچے تو لاکھوں عوام ان کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے رہنما مولانا نورانی ایک ہجوم میں گھر گئے ہلے گلے میں ان کی پگڑی گر گئی۔ دائیں بازو کی رجعت پسند طاقتیں اور مارشل لا حکام یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کے تمام منصوبے خاک میں ملتے نظر آتے تھے۔

ان حالات میں ضیاء الحق حکومت اور حکومت سے باہر رجعت پسند طاقتیں بھٹو کو پاکستان کے سیاسی افق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹانے کے منصوبے پس پردہ بنانے لگے اور آخر انہیں برطانوی سامراج کے ایک کاسہ لیس محمد احمد خاں کے قتل کے مقدمہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت اور دائیں بازو کے رجعت پسند حلقوں کا خیال تھا کہ اس طرح پیپلزپارٹی کی ہر دلعزیزی ختم ہو جائے گی لیکن ۲۵-۹-۷۷ کو بیگم اور بے نظیر بھٹور کی لاہور میں آمد پر تمام اندازوں کے برعکس لاہور کے محنت کش اور درمیانہ طبقہ کے عوام لاکھوں کی تعداد میں گول باغ پہنچ گئے اور انہوں نے ماں بیٹی کا فقید المثال استقبال کیا۔

جمہوریت اور نظام مصطفےٰ کے علم بردار لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر عامر خان کی صدارت میں ملک سعید حسن جو ان دنوں ہائی کورٹ کے جج تھے کے خلاف ایک قرار داد مذمت پیش کی گئی کیونکہ انہوں نے نصرت اور بینظیر بھٹو کا جلسہ عام دیکھا تھا اور یہ مطالبہ

کیا گیا کہ انہیں جج کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔

در حقیقت ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے بعد لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے عہدیداروں نے جمہوریت کے تمام مطالبات کو گہرا دفن کر دیا تھا اور ڈیڑھ سال تک نظام مصطفےٰ اور اسلام کے نفاذ کے نام پر مارشل لا کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا ۱۹۷۷ کے دوران خدمات کے عوض میں عامر رضا اے خاں کو ہائی کورٹ کا جج بنا دیا گیا ملک سعید حسن نے جج شپ سے استعفےٰ دے دیا اور ان کے علاوہ چند دوسرے جج بھی جو پیپلزپارٹی سے تعلق رکھتے تھے مستعفی ہو گئے اور پیپلزپارٹی سے تعلق رکھنے والے بیشمار وکلاء کو لاہور ہائی کورٹ بار کی ممبرشپ سے خارج کر دیا گیا۔

۹ اپریل ۱۹۸۷ء کو شہدائے کراچی ہال میں چودھری محمد عارف کی صدارت میں منعقد ہونے والے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے پگاڑا مسلم لیگ کے موجودہ صدر ایس ایم ظفر نے اپنی ایک ولولہ انگیز تقریر میں ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو دی گئی قربانیوں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا جنہوں نے پاکستان کی تاریخ کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ انہوں نے کہا اگر یہ قربانیاں نہ کی جاتیں تو قوم خون کی ندیوں میں ڈوب جاتی۔ انہون نے بار کے ممبران کے ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کے کردار کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ صرف ان وکلاء کی جدوجہد کا ہی نتیجہ تھا کہ اس دن نوابزادہ نصر اللہ خاں جلوس کی قیادت کر سکے۔ انہوں نے خواتین کے کردار کو بھی سراہا جنہوں نے اس دن جلوس نکالا اور نہایت بہادری سے حکومت وقت کے تشدد کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے آخر میں کہا کہ ۹ اپریل ۱۹۷۷ کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ پنجاب ' اتحاد جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لئے ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے۔

۹ اپریل ۱۹۷۸ کو پاکستان میں مارشل لا لگے ہوئے نو ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ بے شمار مارشل لا ریگولیشنز قانون کی حکمرانی کو ختم کرنے کے لئے نافذ ہو چکے تھے۔ جمہوریت کو گہرا دفن کیا جا چکا تھا۔ ہزاروں پنجابی نوجوانوں کی پیٹھ کوڑوں سے داغی جا چکی تھی بے شمار عورتیں جیلوں اور قلعے میں محبوس کی جا چکی تھیں اور ان کے ساتھ نہایت ہی بہیمانہ سلوک کیا جا چکا تھا۔ ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کا اسلام کے سپاہی کا مومنانہ وعدہ دفن ہو چکا تھا اور ان حقائق کو چھپانے کے لئے احتساب کا ڈھول پیٹا جا رہا تھا۔ کسی پر چند ٹیلیفون کرنے اور کسی پر غریب چپڑاسیوں کو پلاٹ الاٹ کرنے کے الزامات میں تفتیش ہو رہی تھی اور لاہور ہائی کورٹ بار جو جمہوریت اور نظام مصطفےٰ کے نعروں سے گونجتی رہی تھی وہ ۷۸-۶-۲۱ کو یہ قرار داد پاس کر رہی تھی کہ مارشل لا حکومت نے جس احتساب کا

www.bhutto.org

اعلان کیا تھا وہ اس کی رفتار سے مکمل طور پر مطمئن ہے۔
اور جمہوریت کے علمبردار پگاڑا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مارشل لا کے نفاذ کے ایک سال بعد اطمینان کا اظہار کر رہے تھے کہ پنجاب کے عوام نے قانون کی حکمرانی اور جمہوریت کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں۔
بار کے اندر دائیں بازو کے رہنماؤں کی الٹی قلابازی دراصل ان کے طبقاتی مفادات کا اظہار کر رہی تھی اور یہ ثابت کر رہی تھی کہ ان لوگوں کی جمہوریت سے مراد استحصالی طبقوں کی بالا دستی ہے خواہ وہ مارشل لا کے ذریعے ہی کیوں نہ قائم کی جائے۔
دراصل یہ عناصر اپنی رجعت پسند' خود غرضی اور سیاسی بے بصیرتی کی وجہ سے پاکستان کی تاریخ میں بدترین مارشل لا کے ہاتھوں میں عوام اور وطن دشمن ہتھیار بن کر رہ گئے تھے۔ لیکن جوں جوں مارشل لا طول پکڑ رہا تھا اور شہری آزادیاں اور آئین بحال کرنے اور انتخابات کرانے کی بجائے سختیاں اور تشدد بڑھتا جا رہا تھا۔ بار کے اندر اعتدال پسند اور جمہوریت پسند عناصر سوچنے پر مجبور ہونے لگے اور لاہور ہائی کورٹ بار میں جمہوریت کی بحالی کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔

جمہوریت کی بحالی کا دوسرا دور

چنانچہ ۷۸-۹-۱۷ کو ۴۰ اور ۱۹ کی ووٹنگ سے مارشل لا کے نفاذ کے بعد پہلی بار لاہور ہائی کورٹ بار میں قرار داد پاس ہوئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے بعد کئے گئے غیر معمولی اقدامات کو واپس لیا جائے اور ملک کی عدالتوں کو عام قانون کے مطابق کام کرنے کی اجازت دی جائے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ مارشل لا ریگولیشنز واپس لئے جائیں اور فوجی عدالتوں کو ختم کیا جائے۔ اور تمام ان لوگون کو جنہیں سیاسی اور ٹریڈ یونین سرگرمیون کی وجہ سے سزا دی گئی ہے ان کی سزائیں منسوخ کی جائیں۔
گو اس قرار داد پر دونو طرف سے دھواں دھار تقاریر ہوئیں لیکن جب ووٹ شمار کئے گئے تو اکثریت نے اس قرار داد کو تالیوں کی گونج میں پاس کر دیا۔ آہستہ آہستہ لاہور ہائی کورٹ بار کا ماحول جو نظام مصطفے کی آڑ میں تنگ نظری اور رجعت پسندی کی آماجگاہ بن گیا تھا بہتر ہونے لگا اور وکلاء جو اپنے آپ کو باشعور اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے سمجھتے تھے انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ دراصل نظام مصطفے کے نام پر ایک نہایت ہی رجعت پسند اور ظالم مارشل لا حکومت برسر اقتدار آگئی ہے اور فوج اختیارات چھوڑنے اور بیرکوں میں

واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

۷۹-۱-۲۱ کو لاہور بار کی ایک قرار داد کے ذریعے پیپلزپارٹی کے ان وکلاء کی رکنیت بحال کر دی گئی جن کی رکنیت پیپلزپارٹی سے تعلق کی وجہ سے ختم کر دی گئی تھی۔

۸۰-۴-۹ کو نوڈیرو میں طلبا اور نوجوانوں پر گولی چلانے کی مذمت کی گئی اور مارشل لا کو ختم کرنے اور جمہوریت بحال کرنے کے متعلق لاہور بار میں قرار داد پاس کی گئی۔

مئی ۱۹۸۰ء کو صدارتی حکم نمبر ۲۱ کے ذریعے ۱۹۷۳ء کے آئین کی شق ۱۹۹ میں ترمیم کر دی گئی اور مارشل لا ریگولیشنز اور مارشل لاء آرڈر کے تحت کئے گئے احکام کو ہائی کوٹ کے احاطہ اختیار سے باہر کر دیا گیا۔

اس ترمیم نے قانون دان حلقوں اور عدلیہ میں بے چینی کی لہر دوڑا دی۔ دائیں بازو کے قانون دان سمجھتے تھے کہ پاکستان میں جمہوریت محفوظ ہو گئی ہے اور جمہوری ادارے اور عدلیہ کے اختیارات بحال ہو جائیں گے لیکن اس ترمیم نے ان حلقوں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

چنانچہ ۸۰-۵-۲۸ کو لاہور ہائی کورٹ بار نے ہائی کورٹ کے رٹ کے اختیارات سلب کرنے کے خلاف قرار داد پاس کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ۸۰-۶-۱ کو ہڑتال کی جائے دوسری بار ایسوسی ایشنوں کو ہڑتال میں شامل ہونے کی اپیل کی جائے کل پاکستان وکلاء کنونیشن بلائی جائے اور اگر اس وقت تک ترامیم واپس نہ لی جائیں تو ایک جامعہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

پھر ۸۰-۴-۴ کو لاہور ہائی کورٹ بار نے ۸۰-۴-۱۹ کو کنونیشن منعقد کرنے اور ہڑتال کانے کا فیصلہ کیا۔

مارشل لا کے نفاذ کے بعد پہلی مرتبہ مختلف مکاتب فکر کے رہنما جو خود وکیل بھی تھے اس کنونیشن کی کامیابی کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔ کنونیشن نہایت ہی کامیاب رہا۔ پاکستان بھر کے وکلاء کے نمائندے کنونیشن میں شمولیت کے لئے لاہور پہنچ گئے اور انہوں نے کنونیشن کو کامیاب بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر قیوم لیگ کے احمد سعید کرمانی تھے جو اپنی موقعہ پرستی کے لئے کافی شہرت رکھتے تھے۔ پیپلزپارٹی کے دور حکومت میں ان کی پارٹی بھٹو حکومت میں شامل تھی اور وہ خود مصر میں پاکستان کے سفیر کے عہدے پر متمکن رہے تھے کنونیشن کے موقعہ پر ایک طرف تو وہ اپنے جمہوری چہرے کو عوام کے سامنے رکھنا چاہتے تھے اور دوسری طرف اندرون خانہ مارشل لا

حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کئے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے کنونیشن کو پاکستان کے رجعت پسندوں اور امریکی سامراج کا ہتھیار بنانے کی منصوبہ بندی کی۔ انہوں نے ایک ہمسیے خطبہ استقبالیہ سے کنونیشن کا آغاز کیا اور افغانستان کے مسئلے پر ایک قرار داد پیش کر دی۔ جس میں "روسی سامراج" کی مذمت کی گئی تھی۔ اس قرار داد پر کنونیشن میں کھلبلی مچ گئی اور چند لمحوں میں پتہ چل گیا کہ چار ہزار مندوبین کی بہت بڑی اکثریت اس قرار داد کے خلاف تھی سٹیج پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ میاں بشیر ظفر ایڈووکیٹ صدر پروگریسو لائیرز ایسوسی ایشن اور دوسرے جمہوریت پسند وکلاء نے آخر سٹیج پر برتری حاصل کر لی اور نائب صدر کی صدارت میں کنونیشن جاری رہا۔ کنونیشن کے اختتام پر چلچلاتی دھوپ میں دو ہزار وکلاء نے جلوس نکالا جسے نیلا گنبد کے قریب لٹھ بردار پولیس نے گھیر لیا۔ لاٹھی چارج کیا گیا اور ۸۰ کے قریب وکلاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتاریوں نے وکلاء میں مزید بے چینی پیدا کر دی لیکن اسی شام وکلاء کو رہا کر دیا گیا۔

پیپلز پارٹی کی صوبائی لیڈر شپ نے اس جلوس کے استقبال کے لئے تین چار ہزار کارکنوں کو موبلائز کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جلوس کے استقبال کرنے اور وکلاء کی ہمت بندھانے کے لئے لوگ بڑے سڑک پر موجود نہ تھے پیپلز پارٹی کے پنجاب کے صدر نے بعد میں بتایا کہ انہوں نے کارکنوں کو خود منع کر دیا تھا۔ یہ آج تک نہیں معلوم ہو سکا کہ آیا واقعی انہوں نے منع کیا تھا اور اگر یہ درست ہے تو ایسا کیوں کیا گیا؟ لیکن اغلب خیال ہے کہ لوگ ابھی اس مظاہرے کے لئے تیار نہ تھے۔

اس کے بعد ۲۱ اگست ۱۹۸۰ء کو ڈسٹرکٹ بار کراچی کی طرف سے کنونشن طلب کیا گیا۔ اس کنونشن میں کراچی ہائی کورٹ بار نے بطور تنظیم کے تعاون نہ کیا لیکن اس کے باوجود کونشن کامیاب رہا۔ جلوس نکالنے کے متعلق اختلافات پیدا ہوئے۔ صدر نے شمولیت سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر بھی جلوس نکالا گیا چند وکلاء گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا لیکن انہوں نے فوجی عدالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر چند ماہ بعد حکومت ان وکلاء کو رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس کنونشن کے بعد پشاور میں تیسرا کنو۔نشن منعقد ہوا جو نہایت کامیاب رہا۔

وکلاء کی اس جدوجہد نے نہ صرف پاکستان کے جمہوریت پسند عناصر کی ہمت بندھائی اور متحدہ جدوجہد کے لئے حالات ساز گار کئے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی رائے عامہ کو جمہوریت کے حق میں ہموار کیا۔ چونکہ اس جدوجہد میں تمام جمہوریت پسند پارٹیوں کے

www.bhutto.org

وکلاء شامل تھے وہ اپنی اپنی پارٹیوں کے مرکزی رہنماؤں پر لگاتار زور دیتے رہے کہ وہ ماضی کے تفرقات اور رنجشوں کو بھول کر مارشل لاء کے خاتمے' ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی' ملکی سالمیت اور یک جہتی اور شہری آزادیوں کے لئے متحدہ ہو کر جدوجہد کریں۔

وکلاء کی اس جدوجہد کو دیکھ کر حکومت نے نئے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے اور وکلاء کی طاقت کو توڑنے کے لئے نئے مستقبل بنچ قائم کرنے کا اعلان کردیا۔ اس طرح کراچی اور پشاور ہائی کورٹ کے بھی مزید بنچ قائم کر دیئے۔ اس اعلان نے وکلاء میں مزید بے چینی پیدا کر دی اور وکلاء کے مزید حصے بھی بیدار ہونے لگے اور مارشل لاء کے خاتمے اور آئین کی بحالی کی جدوجہد میں شامل ہونے لگے۔

آخر ۸ فروری ۱۹۸۱ء کو وکلاء کی کوششیں بار آور ہوئیں اور ملک کی نو سیاسی پارٹیوں نے تحریک بحالی جمہوریت ایم۔ آر۔ ڈی کی تشکیل کا اعلان کر دیا۔ ایم۔ آر۔ ڈی کا کم از کم (۱) مارشل لاء کا خاتمہ (۲) ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی (۳) عام انتخابات کا انعقاد (۴) اور پاکستان کی وفاقی اکائیوں کے حقوق کی حفاظت تھا۔

اس اعلان نے پاکستان بھر کے عوام کے اندر بیداری اور ہمت کی ایک نئی لہر دوڑا دی اور بین الاقوامی پریس اور ریڈیو خصوصاً بی بی سی سے اسے بہت پبلسٹی ملی۔

لاہور میں تحریک استقلال کے رہنما میاں محمود علی قصوری ایڈووکیٹ اور پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر شیخ رفیق احمد کو گرفتار کر کے نظربند کر دیا گیا۔

۸۱-۲-۱۸ کو مارشل لاء حکومت نے اس تحریک دبانے کے لئے ملک بھر میں جمہوریت کے نام لیوا تمام سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں اور وکلاء کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔ ۸۱-۲-۱۵ کو لاہور ہائی کورٹ بار نے ۸۱-۳-۱ کو مکمل ہڑتال کرنے کی قرار داد پاس کی۔

۸۱-۲-۲۶ کو بیگم بھٹو نے ایم۔ آر۔ ڈی کی میٹنگ کے موقع پر ۸۰ کے قریب وکلاء اور دوسرے بچے کھچے سیاسی کارکن بھی گرفتار کر لئے گئے اور لاہور میں صرف شیخ محمد رشید۔ رانا شوکت محمود۔ مختیار اعوان' افضل سندھو اور سردار شوکت علی گرفتاری سے بچ گئے ان سب کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے اس لئے انہیں روپوشی اختیار کرنی پڑی۔

۸۱-۳-۳ کو لاہور ہائی کورٹ بار اور ڈسٹرکٹ بار کا مشترکہ اجلاس ان حالات کے پیش نظر مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے بلایا گیا۔ اس اجلاس میں ایک قرار داد کے ذریعے

www.bhutto.org

عدالتوں کے اختیارات، بنیادی حقوق کی بحالی، مارشل لاء کے خاتمہ اور عام انتخابات منعقد کروانے اور تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لئے مطالبہ کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ اگر تین دن کے اندر اندر رہنماؤں اور وکلاء کو رہا نہ کیا گیا تو ۹ مارچ ۱۹۸۱ء سے چھ چھ کے گروپوں میں وکلاء روزانہ گرفتاریاں پیش کریں گے۔

لیکن ۸۱-۳-۲ کو کراچی میں طیارے کا اغوا کا واقعہ ہو گیا اور مارشل لاء حکومت نے ملک بھر میں گرفتاریوں اور تشدد کا نیا دور شروع کر دیا۔

ان حالات میں جبکہ وکلاء کے سب رہنما جیلوں میں نظربند تھے یا روپوش تھے ۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو وکلاء کی گرفتاریاں پیش کرنے کے فیصلہ پر عملدر آمد ہو سکا۔ ملک بھر میں سراسیمگی اور دہشت پھیل گئی تھی۔ نئے حالات سے نمٹنے کے لئے مارشل لاء حکومت نے ۸۱-۳-۲۴ کو عارضی آئینی حکم (پی سی او) جاری کر دیا اور ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے ججوں کو ایک بار پھر اپنے حلف سے انحراف پر مجبور کر دیا اور تمام ناپسندیدہ ججوں کا نکال دیا اور عدلیہ کے مزید اختیار چھین لئے گئے۔ اب مارشل لاء کے چھوٹے سے چھوٹ افسر کا حکم پاکستان کی سپریم کورٹ میں بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چھ ماہ کی نظربندؤں کے بعد وکلاء اور دوسرے سیاسی رہنما رہا ہوئے۔ ۱۹۸۲ء کے شروع میں لاہور ہائی کورٹ بار کے انتخابات میں سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری عابد حسن منٹو تمام ترقی پسند اور جمہوریت پسند وکلاء اور اس گروپ کی مدد سے جو ۱۹۷۷-۷۸ء میں برسراقتدار تھا۔ کامیاب ہو گئے۔ اس دوران میں قاضی کورٹس کا آرڈیننس بھی آ چکا تھا اور قانیتوں کی ٹریننگ بھی ہو رہی تھی۔ اس نئے آرڈیننس نے وکلاء میں بے چینی کی نئی لہر دوڑا دی۔ ہائی کورٹ کے بہت سے اختیارات چھن جانے اور بے شمار مقدمات فوجی ملداتوں میں منتقل ہونے اور نئے بنچوں کے قیام سے وکلاء پہلے ہی پریشان حال تھے۔ قاضی کورٹس کے آرڈیننس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دیا اور انھیں اپنا مستقبل مخدوش نظر آنے لگا۔ نیز مارشل لاء کی طوالت، دن بدن بڑھتی ہوئی سختیوں، بدعہدیوں، بدعنوانیوں، لاقانونیت، کھلی لوٹ مار، مجلس شوریٰ کے قیام اور معاشی بدحالی اور ملکی سالمیت اور آزادی کی مخدوش حالت نے وکلاء کے وسیع حلقوں میں نیا شعور پیدا کر دیا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں لاہور ہائی کورٹ بار کی رہنمائی میں پاکستان بھر کے وکلاء کا نہایت کامیاب کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں ۵ ہزار کے قریب وکلاء شامل ہوئے سٹیج سے تقریروں کے طوفان اٹھائے گئے۔ مارشل لاء کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی اور آئندہ لائحہ عمل کے

لئے وکلاء کی ایک رابطہ کمیٹی قائم کر دی گئی کنونشن کے خاتمہ اور دو وکلاء کو گرفتار کر لیا گیا ور وہ کئی ماہ تک جیل میں رہے۔ کنونشن کے دوران جلوس نکالنے کے مسئلہ بھی زیرغور آیا۔ طے ہوا کہ جلوس ہائی کورٹ کے احاطہ کا اندر اندر ہی نکالا جائے اور باہر سڑکوں پر نہ جایا جائے۔

عہدیداروں کی طرف سے یہ پابندی بھی لگائی گئی کہ خاموش جلوس نکالا جائے اور نعرہ بازی نہ کی جائے جلوس نکالا گیا لیکن جلوس کی قیادت میں بار کے صدر شامل نہ ہوئے نوجوان وکلاء نے جلوس کے اختتام قریب مارشل لاء کے خلاف اور آئین کی بحالی کے لئے بھرپور نعرے لگائے اور خاموشی کی پابندی توڑ دی۔

اس کے بعد کراچی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن نے آئین کی بحالی' مارشل لاء کے خاتمے اور سیاسی رہنماؤں کی رہائی کے لئے ایک نئی تحریک شروع کر دی۔ اور گرفتاریاں دینے کا پروگرام بنایا۔ بار میں سیاسی رہنماؤں کو خطاب کے لئے بلایا گیا کراچی ڈسٹرکٹ بار کے صدر حفیظ لاکھو' سیکرٹری اور چند دوسرے وکال گرفتار کر لئے گئے۔ انہوں نے پاکستان بھر کے وکلاء کو گرفتاریاں پیش کرنے کی اپیل کی۔ وکلاء کی رابطہ کمیٹی کا !جلاس راولپنڈی میں ہوا۔ لیکن گرفتار دینے کی پالیسی کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر کراچی ڈسٹرکٹ بار کی گرفتاری پیش کرنے کی پالیسی بھی واپس لے لی گئی۔

۱۷ مارچ ۱۹۸۳ء کو سیالکوٹ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن نے وکلاء کی کنونشن کا اہتمام کیا حکومت نے اس پر پابندی لگا دی لیکن بار اپنے مسلک پر قائم رہی اور اعلان کیا گیا کہ تمام پابندیوں کے باوجود کنونشن ہو گا۔ لاہور ہائی کورٹ بار کے نئے اور سابقہ صدر بھی کنونشن میں مدعو تھے۔ اس کے علاوہ تحریک استقلال کے میاں محمود علی قصوری مہمان خصوصی تھے۔ آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے اراکین بھی کنونشن میں مدعو تھے۔ ان حالات میں لاہور ہائی کورٹ بار کے نئے صدر افضل حیدر نے گورنر سے ملاقات کرنے کے بعد یقین دلایا کہ کنونشن پر سے پابندی ہٹا لی گئی ہے۔ (۱۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کے کنونشن نے فیصلہ کیا تھا کہ مارشل لاء حکام سے بار کے عہدیدار ملاقات نہیں ریں گے) اور جو وکلاء پہلے سے نظربند ہیں جلد ہی رہا کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ کنونشن منعقد ہوا۔ پولیس لاؤڈ سپیکر اٹھا کر لے گئی۔ کنونشن میں مارشل لاء کے خلاف سخت تقریریں ہوئیں اور مارشل لاء کے خاتمے سے آئین کی بحالی کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔

کنونشن میں آل پارٹیز لائیرز کمیٹ کے صدر ملک حامد سرفراز نے ایک مدلل تقریر کی

اور کہا کہ موجودہ حالات میں قراردادوں سے ایک قدم آگے بڑھانا ہو گا اور جدوجہد کرنا ہو گی۔ انہوں نے اس جدوجہد کے لئے وکلاء کے اتحاد پر زور دیا اور یقین دلایا کہ آل پارٹیز کائیرز کمیٹی ایسی ہر جدوجہد کا مکمل اور غیر مشروط ساتھ دے گی۔ لیکن جدوجہد کا راستہ نہ اختیار کیا جائے تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گی کہ جدوجہد کب اور کیسے کی جائے۔

کنونشن کے دوسرے روز سیالکوٹ بار کے صدر اور سیکرٹری گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی گرفتاری کے چند روز بعد عبدالوحید ایڈووکیٹ کو بھی گرفتا کر لیا گیا اور پندرہ کے قریب وکلاء کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔

۱۴ اپریل ۱۹۸۳ء کو فیصل آباد میں ڈسٹرکٹ بار کی طرف سے کنونشن کے انعقاد کا بندوبست کیا گیا جو کامیاب رہا۔ اس کنونشن میں اعلان کیا گیا کہ ۲۱ اپریل کو لاہور ہائی کورٹ کے اہتمام میں ہونے والے کنونشن میں عملی جدوجہد کا علان کیا جائے فیصل آباد میں بھی وکلاء کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔

۲۰ اپریل ۱۹۸۳ء کو آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کی طرف سے شیخ محمد رشید' راؤ عبدالرشید' اور یس باجوہ کی رہائی پر انہیں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ وکلاء کے علاوہ مختلف پارٹیوں کے سیاسی کارکنوں نے اس استقبالیہ میں شرکت کی اور تقریروں میں یہ کہا گیا کہ عملی جہدوجہد کا آغاز کرنے کی ضرورت ہے محض قرار دادوں سے کام نہیں چلے گا۔

۲۱ اپریل ۱۹۸۳ء کو لاہور ڈسٹرکٹ بار کی طرف سے پنجاب بھر کے وکلاء کا کنونشن بلایا گیا۔ جس میں پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد سے بھی وکلاء نے شمولیت کی۔ مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ اب قرردادوں اور تقریروں کا وقت نہیں ہے۔ تقریریں بہت ہو چکی ہیں قرار دادوں کا بھی کوئی انت نہیں رہا۔ اب فیصل آباد کنونشن کے فیصلے کے مطابق عملی جدوجہد کے لئے قدم اٹھایا جائے۔ مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ قومی آزادی اور ملکی سالمیت کے لئے ضروری ہے کہ وکلاء عملی جدوجہد کا آغاز کریں۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی پارٹیاں آگے بڑھیں یا نہ بڑھیں وکلاء کا فرض ہے کہ وہ رہنمائی کریں۔ چنانچہ ایک اعلان نامہ پاس کیا گیا جس میں عملی جدوجہد کے لئے مئی کے مہینہ میں پنجاب بھر کی باروں کے صدروں اور سیکرٹریوں سے اپیل کی گئی کہ وہ بھوک ہڑتال کا آغاز کریں اور بھوک ہڑتال کرنے کے لئے والنٹیئر اپنے نام پیش کریں۔

ہم نے وکلاء کی جمہوریت کے لئے جدوجہد کے اہم واقعات کو درج کیا ہے تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں کے اہم نمائندے وکلاء کی صفوں میں موجود ہیں۔ ان میں رجعت پسند بھی

www.bhutto.org

ہیں اور روشن خیال آزاد وکلاء بھی ان میں وہ وکلاء بھی ہیں جو مختلف اہم ججوں کی لابی سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے وکلاء بھی ہیں جو اپنے مفادات کے لئے حکومت کا ساتھ دیتے ہیں۔ جمہوریت کے لئے ان کی جدوجہد پاکستان کے عوام کی جمہوری جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔ اس لئے اس جدوجہد میں مختلف مکاتب فکر کے وکلاء نے جو کردار ادا کیا ہے ان کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے۔

وکلاء کی جدوجہد کا پہلا دور مارچ ۱۹۷۷ء سے شروع ہو کر ستمبر ۱۹۸۷ء کو ختم ہوا۔

اس دور میں قومی اتحاد کے داعی اور ججوں کی لابی کے نمائندے لاہور ہائی کورٹ بار میں برسر اقتدار تھے۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک ان گروپوں کی پالیسی جمہوریت اور شہری آزادیوں اور قانون کی حکمرانی اور نظام مصطفیٰ کے نام پر پیپلز پارٹی کی حکومت کی مخالفت پر مبنی تھی۔ قومی اتحاد کی تحریک میں بار ایسوسی ایشن کے جلسوں میں محض قراردادیں پاس کرنے تک ہی اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھنے کے حامیہ نہ تھے انہوں نے قومی اتحاد کی آواز پر ہڑتال اور جلسے کئے اور جلوس نکالے۔ حتیٰ کہ قومی اتحاد کے ساتھ مل کر ہائی کورٹ کے اندر تمام سہولتوں کو قومی اتحاد کی تحریک کے لئے استعمال کیا۔ ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو نواب زادہ نصراللہ کو پولیس نے نرغے سے بچا کر ہائی کورٹ کے اندر لے آئے اور مال روڈ پر زبردست جلوس نکالا۔ پولیس نے مال روڈ سے ہائی کورٹ کے صحن کے اندر گولی چلائی جس سے چند نوجوان جاں بحق ہو گئے۔

وکلاء کے اس کردار کے ایک سال بعد ۹ اپریل ۱۹۸۷ء کو پگاڑا لیگ کے موجودہ جنرل سیکرٹری نے انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ۹ اپریل نے ثابت کر دیا ہے کہ جمہوریت' اتحاد اور قانون کی حکمرانی کے لئے پنجاب کے عوام کس حد تک قربانی کر سکتے ہیں۔

بائیں بازو کی تمام جماعتیں اس دوران میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے ناروا تشدد کی مخالفت کرتی رہیں۔ پیپلز پارٹی کے وکلاء اس تحریک کی پوری طرح مخالفت کرتے رہے لیکن عام وکلاء اور عوام کا موڈ ایسا تھا کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جمہوریت اور نظام مصطفیٰ کے ان علمبرداروں کی پالیسی مارشل لاء کو خوش آمدید کہنا' بھٹو حکومت سے نجات حاصل کرنے پر خوشیوں کا اظہار کرنا اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کا احتساب کرانا تھا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر پیپلز پارٹی کے وکلاء کو کوڑوں کی سزا کے خلاف

قرارداد کو منظور کرایا۔ انتخاب کو احتساب کے نام پر ملتوی کرانے میں مارشل لاء کی مدد کی اور مارشل لاء کو ایک نعمت کے طور پر پیش کیا اور کہا کہ ملک کو خانہ جنگی سے بچا لیا گیا ہے اور ملکی آزادی اور سالمیت کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد پیپلز پارٹی کے سرکردہ وکلاء جیلوں میں بند رہے روپوش ہو گئے۔ بائیں بازو کے وکلاء اور چند جمہوریت پسند بار کی سیاست پر اس دور میں اثر انداز نہ ہو سکے۔

ستمبر ۱۹۷۹ء کے بعد ان گروپوں کی طاقت حالات کے دباؤ کے تحت کمزور ہونے لگی اور آخر ۱۹۸۰ء میں مارشل لاء کے خلاف عام وکلاء آواز بلند کرنے لگے۔

عام وکلاء کے موڈ اور جذبات میں اس تبدیلی کے بعد ان رجعت پسند گروپوں کی پالیسی یہ ہو گئی کہ قانون کی حکمرانی اور آئین کی بحالی اور وکلاء کے مطالبات کے لئے بار کے اندر قراردادوں کے ذریعے مطالبات پیش کرنے چاہئیں اور مارشل لاء حکام سے گفت و شنید کے ذریعے مسائل کو حل کرنا چاہئے۔ اور وکلاء کو ہائی کورٹ کے تقدس کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہڑتال اور ہال کے باہر جلسے جلوس سے اجتناب کرنا چاہئے اور سیاست میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے عوام کے ساتھ مل کر جمہوریت' آئین کی بحالی اور مارشل لاء کے خاتمے کے لئے مال روڈ یا شہر میں جلوس وغیرہ میں حصہ نہیں لینا چاہئے بلکہ یہ کام ملک کی سیاسی پارٹیوں کا ہے اور صرف اور صرف انہیں ہی کرنا چاہئے وکلاء کی بار ایسوسی ایشنوں کو سیاسی پارٹیوں کے ساتھ جدوجہد میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔

اس پالیسی کا مقصد موجودہ حالات میں مارشل لاء کومت کی بالواسطہ حمایت کرنا اور مارشل لاء کے خاف وکلاء کی تحریک میں شامل رہتے ہوئے اس لگام دیئے رکھنا ہے تاکہ یہ عدالتوں کے احاطوں سے باہر نہ پہنچ پائے اور ملک کے دوسرے جمہوریت دھاروں کے ساتھ مل کر طوفان بپا نہ کر دے۔ یہ سب کچھ ہائی کورٹ' وکلاء اور ججوں کے خیالی تقدس کے نام پر کیا جاتا ہے۔ وکلاء' وکلاء کے ان حصوں پر بہت اثر و رسوخ رکھتے ہیں جنہیں کیریئر سیٹ کہا جاتا ہے ان کے انتظامیہ اور عدلیہ سے تعلقات بے پایاں ہیں اور وہ ان تعلقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وکلاء پر احسانات کرتے رہے ہیں اور ان کے لئے ترقی کے دروازے کھولتے ہیں خواہ حکومت کوئی بھی ہو۔ اس لئے وکلاء کی تحریک کا کامیاب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان گروہوں کے تحریک کو محدود کرنے کے ہتھکنڈوں کے جال سے سے بچایا جائے۔

www.bhutto.org

۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء کو لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر نے ایسے ہی ایک ڈرامہ کھیلا ہے۔ ڈسٹرکٹ بار ایسو سی ایشن لاہور کے صدر منصور ملک نے ۲۱ اپریل ۱۹۸۳ء کو پنجاب بھر کے وکلاء کے منعقد ہونے والے کنونشن کو کامیاب کرنے کے لئے لاہور ہائی کورٹ کا ایک اجلاس بلوایا تاکہ کنونشن کی کامیابی کے لئے ۲۰ روپے فی وکیل چندہ وصول کیا جا سکے لیکن برسراقتدار گروہ نے اپنے ہتھکنڈوں سے اسے فیل کر دیا اور ساتھ ہی فیصل آباد کنونشن کو کامیاب کرنے کے لئے اپنے وفد کی شمولیت کا اعلان کر دیا تاکہ جمہوریت کی بحالی جدوجہد سے بھرپور تعاون نظر آئے لیکن لاہور ڈسٹرکٹ بار کے کنونشن کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بعد میں پرائیویٹ طریقوں سے چندہ اکٹھا کر کے منصور ملک کو بھی رام کر لیا گیا۔

وکلاء میں بائیں بازو کی جدوجہد

۱۹۷۹ء میں وکلاء کے اندر بائیں بازو کی دو تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ ڈیموکریٹک لائیرز ایسو سی ایشن کے صدر سردار شوکت علی تھے اور پیٹرائیک لائیرز ایسو سی ایشن کے صدر میاں بشیر ظفر تھے۔ جوں جوں مارشل لا کی طوالت اور سختیاں بڑھتی گئیں اور جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد اولیت اختیار کرتی گئی۔ وکلاء کی ان تنظیموں میں مارشل لا کے خلاف جدوجہد کے لئے بائیں بازو کے وکلاء کے اتحاد کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ چنانچہ ۱۹۷۹ء کے آخر میں دونو تنظیموں کے رہنماؤں کے درمیان اتحاد کے لئے گفت و شنید ہونے لگی۔ اور آخر ایک میٹنگ میں جس میں بشیر ظفر' چوہدری اصغر خادم' عابد حسین منٹو' سردار شوکت علی' خواجہ طارق مسعود اور چوہدری بشیر احمد شامل تھے۔ یہ طے پایا کہ دونو تنظیموں کو توڑ کر ایک نئی تنظیم بنائی جائے جس کا نام پروگریسو لائیرز ایسو سی ایشن رکھا جائے۔ اتحاد کے قیام کی خاطر میاں بشیر ظفر کو اس نئی تنظیم کا صدر بنانے اور ایک تنظیمی کمیٹی بنانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن جب اس فیصلہ کو عمل میں لایا جانے لگا اور ایک تنظیمی کمیٹی کی تشکیل دے دی گئی تو چوہدری اصغر خادم منحرف ہو گئے۔ (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کیمونسٹ پارٹی پاکستان اس فیصلہ سے بوجوہ متفق نہ تھی اور انہیں "مینڈیٹ" دے دیا گیا تھا) چونکہ مزدور کسان پارٹی (اسحاق محمد) اور نیشنل پروگریسو پارٹی (سی پی پی کا فرنٹ) ورکنگ الائنس میں شامل تھے اور پیپلز پارٹی کو غیر مشروط حمایت کا یقین دلا چکے تھے اس لئے پیپلز پارٹی نے اپنے وکلاء کو دونو گروپوں میں شامل کر دیا۔ ان حالات میں پروگریسو لائیرز ایسو سی ایشن میں تذبذب کی صورت پیدا ہو گئی۔ لیکن چونکہ اس میں فعال دوست شامل تھے اس لئے ترقی پسند وکلاء نے بار میں اپنا مقام پیدا کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مارشل لا کے خلاف لاہور ہائی کورٹ بار

www.bhutto.org

کی طرف سے مارشل لا کو ختم کرنے اور آئین کی بحالی کے لئے جون ۱۹۸۰ء میں پہلی کنونشن دراصل پروگریسو لیئرز ایسوسی ایشن کی پہل قدمی اور محنت کے نتیجے میں منعقد ہوئی۔ اس دوران میں تحریک استقلال' مسلم لیگ (خواجہ خیرالدین) اور پاکستان جمہوری پارٹی کے وکلاء بھی جمہوریت کی جدوجہد میں شامل ہونے لگے اور آخر وکلاء کی ایک ایکشن کمیٹی وجود میں آگئی۔

جون ۱۹۸۰ء کے کنونیشن کے بعد وکلاء کا جلوس مختلف وجوہات کی بنا پر عوام کو متوجہ نہ کر سکا۔ اور کراچی کنونیشن کا جلوس بھی زیادہ کامیاب نہ ہوا تو اس تجربہ کی روشنی میں پروگریسو لائیرز ایسوسی ایشن اس نتیجے پر پہنچی کہ ابھی سڑکوں پر آنے کا وقت نہیں آیا۔ اور فی الحال حالات کے سازگار ہونے تک وکلاء کی سرگرمیاں باروں تک محدود رکھی جائیں اور سیاسی پارٹیوں کے اتحاد اور عوام کو متحرک کرنے کے لئے کام کیا جائے اور جب حالات موافق ہوں تو جلوس وغیرہ نکالنے کی طرف قدم اٹھایا جائے۔

باوجود یکہ پروگریسولائیرز ایسوسی ایشن کا ۱۹۸۰ء کے حالات کے متعلق جدوجہد کے طریق کار کے مطابق تجزیہ درست تھا۔ لیکن پیپلز پارٹی کے ایک گروہ' نیشنل پروگریسو پارٹی اور میجر اسحاق گروپ جلوس نکالنے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وکلاء کے پشاور کنونیشن میں جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا اور ایک وکیل جس کے لاہور میں وارنٹ تھے کی طرف سے پشاور کے ایک پولیس اسٹیشن میں اطلاع دی گئی کہ اس کے وارنٹ گرفتاری ہیں اور وہ کنونیشن میں تقریر کرنے والے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ وہ وکیل کنونیشن میں اس اطلاع پر گرفتار ہو جائے اور اس گرفتاری کی وجہ سے جونہی حالات موافق ہوں جلوس نکال دیا جائے۔ اس مندوب نے دھواں دھار تقریر کی۔ ہشت نگر اور قصہ خوانی کی قربانیوں اور جدوجہد کا ذکر کیا گیا۔ لیکن نہ گرفتاری ہوئی اور نہ ہی جلوس کے لئے وکلاء تیار ہوئے۔

۱۹۸۱ء کے آخر میں جب وکلاء رہا ہوئے تو ملکی صورت حال کافی بدل چکی تھی۔ عدلیہ کے اختیارات میں بتدریج کمی' عدالت عالیہ کے ڈویژنل بنچوں کا قیام' قاضی کورٹوں کے وجود میں آنے کے متعلق اعلانات نے وکلاء کے اندر بے چینی پیدا کرر دی تھی ۔اور وکلاء کے زیادہ سے زیادہ حصے مارشل لا کے خلاف اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کے لئے جدوجہد میں شریک ہو رہے تھے۔ اور عوام کے مختلف حصے بھی بڑھتی ہوئی مہنگائی' سختیوں' رشوت اور دھاندلی اور پولیس تشدد کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ اور جمہوریت کی بحالی کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے مواقع پیدا ہو رہے تھے۔ ایسے حالات میں ۱۹۸۲ء کے لئے

www.bhutto.org

لاہور ہائیکورٹ بار کی صدارت کا مسئلہ کافی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ صدارت کے امیدوار کے لئے ایکشن کمیٹی کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکی۔ ۱۹۸۱ء میں بھی ایسا ہوا تھا لیکن اس سال باوجود اس کے کہ ایکشن کمیٹی کے تمام وکلاء ملک محمد قاسم کو امیدوار کھڑا کرنے کی حمایت میں تھے لیکن پیپلز پارٹی کے امیدوار رفیق چوہان نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور مجبورا ملک محمد قاسم کو اپنا نام واپس لینا پڑا تھا۔ اخر عابد حسن منٹو (سوشلسٹ پارٹی) ۱۹۸۲ء میں صدارت کے امیدوار بننے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن ایم آر ڈی کی بیشتر پارٹیوں کے وکلاء ان کی امیدواری سے متفق ہونے کو تیار نہ تھے۔ میاں بشیر ظفر اور سردار شوکت علی کی کوششوں سے ایم ۔آر ۔ڈی کے وکلاء کی لیڈرشپ آخر عابد حسن منٹو کی نامزدگی پر متفق ہو گئی لیکن عابد حسن منٹو نے امیدوار بنتے ہی ایک نئی حکمت عملی اختیار کر لی۔ انہوں نے دائیں بازو کے رجعت پسند گروپوں کے ساتھ خفیہ میٹنگیں کرنی شروع کر دیں اور بائیں بازو کے سینئر ساتھیوں اور ایکشن کمیٹی کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ شائد انتخاب جیتنے کے لئے یہ طریق ضروری تھا۔ لیکن اس پالیسی کے سلسلہ میں انہوں نے اپنے پرانے ساتھیوں کو نہ صرف اعتماد میں نہ لیا بلکہ بالکل نظرانداز کر دیا۔

آخر وہ ایم ۔آر ۔ڈی کی پارٹیوں کے وکلاء اور دوسرے ترقی پسندوں اور موقعہ پرستوں کی مدد سے صدارت کے انتخاب میں کامیاب ہو گئے۔ وکلاء کے ترقی پسند حلقوں میں امید اور جدوجہد کرنیکی نئی امنگیں ابھر آئیں۔ ہر ترقی پسند یہ سمجھ رہا تھا کہ اب جمہوریت کی جدوجہد بہت آگے بڑھے گی۔ لیکن جب عابد حسن منٹو نے صدر بننے کے بعد اپنی ورکنگ کمیٹی نامزد کی تو اس میں دائیں بازو کے رجعت پسندوں کی اکثریت کو بھرتی کر لیا اور ایکشن کمیٹی کے سرکردہ رہنماؤں کو نظرانداز کر دیا۔ پیپلز پارٹی کے موقعہ پرست رہنماؤں نے فورا اس سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور ایسے حالات پیدا کر دیے گئے کہ پروگریسو لائیرز ایسوسی ایشن اور وکلاء کی ایکشن کمیٹی باوجود کوششوں کے دوبارہ جانبر نہ ہو سکی۔

اس دوران میں سوشلسٹ پارٹی کا وہ تھیس منظر عام پر آ چکا تھا جس میں جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد کو دراصل پاکستان حکومت اور سوویٹ یونین کے درمیان نشوونما پانیوالے تعلقات کے خلاف جدوجہد سے تعبیر کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا تھا یہ امریکی سامراج کی سازش ہے۔ اور ایم ۔آر ۔ڈی کے تمام رہنماؤں کو امریکی سامراج کے ایجنٹ بنا کر پیش کیا تھا۔ اور ایم ۔آر ۔ڈی میں شامل ہونے والی بائیں بازو کی پارٹیوں کو ان کے شامل باجے سے تعبیر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس تھیس کو عابد حسن منٹو جنرل سیکرٹری سوشلسٹ پارٹی اور صدر

www.bhutto.org

ہائیکورٹ بار لاہور جو تمام ترقی پسندوں اور ایم آر ڈی کی پارٹیوں کے وکلاء کی مدد سے منتخب ہوئے تھے۔ آپنی پالیسی کا رہنما اصول بنا لیا۔

حالانکہ پچھلے دو سال میں حالات بہت بدل چکے تھے اور عوام کے زیادہ سے زیادہ حلقے مارشل لا حکومت کے خلاف ہو رہے تھے اور وقت آگیا تھا کہ مارشل لا کے خلاف تحریک کو قدم بہ قدم آگے بڑھایا جائے۔ اور پرانے طریق کار کو بدلے ہوئے حالات میں تبدیل کیا جائے۔ لیکن عابد حسن منٹو نے اپنے رہنما اصول کو عمل میں لانے کے لئے وکلاء کی تحریک کو محض قرار دادوں اور بار کے اندر جیسے جلسوں اور مرکزی کنونیشن تک محدود کر دیا۔ اور جب بھی کسی قسم کی تحریک چلانے کی بات ہوئی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ ایم ۔آر ۔ڈی اور سیاسی جماعتوں کا کام ہے۔ اگر وہ تحریک چلائیں تو ہم ان کا ساتھ دیں گے۔ اس پالیسی سی ایک طرف تو ایم آر ڈی کو نکو بنا کر پیش کیا جانے لگا۔ اور دوسری طرف جمہوریت کی بحالی کی تحریک کے سلسلہ میں وکلاء میں نہایت چابکدستی سی اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اپنے قدوقامت کو بڑھایا۔ اور وکلاء کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ وہ دراصل تحریک کو لگام دیئے ہوئے ہیں۔

انہوں نے ظاہرہ طور پر پاکستان بھر کے وکلاء کی رابطہ کمیٹی بھی قائم کر دی۔ لیکن اسے کبھی متحرک نہ کیا۔ اور اگر اس کی میٹنگ کی بھی تو اس میں جدوجہد کی لائن کو نہایت کاریگری سے شکست دلوائی اور آخری چار مہینوں میں اسکی میٹنگ ہی نہ بلوائی۔

عابد حسن منٹو نے پاکستان بھر کے وکلاء کا عظیم کنونیشن اکتوبر۱۹۸۲ء میں نہایت ہی کامیاب طریقے سے کرایا۔ اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر داد وصول کی۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ان کی پارٹی جس کے وہ جنرل سیکرٹری ہیں ایم ۔آر ۔ڈی کی بحالی جمہوریت کی تحریک کو تو امریکی سامراج کی ایجنٹ بنا کر پیش کرتی ہے۔ لیکن وکلاء کی اس کنونیشن کو جس میں ایم آر ڈی کے علاوہ پاکستان نیشنل پارٹی' جماعت اسلامی کے ہمدردوں اور پگاڑا لیگ کے رہنماؤں اور انتظامیہ سے درپردہ ملے ہوئے وکلاء نے بھرپور حصہ لیا۔ جمہوریت کی جدوجہد میں سنگ میل بنا کر پیش کیا۔ اور عام وکلاء کو کانوں کان یہ خبر نہ ہوئی کہ کنونیشن سے ایک روز پہلے گورنر پنجاب سے ایک ملاقات کے دوران کنونیشن کی پالیسی طے ہو گئی تھی جس میں سب سے بنیادی بات یہ تھی کہ وکلاء سڑکوں پر کسی صورت میں نہیں آئیں گے۔ اور نہ ہی ایجی ٹیشن کا کوئی اور طریقہ اختیار کریں گے۔ اس سودے بازی کے عوض میں حکومت کنونیشن کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی۔ ۱۹۸۳ء کے حالات میں یہی

پالیسی دائیں بازو اور موقعہ پرست کیریئرسٹ وکلاء کی تھی جو ۷۹-۱۹۷۷ء میں لاہور ہائی کورٹ بار پر قابض تھے۔ لیکن جب حالات ساز ہونے لگے تو وہ بھی جدوجہد کی پالیسی کو عابد حسن منٹو کے ذریعے دفن کرنے کے لئے ہاتھ بٹانے لگے۔

چنانچہ کنونیشن میں دھواں دھار تقریریں ہوئیں اور کنونیشن کے آخر میں ہائی کورٹ بار کے احاطہ کے اندر نوجوان وکلاء کے اصرار پر جلوس نکالا جسکی رہنمائی معاہدے کے مطابق صدر نے نہ کی۔ اور نعرے لگانے کے متعلق پابندی لگائی لیکن آخر میں نوجوان وکلاء نے اس پابندی کو توڑ کر مارشل لا کے خلاف نعرے لگائے۔ کنونیشن نہایت کامیاب تھا اور اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ عوام کے وسیع حلقے مارشل لا کے خلاف ہو رہے ہیں اور جدوجہد کی طرف جا رہے ہیں اور اس کنونیشن سے یہ بنات بھی مترشح تھی کہ مارشل لا کے خلاف وسیع ترین متحدہ محاذ وقت کی اہم ضرورت تھی۔

آخر اس پالیسی کے نتیجے میں عابد حسن منٹو اور پیپلز پارٹی کی صوبائی لیڈرشپ اور تحریک استقلال کے رہنما میاں محمود علی قصوری اور اعتزاز احسن کی کوششوں سے ۱۹۸۳ء میں بار کی صدارت کے لئے مسٹر افضل حیدر جو کہ انتظامیہ کے آدمی ہیں کو صدارتی امیدوار کے طو پر نامزد کر دیا گیا۔ دراصل افضل حیدر کی نامزدگی کے متعلق عابد حسن منٹو کے انتخاب کی دوران ہی دائیں بازو کے گروپوں اور پیپلز پارٹی کی لیڈرشپ سے بات طے ہو چکی تھی۔

افضل حیدر کے مقابلہ میں عبدالرشید قریشی (پاکستان جمہوری پارٹی جو ایم آر ڈی کی ممبر ہے) امیدوار کھڑا ہو گیا۔ کئی میٹنگوں میں متحدہ امیدوار کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ہربار ناکام ہوئی۔ آخر اس بات کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ باوجودیکہ نوابزادہ نصراللہ خاں نے ایم آر ڈی کی پارٹیوں کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ ایم آر ڈی کی کسی پارٹی کا کوئی امیدوار ہو تو عبدالرشید قریشی کو بٹھا دیا جائے۔ لیکن اگر اور کسی پارٹی کا امیدوار نہ ہو تو عبدالرشید قریشی کی حمایت کی جائے۔ ۱۹۸۳ء کے انتخاب کے عین موقعہ پر اچانک چودھری محمد اشرف (پاکستان جمہوری پارٹی۔ وائس پریذیڈنٹ پاکستان بار کونسل) ریاض لون۔ پرویز صالح ایڈوکیٹ (قومی محاذ آزادی) اور پیپلز پارٹی کے ایک کارکن کو گرفتار کر لیا گیا۔ عام خیال تھا کہ یہ گرفتاریاں عبدالرشید قریشی کے حمایتوں کو پست ہمت کرنے کے لئے سازش کے تحت عمل میں آئی ہیں کیونکہ جس میٹنگ کے حوالے سے یہ گرفتاریاں عمل میں آئیں اس میں چوہدری محمد اشرف نے شمولیت نہیں کی تھی۔

گرفتار شدہ وکلاء عبدالرشید قریشی کے حامی تھے اس پر عبدالرشید قریشی نے آپنے طور پر اس وقت تک بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا جب تک گرفتار شدگان کو رہا نہ کر دیا جائے۔ اور انہوں نے ہائیکورٹ کے احاطہ کے اندر بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ بھوک ہڑتال نے وکلاء کے کافی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور دن بدن اس کی اہمیت بڑھنے لگی۔ مارشل لا کے موجودہ حالات میں جدوجہد کے اس طریقہ کو لوگوں نے اپنانا شروع کر دیا۔ اور ساہیوال' چیچاوطنی' سیالکوٹ' جڑانوالہ نارووال وغیرہ میں وکلاء نے خودبخود بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا۔ لاہور میں بھی عبدالرشید قریشی کی حمایت میں دو دو وکلاء چوبیس گھنٹے کی علامتی ہڑتال کرنے لگے۔ اس تحریک کی ہر طرف سے حمایت کی جانے لگی۔ پیپلز پارٹی کے صوبائی رہنماؤں اور تحریک استقلال کے محمود علی قصوری اور اعتزاز احسن اور عابد حسن منٹو نے ایک طرف عبدالرشید قریشی کے ہمدردی کا اظہار کیا اور بعض نے اس کے ساتھ تصویریں کھنچوائیں۔ لیکن دوسری طرف یہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ انتخابی سٹنٹ ہے اور قریشی حکومت سے ایجنٹ ہیں۔ لیکن اس منافقانہ پروپیگنڈا کے باوجود تحریک پھیلتی چلی گئی۔ اور آخر لاہور میں انتخاب کی بعد کی تاریخوں میں متوقع بھوک ہڑتالیوں کے ناموں کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ جس پر حکومت بوکھلا گئی۔ اور آخر انتخاب کے دن اس وقت گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا جس وقت پولنگ ختم ہونے والا تھا۔

مارشل لا کے بعد یہ پہلی بار تھی کہ کسی ایکشن کے دباؤ کی وجہ سے احکام کو گرفتار شدگان کو رہا کرنا پڑا۔ دراصل بھوک ہڑتال کے دس دن میں مارشل لا کے خلاف زبردست ایجی ٹیشن ہوئی۔ اس بھوک ہڑتال اور ایجی ٹیشن کا چرچا اخبارات اور موکلوں کے ذریعے ملک کے کونے کونے میں ہونے لگا۔ اور مزدوروں' طلبا' عورتوں حتیٰ کہ برانڈرتھ روڈ کے تاجروں کے وفود نے ہڑتالیوں کو پھولوں اور نوٹوں کے ہار پہنائے۔ پیپلز پارٹی کے چھوٹے کارکنوں نے نہایت ہی تندہی سی بھوک ہڑتال کے لئے کام کیا۔ حتیٰ کہ ایک کارکن کے خلاف صوبائی لیڈرشپ نے تادیبی کاروائی کی بھی دھمکی دے دی۔

بھوک ہڑتال کی رہنمائی کرنے کے لئے آل پارٹیز لائیرز کمیٹی وجود میں آئی جس میں تحریک استقلال کے حامد سرفراز' پاکستان نیشنل پارٹی کے میاں بشیر ظفر' پیپلزپارٹی کے عارف اقبال بھٹی اور جہانگیربدر اور اقبال چیمہ' چودھری بشیراحمد اور پاکستان مزدور کسان پارٹی کے سردار شوکت علی شامل تھے۔ اس کے علاوہ انڈی پنڈنٹ وکلاء بھی کمیٹی میں شامل ہوئے۔

لاہور ہائیکورٹ بار کا انتخاب افضل حیدر جیت گئے۔ لیکن عبدالرشید قریشی کی جدوجہد

www.bhutto.org

کی پالیسی جو کہ حالات کے مطابق تھی ہر حلقے میں مقبول ہو گئی۔ سوائے حکومت کے پٹھوؤں اور موقعہ پرستوں میں۔ اس بھوک ہڑتال نے پبلک کے تمام حلقوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آیا مارشل لا کے خلاف آئین کی بحالی کے لئے بھوک ہڑتال کا یہ ہتھیار کامیابی سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ انتخاب کے بعد آل پارٹیز لائیرز کمیٹی نے بھوک ہڑتال کرنے والے وکلاء کو ایک شاندار استقبالیہ دیا جس میں وکلاء کی جدوجہد کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیااور عام وکلاء کے جدوجہد کرنیوالے حلقوں نے اس طریقہ جدوجہد پر صاد کر دیا۔ بار کے انتخاب کے دوران پیپلز پارٹی کے نچلے کارکنوں نے اپنے صوبائی رہنماؤں پر آوازے کسے اور انہیں اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔

سیالکوٹ کنونیشن کے بعد بار کے صدر اور سیکرٹری گرفتار کر لئے گئے تو آل پارٹیز لائیرز کمیٹی نے سوچ بچار کے بعد اعلان کیا کہ اگر ۳ اپریل تک انہیں رہا نہ کیا گیا تو آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے وکلاء ۴ اپریل سے بھوک ہڑتال شروع کر دیں گے۔ اس اعلان کے بعد پیپلز پارٹی کے صوبائی رہنماؤں رفیق احمد شیخ اور ملک معراج خالد نے آل پارٹیز لائیرز کمیٹی اور لاہور ہائیکورٹ بار کے درمیان مفاہمت کے لئے کمیٹی کے نمائندوں سے بات چیت کی۔ اور کہا کہ وہ بھوک ہڑتال کو جدوجہد کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کو برحق اور درست قرار دیتے ہیں۔ پہلے بھی جن دوستوں نے بھوک ہڑتال کی ان کے اس اقدام کو بھی سراہتے ہیں لیکن وکلاء کی جدوجہد کے لئے ضروری ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وکلاء شامل ہوں۔ اس لئے اس جدوجہد کے لئے لاہور ہائیکورٹ بار اور لاہور ڈسٹرکٹ بار کی متحدہ میٹنگ میں اس امر کی قرارداد پاس کروائیں جس میں ہڑتال کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائیگا۔ فی الحال ۴ اپریل کی مجوزہ ہڑتال کو ملتوی کر کے تمام وکلاء کے متحدہ ایکشن کے لئے جلد از جلد منصوبہ بندی کی جائیگی۔ چنانچہ اس میٹنگ کے لئے ۳ اپریل کا دن مقرر کیا گیا۔ ڈسٹرکٹ بار کے صدر اس تجویز سے متفق نہ ہوئے لیکن حکومت نے ۴ اپریل سے پہلے ہی سیالکوٹ کے دو وکلاء کو رہا کر دیا گیا۔ پھر اس پالیسی کو ایک اعلان نامے کے ذریعے ۱۸ اپریل کے صوبائی کنونیشن میں نہ صرف آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے وکلاء کو بولنے کے لئے وقت دیا جائیگا۔ بلکہ سبجیکٹ کمیٹی میں بھی ان وکلاء کا نام رکھا جائیگا۔ معراج خالد کے ذمے مشترکہ اعلان نامہ تحریر کرنے کا کام سونپا گیا۔ جو انہوں نے تحریر کیا۔ اور پھر آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے نمائندوں کے ساتھ اس پر گفتگو ہوئی۔ چند ترامیم پیش کی گئیں جو منظور کر لی گئیں۔ ان ترامیم میں بھوک ہڑتال کرنے اور اس کے لئے رضاکاروں کے لئے

اپیل کی گئی تھی۔ اور مئی کے مہینے میں کل پاکستان رابطہ کمیٹی کی میٹنگ بلا کر اس میں پاس کروانے پر اتفاق رائے ہو گیا۔

۱۸ر اپریل کی صوبائی کنونیشن کے سلسلہ میں بنائی گئی سبجیکٹ کمیٹی میں آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے کسی نمائندہ کو جگہ نہ دی گئی۔ کنونیشن میں مقررین کی لسٹ سے کمیٹی کے نمائندوں کے نام کاٹ دیئے۔ اور اعلان نامہ سے بھوک ہڑتال کرنے کے سلسلہ میں ترمیم کو بھی حذف کر دیا گیا۔ لیکن کنونیشن کے ۹۰ فیصدی مندوبین نے جدوجہد کے لئے ایک قدم آگے جانے کے لئے دھوآں دھار تقاریر کیں اور کہا کہ اب قرار دادیں پاس کرنے اور محض نمائشی کنونیشن بلانے پر ہی اکتفا نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب اعلان نامہ کنونیشن کے سامنے پیش کیا گیا تو آل پارٹیزلائیرز کمیٹی کے ایک رہنما عبدالرشید قریشی نے بھوک ہڑتال کے متعلق ترمیم پیش کر دی۔ اور ایک پرزور اور روح پرور تقریر کے ذریعے کنونیشن سے اس ترمیم کو منظور کرنے کے لئے اپیل کی۔ جو تالیوں کی گونج میں منظور کر لی گئی۔ موقعہ پرستوں کے سارے ہتھکنڈے اور داؤ پیچ فیل ہو گئے۔ انہوں نے اس ترمیم کو اخبارات میں نہ چھاپنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ چنانچہ "جنگ" میں یہ ترمیم نہ چھپ سکی۔ لیکن بعض اخبارات میں چھپ گئی۔

جب یہ صورت حال سامنے آئی تو سرکاری طور پر ہائی کورٹ بار میں بھوک ہڑتال کا بندوبست چار و نا چار کرنا پڑا اور آل پارٹیز لائیرز کمیٹی کے وکلا کو بھی بھوک ہڑتال میں بٹھایا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر اور پاکستان وکلاء کی رابطہ کمیٹی کے صدر عابد حسن منٹو اور ان کے صلاح کار اعتزاز احسن اور پیپلزپارٹی کے رہنما بھی ہائی کورٹ کے احاطہ کے اندر بھوک ہڑتال کرنے کے پہلے مخالف تھے لیکن جونہی وکلاء کے تیور دیکھے تو پہلے روز عام وکلاء کو یہ باور کرانے کے لئے کہ وہی اس تحریک کے محرک ہیں اور کرتا دھرتا ہیں اعتزاز احسن کو پہلے روز بھوک ہڑتال پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد شیخ رفیق احمد اور عابد حسن منٹو نے بھی بھوک ہڑتال میں حصہ لیا۔ لیکن یہ حضرات بھوک ہڑتال کے بعد بھی اس کی مخالفت کرتے رہے۔ حالانکہ وہ خود اپنی ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے بھوک ہڑتالیوں شامل تھے۔

جب بھوک ہڑتال ہو گئی تو بار انتظامیہ نے اپنے سیاسی صلاح کاروں کے مشورہ سے سارا زور اس پر لگا دیا کہ بھوک ہڑتال نہایت خوموشی سے ہو۔ نعرے نہ لگائے جائیں۔ تقریریں نہ کی جائیں مجمع اکٹھا نہ کیا جائے۔ وکلاء کے علاوہ دوسرے طبقات کے لوگ

www.bhutto.org

بھوک ہڑتالی کیمپ میں نہ آئیں اور نہ ہی کسی طور پر حصہ لیں۔ چنانچہ لاہور ہائی کورٹ بار میں ان پابندیوں کی وجہ سے بھوک ہڑتال کے دوران وہ جوش و جذبہ پیدا نہ ہو سکا جو رشید قریشی کی بھوک ہڑتال کے دوران دیکھنے میں آیا تھا اور نہ ہی دوسرے طبقوں کے ہجوم دیکھنے میں آئے۔ لیکن اس کے باوجود وکلاء نے جلسے کئے اور آزادی کے نعرے لگائے۔ آخری دن بار میں جو جلسہ ہوا اس میں بیرونی عناصر کو شامل نہ ہونے دیا گیا اور آخری جلسہ میں یہ اعلان کیا گیا۔

"وکلاء نے بھوک ہڑتال کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب سیاسی پارٹیوں کا کام ہے کہ وہ تحریک چلائیں۔"

ہڑتال کے اختتامی جلسہ پر اعلان تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ۵ جولائی ۱۹۸۳ء کے مجوزہ یوم سیاہ منانے کے لئے تمام باروں کو ذمہ دار طریقے سے تیاری کرنی چاہئے اور دن منانے کے طریقے کا اعلان ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ کیا گیا اور چپ سادھ لی گئی۔

پاکستان وکلا کی رابطہ کمیٹی کے سربراہ ہڑتال سے پہلے یہ تاثر دیتے رہے کہ اضلاعی باریں بھوک ہڑتال کی تحریک میں بالکل دلچسپی نہیں رکھتیں اس لئے انہوں نے بارہ باروں کو بھوک ہڑتال کے لئے منتخب کیا ہے۔ کہا تو یہ گیا کہ ہڑتال کو محدود بہ امر مجبوری کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود آہستہ آہستہ پھیلنے لگی۔ جن باروں کی لیڈر شپ بھوک ہڑتال کے خلاف تھی وہ بھی تحریک میں شامل ہونے پر مجبور ہوئیں اور آخری دنوں میں پنجاب کی تقریباً تمام باروں نے سوائے چند ایک کے بھوک ہڑتال کی اور دو دو کی بجائے زیادہ تعداد میں وکلاء بھوک ہڑتال میں شامل ہوئے جبکہ لاہور ہائی کورٹ بار میں آخری دن ۱۱ وکلاء نے بھوک ہڑتال کی۔ اسی طرح شیخوپورہ اور ملتان میں جہاں شروع سے بھوک ہڑتال نہیں کی گئی تھی زیادہ تعداد میں وکلاء نے بھوک ہڑتال میں حصہ لیا۔ بھوک ہڑتال میں اس تحریک نے جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں ایک اور درخشاں باب کا اضافہ کیا۔

محنت کشوں اور دوسرے ملازمین کی جدوجہد

بھٹو مرحوم کی حکومت روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں کے ساتھ برسر اقتدار آئی تھی لیکن وہ ان مسائل کو حل نہ کر سکی۔ گو شہروں میں کچی بستیوں کی سکیم اور دیہات میں پانچ مرلہ سکیم نے غریب ترین طبقات کو کچھ سہارا دیا۔ ملازمین کو تنخواہوں مین کچھ اضافہ کیا گیا اور بے زمین کسانوں کے چھوٹے سے حصہ کو بلا معاوضہ زمین مہیا کی گئی۔ لیکن یہ

اقدامات غربت ' بھوک ' بے روز گاری اور جہالت کے ہمہ گیر مسائل کے حل کے لئے بالکل ناکافی تھے۔ سامراجی قرض خوہواں کے دباؤ کے تحت روپے کی قیمت میں ۱۳۰ فیصدی کمی نے یک دم قیمتوں میں ایسا اضافہ کیا کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ جونہی پیپلزپارٹی کی حکومت بنی تو بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں نے جو اس سے باہر رہ گئے تھے' نے اس میں شمولیت کے لئے یلغار کر دی اور بالادست طبقوں نے لوٹ مار اور مار دھاڑ کا بازار گرم کر دیا۔ اس کے علاوہ حکومت کے قیام کے تھوڑے عرصہ بعد الٹرا لیفٹ نعرہ بازوں اور چھومنتر سے انقلاب برپا کرنے والے مہم پسندوں کے ناعاقبت اندیشانہ اقدامات اور بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ممتاز بھٹو وزیر اعلیٰ سندھ کی ملی بھگت سے کراچی میں بحرانی حالات پیدا کر کے مزدوروں پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی اور ان گنت مزدوروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا جس کے نتیجے میں کافی عرصہ تک کراچی میں ٹریڈ یونین تحریک شجر ممنوعہ بن گئی۔

قومی اتحاد کی تحریک کے دوران جماعت اسلامی کی رہنمائی میں چلنے والی نیشنل لیبر فیڈریشن کے رہنماؤں نے محنت کشوں کو بھٹو حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کے لئے ابھارا اور کراچی میں تو ایک جلوس بھی نظام مصطفے کے نعروں کے ساتھ نکالا۔ لاہور میں بھی اس فیڈریشن کے صدر ملک محمد شفیع نے ریلوے اور دوسرے مزدوروں کو تحریک میں شامل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن باوجود کوششوں کے وہ آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے رہنما مرزا محمد ابراہیم اور دوسرے رہنماؤں کا اس سلسلہ میں تعاون حاصل نہ کر سکا۔

مارشل لا کے نفاذ اور بھٹو کی گرفتاری کے بعد پیپلزپارٹی کے حمایتی مزدوروں نے لاڑکانہ شوگر ملز' رستم و سہراب فیکٹری لاہور' لیفو اور پاکستان انجینئرنگ لاہور میں مظاہرے کئے۔ مارشل لا حکومت نے تشدد کے ذریعے ان مظاہروں کو کچل ڈالا۔ سینکڑوں مزدور گرفتار ہوئے۔ کوڑوں کی سزائیں ہوئیں اور بے شمار مزدور ملازمتوں سے نکال دیے گئے۔

پھر کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے پر امن مزدوروں پر قیامت گذر گئی۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مزدور نہایت ہی پر امن طریقے سے بونس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ دسمبر ۱۹۷۷ء سے اس سلسلہ میں ہڑتال پر تھے اور گفت و شنید جاری تھی۔ یہ تنازعہ پرامن طور سے طے ہو رہا تھا۔ اس میں پولیس کی مداخلت اور وحشیانہ فائرنگ کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن ۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو نہتے' بے بس اور پرامن مزدوروں پر جو مل کے احاطہ کے اندر گفت و شنید کے

www.bhutto.org

نتائج سے آگاہ ہونے کے لئے زمین پر بیٹھے تھے اچانک پولیس نے فائرنگ کھول دی اور درجنوں مزدور گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ہر طرف لاشیں بکھر گئیں اور زخمی مزدوروں کی چیخ و پکار سے فضائیں بوجھل ہو گئیں اور ہر طرف دہشت پھیل گئی کہا جاتا ہے کہ کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مالک محمد ضیا الحق چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے دوست تھے اور یہ سانحہ عظیم اسی دوستی کی آڑ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس سانحہ نے ملک بھر کے مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں کی صفوں میں غم و غصہ کی لہرا دوڑا دی۔ ۲۷ فروری ۱۹۷۸ء کو ملک بھر کے محنت کشوں کے نمائندوں نے آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے رہنما مرزا محمد ابراہیم کی صدارت میں لاہور میں ایک اجلاس میں ۲۹ فروری ۱۹۷۸ء کو یوم جدوجہد منانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس دن ملک بھر میں محنت کشوں نے جلسے اور مظاہرے کئے۔ جلوس نکالے اور کہیں کہیں ہڑتال بھی کی۔ پشاور میں ریلوے ورکرز یونین کے تین کارکنوں کو جلوس نکالنے کی پاداش میں ایک ایک سال سزا ہوئی۔

اس کنونیشن میں پاکستان ورکرز رابطہ کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا اور محنت کشوں کے اجتماع میں ۱۸ نکات پر مشتمل حسب ذیل چارٹر آف ڈیمانڈ تیار کیا گیا۔

۱۔ کالونی ملز ملتان کے مزدورں کے قاتلوں کو پھانسی دی جائے۔ ملز کے مزدوروں کے مطالبات منظور کئے جائیں۔ شہدا کے وارثوں کو تمام واجبات ادا کئے جائیں۔ ہر سوگوار خاندان کو کم از کم ایک لاکھ روپیہ ادا کیا جائے اور انہیں ملز کی جانب سے تاحیات معقول پنشن دی جائے گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے تمام مقدمات واپس لئے جائیں اور کالونی ٹیکسٹائل ملز کو بلا معاوضہ بحق سرکار ضبط کر کے مزدوروں کی شراکت سے چلایا جائے۔

۲۔ تمام کالے قوانین بمعہ مارشل لا ختم کئے جائیں۔ تحریر' تقریر' اجتماع' انجمن سازی' احتجاج' حق ہڑتال اور اجتماعی سوداکاری کی مکمل آزادی دی جائے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر تمام پابندیاں ختم کی جائیں۔

۳۔ چھانٹیاں' برطرفیاں اور تالہ بندیاں ختم کی جائیں۔ ۱۹۷۲ سے لے کر اب تک جن مزدوروں ر ملازمین کو برطرف کیا گیا ہے انہیں فوری طور پر بحال کیا جائے۔

۴۔ بے روزگاری ختم کی جائے اور روزگار سے محروم مزدوروں اور دیگر افراد کو بے روزگاری الاؤنس دیا جائے۔

۵۔ مہنگائی ختم کی جائے اور قیمتوں میں اضافہ کو موثر طور پر روکا جائے۔ محنت کشوں کی قوت خرید میں جس قدر کمی بھی گذشتہ ۵ سال میں ہوئی ہے۔ اس کی نسبت سے ان کی

www.bhutto.org

تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔

۶۔ کسی کارخانے یا ادارے کو جو قومی ملکیت میں ہے واپس نجی ملکیت میں دیا جائے اور جن نیشنلائزڈ اور قومیائے ہوئے اداروں کے مزدوروں اور ملازمین کی چھانٹی کی گئی ہے انہیں بحال کیا جائے۔ سرکاری شعبوں کی صنعتوں اور اداروں کو مزدوروں کی شرکت سے جمہوری کنٹرول میں چلایا جائے۔

۷۔ پٹ فیڈز کے کسانوں کے قاتلوں اور ڈیری (ہشت نگر) کے کسانوں پر ظلم کرنے والے فورمین کے خلاف سخت کارروائی کی جائے اور تمام سرکاری اور ضبط شدہ اراضی بے زمین کسانوں میں بلا معاوضہ تقسیم کی جائے۔ ملک بھر میں کسانوں کی بے دخلیاں بند کی جائیں اور آبیانہ میں حالیہ اضافہ واپس لیا جائے۔ بڑے زمینداروں پر زرعی ٹیکس لگایا جائے۔

۸۔ اساتذہ' صحافیوں' اخباری کارکنوں' ریڈیو اور ٹی وی ملازمین' کانوں' ریلوے' پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف' شکر سازی' سیمنٹ سازی' میونسپل ملازمین' پیرا میڈیکل شاف'کلرکس 'کاٹن جننگ فیکٹریوں' فلور ملوں' رائس ملوں' بندرگاہ اورڈاک یارڈ' ٹیکسٹائل اور دیگر صنعتوں کے سرکاری' نیم سرکاری ملازموں اور مزدوروں کے مطالبات (بونس وغیرہ بھی شامل ہیں) منظور کئے جائیں۔

۹۔ مارشل لا ضابطہ ۲۵ منسوخ کیا جائے اور اس ضابطے کے تحت جن ملازمین کو برطرف کیا گیا ہے ان کو بحال کیا جائے۔ مارشل لا کا ضابطہ ۲۸ بھی منسوخ کیا جائے۔ اور طلبہ اورطالبات نیز پیشہ وارنہ تنظیموں پر سے تمام پابندی ختم کی جائے۔

۱۰۔ ملک بھر میں جن مزدوروں' کسانوں طالب علموں اور سیاسی کارکنوں کو کالے قوانین یا مارشل لا کے تحت گرفتار کیا گیا ہے یا نظر بند کیا گیا ہے انہیں فی الفور رہا کیا جائے اور ان کے خلاف تمام مقدمات واپس لئے جائیں اور سزائیں منسوخ کی جائیں۔

۱۱۔ کوڑوں کو سزا منسوخ کی جائے۔

۱۲۔ تمام کارخانوں/ اداروں سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں حسب سابق بونس فورا ادا کیا جائے اور ۱۰۰ روپے مصارف زندگی الاونس کو بنیادی تنخواہ میں ضم کیا جائے۔

۱۳۔ لازمی سروس کا قانون ختم کیا جائے۔

۱۴۔ واپڈا ایکٹ کی دفعہ ۱۷/۱۷ کو فورا منسوخ کیا جائے اور اس کے تحت نکالے گئے ملازمین کو بحال کیا جائے۔

۱۵۔ سرکاری اداروں ' بنکوں اور مالی اداروں میں سابقہ اوقاف کار بحال کئے جائیں۔ نصف دن کی تعطیل بحال کی جائے اور بنک ملازمین کا سودا کاری کا حق بحال کیا جائے۔

۱۶۔ تمام بند کارخانے سرکاری تحویل میں لے کر مزدوروں کی شرکت سے چلائے جائیں۔

۱۷۔ طلبہ' طالبات کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

۱۸۔ سامراجی سرمایہ (بشمول۔ ۴۸۔ P - L کی تمام رقوم) ضبط کیا جائے۔ سرمایہ دارانہ ممالک کے ساتھ کئے گئے غیر منصفانہ تجارتی اور دیگر معاہدے ختم کئے جائیں۔

پاکستان ورکرز رابطہ کمیٹی میں بائیں بازو کی ٹریڈ یونینوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی لیکن باہمی اختلافات اور دیگر وجوہات کی بنا پر یہ کمیٹی زیادہ عرصہ کام نہ کر سکی اور آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔

۱۹۷۹ء کے شروع میں شپ یارڈ کراچی کے مزدوروں نے اپنے مطالبات کے لئے ہڑتال کر دی۔ دراصل اس سے پہلے شپ یارڈ کے مزدور نہایت ہی کامیاب جدوجہد کے ذریعے اپنے بیشتر مطالبات منوا چکے تھے۔ لیکن اس شاندار فتح کے تھوڑے عرصہ بعد یونین کی لیڈر شپ میں الٹرا لیفٹ عناصر نے اپنی حریف کو نیچا دکھلانے کے لئے پہلے معاہدے پر عملدرآمد کے سلسلہ میں ایک بار پھر ہڑتال کا راستہ اختیار کر لیا۔ انتظامیہ نے لیبر کورٹ سے احکام حاصل کر کے تمام مزدوروں کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا اور مزدوروں کے خاندانوں کو بھوکا مارنے کے لئے منصوبہ بندی کر لی۔ کراچی شپ یارڈ کی ہڑتال کی وجہ سے حکومت کو روزانہ پونے دو کروڑ روپے کا نقصان ہوتا تھا۔ چالیس دن سے زائد شپ یارڈ بند رہنے کی وجہ سے شپ یارڈ انتظامیہ کو کروڑوں روپے کا نقصان ہوا۔ ان حالات کے خلاف یونین کی رہنما نے اپنی ساکھ بحال رکھنے کے لئے مارشل لا کی پابندیوں کو توڑ کر جلوس نکال جلوس میں شہر کی دوسری تنظیموں کے مزدور بھی شامل ہوئے یونین کے کئی رہنما گرفتار ہوئے اور انہیں مارشل لا قوانین کے تحت جیل میں ڈال دیا گیا اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی لگا دی گئی حکومت اپنی ہٹ دھری پر ڈٹی رہی اور آخر انتظامیہ نے معافی نامہ پر دستخط کروا کر انفرادی طور پر مزدوروں کو واپس کام پر جانے کی اجازت دی۔ انتظامیہ نے مارشل لا کے زیر سایہ الٹرا لیفٹ عناصر کی مہم پسندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شپ یارڈ کے مزدوروں کی جیت کو ہار میں بدل دیا۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور ۱۹۸۲ء میں پھر مزدوروں نے ریفرنڈم میں انتظامیہ کی پالتون جماعت اسلامی کی یونین کو شکست دے کر کامیابی حاصل کر لی۔

www.bhutto.org

اس دور میں سیمنٹ فیکٹری روہڑی میں بھی طویل ہڑتال ہوئی۔ مزدور نہایت بے جگری سے لڑتے رہے لیکن آخر میں ہڑتال بھی ظلم و تشدد کی مدد سے توڑ دی گئی اور بے شمار مزدوروں اور ان کے رہنماؤں کو فیکٹری سے نکال دیا گیا۔ چار سال کے بعد پھر سے یونین کی پرانی لیڈر شپ ریفرنڈم میں کامیاب ہو گئی۔

اس زمانہ میں لاہور میں پاکستان انجینئرنگ (اتفاق فونڈری) جو کہ پیپلزپارٹی کے دور میں قومی ملکیت میں لی گئی تھی واپس مالکان کو دے دی گئی اور ان کے ایک مالک کو پنجاب کے صوبائی کابینہ میں وزیر کے عہدہ پر متمکن کر دیا گیا۔ مالکان نے قبضہ لیتے ہی تمام مزدوروں کو نکال باہر کیا۔ مزدوروں نے نہایت بہادری سے ان ظالمانہ اقدامات کے خلاف جدوجہد کی۔ لیکن مارشل لا کے غیض و غضب کے سامنے مزید کچھ نہ کر سکے۔

اوکاڑہ میں ستلج کاٹن ملز بھی بند کر دی گئی اور ہزاروں مزدوروں کو بے روز گار کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے چند کھاتے چلائے گئے لیکن باقی مزدوروں کی ملازمتوں کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ بے روز گار مزدوروں کو کوارٹر چھوڑنے کے لئے بھی نوٹس دے دیئے گئے۔

۲۷ جون ۱۹۷۹ء کو ریلوے ورکرز کی اپیل پر گرانی' ریلوے ملازمین کے دوسرے مطالبات' لیفو کے واپسی کے خلاف کراچی شپ یارڈ کے مزدوروں کی بحالی اور ملک بھر میں مزدوروں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے کے خلاف دو گھنٹہ کے علامتی احتجاج کو تمام ملک کے ریلوے ملازمین نے ۲ گھنٹہ کی پہیہ جام ہڑتال میں تبدیل کر دیا۔ کیماڑی اور زاہدان سے لے کر لنڈی کوتل تک ریلوے کی تمام گاڑیوں' ورکشاپوں کی مشینیں دو گھنٹہ کے لئے جہاں تھیں روک دی گئیں اور اس دوران برقی رو بھی معطل رہی۔ لاہور میں پہیہ جام کے نتیجے میں لاہور ریلوے اسٹیشن سے فیصل آباد ایکسپریس' نارووال ایکسپریس' پاکستان ایکسپریس' کوئٹہ ایکسپریس اور تیز گام ایکسپریس ساڑھے گیارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک یعنی دو گھنٹے تک رکی رہیں۔ لاہور میں گڑھی شاہو کے رہنے والوں نے ریلوے ملازمین کے مطالبات کی حمائت کی۔ دو گھنٹوں کے دوران رکنے والی گاڑیوں کے مسافروں کو گرمی کی شدت میں لاہور کے شہریوں نے ٹھنڈا پانی اور سگریٹ وغیرہ پیش کئے جس پر مسافروں نے ریلوے ملازمین اور مزدوروں کے مطالبات کی تائید کی۔ پہیہ جام ہڑتال کے باعث ریلوے کی تقریباً پچاسی سے زائد گاڑیاں اور ۱۳ ورکشاپوں اور تمام شیڈوں اور دفاتر میں دو گھنٹے کے لئے کام بند رہا۔ ریلوے کے تمام دفاتر میں کلرکوں نے قلم چھوڑ ہڑتال کی۔ اس پہیہ جام ہڑتال میں

www.bhutto.org

شپ یارڈ سے نکالے گئے مزدوروں نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ جس میں شمولیت کے لئے ہزاروں مزدور سرخ جھنڈے اٹھائے' ڈھول بجاتے اور فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے شامل ہوئے۔

پچھلے چھ سال کے دوران لاہور میں ریلوے مزدوروں نے بار بار اپنے مطالبات کے لئے' لبنان میں فلسطینی مہاجرین پر بربریت کے خلاف اور امریکی سامراج کی ریشہ دوانیوں کے خلاف جلسے کئے' مظاہرے کئے اور جلوس نکالے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ مارشل لا کے خاتمے اور اور آئین کی بحالی کے مطالبات پیش کئے۔

مارشل لا کے ضابطوں کے تحت ہڑتال اور جلوس وغیرہ کا حق چھین لیا گیا ہے اور ملک بھر میں ہڑتالی مزدوروں کے رہنماؤں کے خلاف عام طور پر سمری ملٹری کورٹ میں مقدمات چلائے جاتے ہیں۔ رستم و سہراب فیکٹری لاہور۔ پاکستان انجینئرنگ لاہور' لیفو لاہور' کھاد فیکٹری ملتان' پاکستان سٹیل ملز کراچی اور ملک بھر میں بے شمار دوسرے اداروں کے مزدور رہنماؤں کو قید اور کوڑوں کی سزائیں سنائی گئیں۔ ابھی پچھلے ماہ صوبہ سرحد میں ایک بھوک ہڑتالی مزدور رہنما اور اس کی حمایت کرنے والے ٹریڈ یونین کارکنوں اور رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا ہے ملک کے طول و عرض میں مزدور رہنماؤں کے خلاف مارشل لا کے ضابطے وسیع پیمانے پر استعمال کئے گئے ہیں لیکن ان پابندیوں' مارشل لا کے ضابطوں' سزاؤں اور تشدد کے باوجود ۱۹۷۷ء میں ۸۱ ہڑتالیں ہوئیں جن میں ۴۹۰۹۳ مزدورون نے حصہ لیا۔ اور دو لاکھ آٹھ ہزار چھ صد کام کے دن ضائع ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں ۸۵ ہڑتالیں ہوئی۔ جن میں ۶۳ ۵۸۵ مزدوروں نے حصہ لیا اور ایک لاکھ آٹھ ہزار پانچ صد سینتالیس کام کے دن ضائع ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں ۶۵ ہڑتالیں ہوئیں جن میں ۳۸۷۳۳ مزدوروں نے حصہ لیا اور دو لاکھ سینتالیس ہزار آٹھ صد ستاسٹھ دن ضائع ہوئے۔ ۱۹۸۰ء میں ۵۹ ہڑتالیں ہوئیں جنمیں ۲۴۷۱۰ مزدوروں نے حصہ لیا اور ۵۴۷۳۰ دن ضائع ہوئے۔ ۱۹۸۱ء کے پہلے چھ ماہ میں ۳۱ ہڑتالیں ہوئی جن میں ۲۰۱۳۹ مزدوروں حصہ لیا اور ۱۲۷۲۳۷ کام کے دن ضائع ہوئے (روز نامہ مسلم مئی ۱۹۸۳ء)

جب مارشل لا لگا ہے۔ بڑے سرمایہ داروں کا رویہ مزدوروں کے متعلق سخت اور جارحانہ ہو گیا ہے۔ دو سال سروس انڈسٹریز لاہور میں محض یونین بنانے اور یونین میں انتظامیہ کی مرضی کے خلاف لیڈر شپ کے جیتنے پر کرائے کے مسلح غنڈوں کے ذریعے باقاعدہ فائرنگ کروائی گئی اور نہایت ہی ظالمانہ تشدد ہوا۔ اس واقعہ کے متعلق لیبر کورٹ

www.bhutto.org

میں فیصلہ مزدوروں کے حق میں ہوا۔ اس کے علاوہ مارشل لا حکام نے انکوائری کی جس کا نتیجہ بھی مزدوروں کے حق میں رہا۔ لیکن انتظامیہ نے فیکٹری بند کر دی اور سینکڑوں مزدوروں کو بے روز گار کر دیا گیا مارشل لا کے زمانہ میں اشتہار تقسیم کرنے' جلسہ اور جلوس کے سلسلہ میں محنت کشوں کے رہنماؤں کو تو جیل بھیج دیا جاتا ہے لیکن قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فیکٹری بند کر کے مزدوروں کو بھوکا مارنے اور قومی پیداوار میں کمی کرنے کی سازشوں کے سلسلہ میں سرمایہ داروں کو آج تک کوئی سزا نہیں دی گئی۔

ان حالات کی وجہ سے مارشل لا کے چھ سالوں میں محنت کشوں کی اکثریت کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اثاثے بیچ کر بیرون ملک ملازمتیں کرنے نکل جائیں۔ ان محنت کشوں کی بدولت ۱۹۸۲ء میں ۳۵ ارب روپیہ کا زرمبادلہ پاکستان میں بھیجا ہے اور تقریباً ۱۰ ارب روپیہ کا سامان بجلی اور دوسری استعمال کی چیزیں درآمد کی ہیں ۔ ان حالات نے وقتی طور پر ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر کافی برا اثر ڈالا ہے۔

پچھلے چھ سال میں ارباب اقتدار بڑے سرمایہ داروں' امریکی مشیروں اور رجعت پسند اخبارات نے یک طرفہ پراپیگنڈا کر کے پاکستان کے مزدورن کو ولن بنا کر پیش کیا ہے اور بار بار کوشش کی ہے کہ مزدوروں کے متعلق قوانین میں ایسی بنیادی تبدیلیاں کی جائیں کہ محنت کشوں کی ملازمتون کا کوئی تحفظ نہ رہے۔ چنانچہ یہ تجویز کی گئی ہے کہ صنعتی تنازعات کے آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۹ء میں یہ ترمیم کر دی جائے اور تمام ان فیکٹریوں پر لاگو ہو جن میں ۵۰ سے کم مزدور کام کرتے ہیں اور ایسے مزدوروں کو ملازمت کا کوئی تحفظ حاصل نہ ہو۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں ایسے دس ہزار ادارے پہلے سے ہیں۔ اگر ایسی ترمیم کر دی گئی تو مستقبل میں ایسے ادارے قائم کرنے کا رجحاج اور بڑھ جائے گا ٹریڈ یونین کے حقوق کو بجائے بڑھانے کے کم کرنے کی پالیسی آئی ایل او' ۱۹۷۳ء کے آئین اور اسلام کے بھی خلاف ہے لیکن بڑے سرمایہ داروں کی ملی بھگت سے حکومت ایسی ترامیم مارشل لا کے بل بوتے پر کئے جا رہی ہے۔ پہلے ہی سیکورٹی پرنٹنگ پریس' پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن پاکستان ٹیلی ویژن' پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز میں یونین بنانے کا حق چھین لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے نام لیوا مزدورں کے مفادات کے خلاف موجودہ قانون میں نہایت ہی ظالمانہ ترمیم کرنا چاہتے ہیں اس ترمیم کے مطابق مالکان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ بغیر کوئی وجہ بتائے چھ ماہ کے نوٹس پر مزدور کو ملازمت سے سبکدوش کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تمام ٹریڈ یونین رہنماؤں کو کسی وقت بھی ملازمت سے نکال

باہر کیا جا سکے گا اور مزدوروں کے سر پر یونین کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے سلسلہ میں تلوار لٹکا دی جائے گی۔

بڑے سرمایہ داروں کا دوسرا بڑا مطالبہ قومیائی گئی صنعتوں کو نجی سرمایہ داروں کو واپس دینے کے متعلق ہے۔ اصولی طور پر یہ مطالبہ بھی مان لیا گیا ہے اور چند صنعتیں پہلے ہی واپس کی جا چکی ہیں اور اب گھی ملوں کو واپس کرنا کی پالیسی بھی منظور کی جا چکی ہے۔ ایسا کرنے سے مزدوروں کی وہ تمام مراعات جو انہوں نے اپنی جدوجہد اور قربانیوں سے حاصل کی ہیں ختم ہو جائیں گی محنت کش حکومت کے مشیروں کی ان پالیسیوں کے خلاف لگاتار جدوجہد میں مصروف ہیں۔ وہ کسی صورت بھی مالکان کو ہائر اینڈ فائر کے غیر مشروط حق کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ تمام ٹریڈ یونین لیڈر خواہ وہ حکومت کے حمایتی ہی کیوں نہ ہو اس اقدام کی مخالفت کر رہے ہیں گھی ملوں کو نجی مالکان کو واپس کرنے کی پالیسی کے خلاف مزدور جدوجہد کے میدان میں اتر آئے ہیں۔ ان کے ساتھ دوسرے محنت کش بھی اپنی آواز بلند کر رہے ہیں روز افزوں منہگائی' بے روز گاری کے خوف اور ملازمت کے تحفظات چھن جانے کے احساس نے محنت کشوں کے اندر ایک نئی بیداری پیدا کر دی ہے۔ یک مئی ۱۹۸۳ء کو پاکستان بھر کے محنت کشوں نے ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ اس یلغار کے خلاف جدوجہد کا عہد کیا ہے۔ گلبرگ لاہور میں آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیر اہتمام ایک عظیم اجتماع میں مزدوروں نے نہایت ہی بھرپور انداز میں ان پالیسیوں کی مخالفت میں آواز بلند کی ہے۔ ۹ مئی ۱۹۸۳ء کو ملک بھر میں گھی ملوں کو واپس نجی ملکیت میں دینے کی پالیسی کے خلاف ایک گھنٹہ کی علامتی ہڑتال کی ہے۔ ریلوے میں اور دوسری صنعتوں میں اس دن یوم سیاہ منایا گیا ہے۔ کالے بلے باندھے گئے ہیں۔ جلسے کئے گئے ہیں اور محنت کشوں کے مطالبات کے لئے پر زور آواز بلند کی گئی ہے۔ ڈاک یارڈ ورکرز ایک ماہ سے اپنے جائز مطالبات کے لئے "گوسلو" تحریک میں حصہ لے رہے ہیں جس کے نتیجے میں بیسویوں جہازوں سے سامان نہیں اتارا جا سکا اور بیرونی کمپنیوں نے کراچی بندر گاہ کے لئے سامان بک کرنا بند کر دیا ہے۔ ان حالات نے حکام متعلقہ کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ڈاک ورکرز یونین کے ساتھ دوبارہ گفت و شنید شروع کر دیں۔

سفید پوش ملازمین اور دوسرے طبقات کی جدوجہد.

مارشل لا کے چھ سالوں کے دوران یوں تو سفید پوش ملازمین کے مختلف حصوں نے

اپنے حقوق کے لئے بہت جدوجہد کی ہے لیکن ان سب میں سے نچلے درجے کے اساتذہ کی جدوجہد منفرد نظر آتی ہے۔ مارچ ۱۹۸۲ء کو پنجاب ٹیچرز یونین کے زیر اہتمام ناصر باغ لاہور میں اساتذہ کی تحریک مطالبات کے سلسلے میں تیسرا پرامن مظاہرہ ہوا جس میں آل پاکستان ٹیچرز فیڈریشن کی رکن تنظیموں نے بھی شرکت کی۔ مظاہرے میں شرکت کے لئے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے اساتذہ کے ناصر باغ پہنچنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں مسلح پولیس کی نفری نے ناصرباغ کو گھیرے میں لے لیا۔ اور پرامن اور نہتے اساتذہ پر ۹ بجے صبح سے تشدد کا بازار گرم کر دیا گیا۔ اساتذہ کو گروہ در گروہ گھیرے میں لیکر ان پر بے تحاشہ لاٹھیاں برسائی گئیں اور انہیں حراست میں لے کر بھیڑ بکریوں کی طرح پولیس گاڑیوں میں ٹھونس دیا جاتا رہا۔ ہزاروں اساتذہ کے سر پھٹ گئے' اعضا ٹوٹ گئے اور نقدی چھن گئی۔ اس بے دریغ تشدد کے باوجود ہزاروں اساتذہ مختلف مقامات پر پرامن احتجاجی مظاہرے کرتے رہے۔

دس ہزار سے زائد اساتذہ مسلم مسجد لوہاری گیٹ میں محصور ہو گئے۔ جو اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگاتے رہے۔ یہاں ایک جلوس بھی منظم کیا گیا جس پر سینکڑوں کی تعداد میں مسلح پولیس کے سپاہیوں نے وحشیانہ تشدد کیا۔ اور بھاری تعداد میں گرفتاریاں کیں۔ اساتذہ کو بالوں اور گریبانوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا قیام پاکستان کے بعد اساتذہ پر ایسے وحشیانہ تشدد کی مثال نہیں ملتی۔

پھر مئی ۱۹۸۳ء میں قومیائے گئے سکولوں کے اساتذہ (مرد اور عورتوں) نے سکولوں کو واپس نجی ملکیت میں دینے کے لئے مارشل لا کے ضابطہ ۱۱۸ میں ترمیم کے خلاف پنجاب بھر میں ہزاروں کی تعداد میں ہڑتال کر دی۔ لاہور شہر میں صبح ایک گھنٹہ کے لئے اساتذہ اور بچوں نے تمام سڑکوں پر دھرنا مار دیا اور ٹریفک کو جام کر دیا اور پنجاب بھر میں سینکڑوں اساتذہ کو جن میں لیڈی ٹیچرز بھی شامل تھیں' مارشل لا کے ضابطوں کے تحت گرفتار کر لیا اور جیلوں میں ٹھونس دیا آخر حکومت کو مجبور ہو کر اعلان کرنا پڑا کہ وہ سکولوں کو واپس نجی ملکیت میں دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

اساتذہ کے مختلف حصوں کی جدوجہد دراصل مارشل لا کے نفاذ کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ حکومت نے ستمبر ۱۹۷۷ء میں ایک تعلیمی کانفرنس بلائی اس کانفرنس میں تعلیم کو اسلامی بنانے اور قومی ملکیت میں لئے گئے تعلیمی اداروں کو واپس نجی ملکیت میں دینے کی سفارشات کی گئیں اور اس کے ساتھ ہی نظریہ پاکستان کے مخالفین کی تطہیر کرنے کی

www.bhutto.org

سفارش بھی کی گئی دراصل یہ جماعت اسلامی اور رجعت پسند حکمرانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے تعلیمی اداروں میں سے چن چن کر ترقی پسند اساتذہ کو نکالنے اور جماعت اسلامی اور دوسرے رجعت پسند عناصر کی بالا دستی قائم کرنے کی سازش تھی چنانچہ جماعت اسلامی کے اساتذہ نے جو آج کل نظریہ پاکستان کے ماما بنے ہوئے ہیں (حالانکہ تحریک پاکستان کے وقت وہ بالکل اس کے خلاف تھے۔ اس کا ذکر ہم منصورہ پلان کے باب میں کر چکے ہیں) ترقی پسند اساتذہ کی مارچ ۷۸ء میں اپنے اخبارات اور رسائل (زندگی' اسلامی جمہوریہ ' جسارت' بادبان وغیرہ) میں لسٹیں چھاپیں اور الزام لگایا کہ وہ کیمونسٹ اور روس کے ایجنٹ ہیں اور اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ اس لئے ان کی فوری تطہیر کا مطالبہ کیا گیا۔ اس مہم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جماعت اسلامی نے جون ۱۹۷۸ء میں اساتذہ کی نمائندہ تنظیم کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کو توڑنے کی کوشش کی اور ایک متوازی تنظیم بنا ڈالی۔ اس کے فورا بعد نوکر شاہی نے پنجاب بھر میں ۴۲ پروفیسروں کے دور دراز علاقوں میں تعطیلات کے دوران تبادلے کر دیے تاکہ انہیں پست ہمت کیا جا سکے۔

یہ قدم دراصل اس لئے اٹھایا کیونکہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں جب تعلیمی کانفرنس کی سفارشات پر عمل کیا جانے لگا تو کالجوں اور سکولوں میں طلبا نے ہڑتال کر دی اور ۲۵ کے قریب بسوں کو اغوا کر لیا جن میں سے دس کے قریب جلا دی گئیں۔ لاہور کے علاوہ راولپنڈی' سیالکوٹ اور ملتان میں بھی مظاہرے ہوئے اور حکومت کو قومیائے ہوئے تعلیمی اداروں کو نجی ملکیت میں دینے کی سکیم سرد خانے کے حوالے کرنی پڑی۔

جولائی ۱۹۷۸ء میں پھر قومیائے ہوئے تعلیمی اداروں کو نجی ملکیت میں دینے اور تبادلوں کے خلاف ڈگریاں اور گاؤن جلانے کا اعلان کیا گیا لیکن حکومت کو پھر مجبوراً یقین دہانی کرانی پڑی کہ وہ ڈی نیشنلائزیشن کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی نومبر ۱۹۸۰ء میں آل پاکستان ٹیچرز ایسوسی ایشن کی رہنمائی میں سکیلوں' یونیفارم' الاؤنس وغیرہ کے سلسلہ میں پاکستان بھر میں ہڑتال ہوئی۔

طیارے کے اغوا کے فورا بعد اس کی آڑ میں اساتذہ کی گرفتاریاں شروع کر دی گئیں اور پندرہ کے قریب اساتذہ گرفتار کر لئے گئے۔ راولپنڈی میں ان گرفتاریوں کے خلاف خواتین ٹیچرز نے جلوس نکالا جس پر لاٹھی چارج کیا گیا اور آنسو گیس کا استعمال ہوا۔ ان اساتذہ پر الزام لگایا گیا کہ وہ محنت کشوں کی جدوجہد میں شمولیت کرتے ہیں نومبر ۱۹۸۱ء میں راولپنڈی

www.bhutto.org

میں پروفیسر جمیل اور دوسرے دو پروفیسروں کو جمہوری پاکستان اخبار کے تقسیم کرنے کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ابھی تک جیل میں ہیں۔

فروری ۱۹۷۸ء میں ٹیلی ویژن کے کارکنوں نے اپنے مسائل کے حل کے لئے ہڑتال کر دی اور ٹیلی ویژن اسٹیشن پر قبضہ کر لیا اور نہایت بہادری سے جدوجہد کرتے رہے لیکن مارشل لا کے زیر سایہ رجعت پسند نظریات پھیلانے والی طاقتوں نے ان کی جدوجہد کو کچل دیا اور بے شمار ترقی پسند کارکنوں کو ٹیلی ویژن سے نکال دیا گیا۔

۱۹۷۸ء میں صحافیوں نے بھی مساوات اور الفتح کے بند کئے جانے کے خلاف اور اپنی ملازمت کے تحفظ کے لئے دو بار بھوک ہڑتال کی اور ملک بھر میں نہایت ثابت قدمی سے جدوجہد جاری رکھی لیکن آخر کچھ مفادات پرست عناصر نے صحافیوں کی صفوں میں پھوٹ ڈال دی اور ایک علیحدہ تنظیم کھڑی کر لی۔ گو صحافیوں کی پہلی جدوجہد نے کچھ کامیابیاں حاصل کیں لیکن آخر وہ کامیابیاں بھی چھن گئیں۔ اخبارات بند رہے۔ ملازمین بے روزگار ہوئے اور بعدم میں الفتح کے ایڈیٹر راؤ ارشاد پر مارشل لا کے تحت مقدمہ چلایا گیا انہیں قید کی سزا دی گئی انہوں نے سزا بھگت لی لیکن اس کے باوجود انہیں چھوڑا نہیں گیا۔ حالانکہ وہ جیل میں سخت بیمار ہیں۔ ان کی نظربندی کی میعاد جب بھی ختم ہوتی ہے اس بلا وجہ بڑھا دیا جاتاہے وہ پچھلے اڑھائی سال سے متواتر جیل میں بند ہیں اور اب ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں ضمیر کاقیدی قرار دے کر رہائی کی کوشش کی ہے لیکن بے سود ۲۳ مئی ۱۹۸۳ء کے روز نامہ امن کے مطابق ان کی بیگم کے استفسار پر مفتی اعظم نے یہ فتوی دے دیا ہے کہ ارشاد راؤ کی نظر بندی اسلام کے مطابق جائز نہیں ہے لیکن مارشل لاء حکومت اسلام کی قدروں کے فروغ کے لئے انہیں رہا کرنے کو تیار نہیں۔

جولائی اگست ۱۹۷۸ء میں پنجاب کے ہسپتالوں کی نرسوں نے اپنی معاشی زبوں حالی اور ملازمت کی بہتر شرائط کے لئے طویل ہڑتال کر دی۔ ان کے مسائل کو افہام و تفہیم کے ذریعے حل کرنے کی بجائے ان کی جدوجہد کو کچلنے کے لئے ان پر ہر قسم کا تشدد روا رکھا گیا۔ زنانہ اور مردانہ پولیس ہوسٹلوں کے باہر تعینات کر دی گئی۔ تالے توڑ کر انہیں ہوسٹلوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ نشتر ہسپتال ملتان میں پرامن نرسوں پر لاٹھی چارج کیا گیا وہ اپنی اس شاندار جدوجہد کے دوران حکومت کو چادر اور چار دیواری کی حفاظت کے اعلانات یاد دلاتی رہیں اور حکام کی توجہ اپنی معاشی بدحالی کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتی رہیں اور سوال کرتی رہیں کہ ۳۹۰ روپے ماہانہ تنخواہ میں اس منہگائی کے زمانہ میں بھلا

www.bhutto.org

وہ کیسے زندہ رہ سکتی ہیں لیکن مارشل لا حکومت نے جو شب و روز اسلام کی نفاذ کی رٹ لگائے ہوئے ہے ان کی ایک نہ سنی بلکہ ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بناتی رہی اور کریہہ الزامات تراشتی رہی اور آخر ہڑتال کو محض طاقت اور تشدد کے بل بوتے پر توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔

۱۹۷۹ء نوجوان ڈاکٹروں نے بھی ملازمت کی بہتر شرائط کے لئے ہڑتال کردی جو بیس بائیس روز تک جاری رہی۔

دیہات کے غریبوں کی جدوجہد:

مارشل لا کے نفاذ کے بعد دیہاتی آبادی کی لوٹ کھسوٹ اور ان پر ہر قسم کا تشدد بڑھ گیا ہے۔ غریب مزار عین کو مزارعت کے جو حقوق حاصل تھے۔ گو وہ قانون کی کتابوں میں اب بھی موجود ہیں لیکن عملی طور پر چھن چکے ہیں اور بڑے بڑے زمیندار جس وقت چاہیں انہیں بے دخل کر سکتے ہیں سوائے صوبہ سرحد کے کچھ علاقہ کے مزار عین نہایت ہی بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور غیر قانونی بے دخلیوں اور دوسرے مظالم کے خلاف آواز تک نہیں اٹھا سکتے۔ البتہ سرحد کے ہشت نگر علاقہ میں جہاں مزار عین نے ان گنت قربانیاں دے کر اپنی مزارعت کی حفاظت کی تھی اور بڑے بڑے خانوں کے سرنگوں کئے تھے مارشل لا کے زمانہ میں بھی غیر قانونی بے دخلیوں کے خلاف مزاحمت جاری رہی۔ گورنر سرحد نے جب بھی ان علاقوں کا دورہ کیا انہوں نے پاکستان مزدور کسان پارٹی کے خلاف زہر اگلنے کا موقعہ نہ جانے دیا اور سرحد پولیس نے الذوالفقار کی آڑ میں بار بار دیہات کو گھیرے میں لے کر لوگوں کے گھروں کی عام تلاشیاں لیں اور مزار عین کو نتہ کر کے انہیں زبردستی بے دخل کرنے کی مہم چلائی گئی ایسی ہی ایک مہم میں میاں خاں کا کاخیل جو پاکستان مزدور کسان پارٹی کے رہنما تھے اور جن کا بے دخلی کے خلاف مقدمہ چل رہا تھا اور عدالت سے حکم امتناعی جاری ہوا تھا کو بے دخل کرنے کے لئے فرنٹیر کانسٹیبلری اور پولیس خان کے مسلح غنڈوں کے ہمراہ ٹریکٹر لے کر پہنچ گئی غنڈوں اور پولیس کی تواضع کے لئے خان نے چاول اور گوشت کی دیگیں پکائیں۔ لیکن جب اردگرد کے کسانوں کو پتہ چلا کہ ایک طرف پولیس کسانوں کے گھروں کی تلاشیاں لے رہی ہیں اور قبضہ ختم کرنے کے لئے ٹریکٹر چلا رہے ہیں تو تمام علاقہ کے جوان' بوڑھے اور بچے قبضے کی حفاظت کے لئے نہتے ہی پولیس اور غنڈوں کے مقابلہ کے لئے نکل آئے اس مقابلہ میں خانوں کے ٹریکٹر جلا دیئے

www.bhutto.org

گئے اور پکی پکائی دیگیں کسان اٹھا کر لے گئے اس جدوجہد کے دوران میاں خاں کاکا شہید ہو گئے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی اور علاقے کے محنت کشوں نے عورتوں سمیت بہت بڑا جلوس نکالا۔

اندرون سندھ بھی ہاریوں کو زبردستی بے دخل کیا جا رہا ہے اور مزاحمت کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ غریب ہاریوں کے گھربار لوٹے گئے ہیں اور جنہوں نے مزاحمت کی ہے انہیں ختم کر دیا گیا ہے۔

پنجاب کے سرحدی علاقوں میں ہزاروں ایکڑ زرعی اراضی فوجیوں کو الاٹ کی جا چکی ہے شاذ ہی کوئی الاٹی ہو گا جو الاٹمنٹ کی شرائط پوری کرتا ہو یہ الاٹی الاٹمنٹ کی شرائط کے مطابق نہ تو خود کاشت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی غیر حاضری میں دو جوان آدمیوں کی رہائش کا بندوبست کرتے ہیں بلکہ نوے فیصد الاٹیوں نے لاکھوں روپیہ لے کر اپنی اپنی زمینیں چھوٹے چھوٹے کسانوں کے پاس بیچ دی ہیں جنہوں نے محنت شاقہ اور گراں خرچ سے زمینوں کو آباد کیا ہے۔ باغات لگائے ہیں لیکن ۱۹۸۱ء میں ایک نیا قانون پاس کر دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق ۸۱ء کے بعد جس الاٹی نے زمین بیچی ہے اس کی الاٹمنٹ منسوخ کر کے دوسرے فوجی کو الاٹ کر دی جائے گی الاٹمنٹ کی شرائط کی خلاف ورزی کرنے وال فوجی الاٹیوں کی کسی قانون کے تحت گرفت نہیں۔ وہ وہ کسانوں کا روپیہ جیب میں ڈال کر دور دراز اپنے شہروں کو چلے جاتے ہیں اور غریب مشتری مقدمات کی پیروی کی سزا پاتے ہیں۔

جیسے جیسے دیہات میں جدید سرمایہ دارانہ طریق کاشت رائج ہوتا جا رہا ہے۔ دیہات کے درمیانے اور امیر کسان نئے مسائل سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ایک طرف تو چھوٹے چھوٹے مالکان اپنی زمینیں بیچنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور دوسری طرف بجلی' ڈیزل' کھاد اور ٹریکٹر' پرزے اور کیڑے مار ادویات کی قیمتیں متواتر بڑھنے سے درمیانے اور امیر کسان شکنجے میں آ رہے ہیں۔ جس نسبت سے ان اشیاء کی قیمتیں بڑھی ہیں اسی نسبت سے زرعی اجناس کی قیمتیں نہیں بڑھتیں بلکہ حکومت نے چاول' گندم اور گنے اور کپاس کی قیمتیں اپنی مرضی سے مقرر کر رکھی ہیں اور چاول کی بیرونی تجارت اور چینی کی اندرونی تجارت سے بے پناہ منافع کما رہی ہے۔ مثلاً حکومت نے پچھلے سال دھان کی قیمت ۸۸ روپے فی چالیس کلو مقرر کی تھی اور اسی سال ۹۰ روپے فی کلو۔ لیکن آڑھتی غریب کاشتکاروں سے ۸۰ روپے فی چالیس کلو تک دھان خریدتے رہے۔ کیونکہ دھان کی کٹائی کے فوراً بعد کاشت کاروں کو گندم کی فصل کی کاشت کے لئے کھاد وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ اونے

www.bhutto.org

پونے بھاؤ پر دھان بیچنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن چاول کے بیوپاری حکومت کو ۱۵۰ روپے فی چالیس کلو کے حساب سے چاول فروخت کرتے ہیں اور حکومت یہی چاول ۴ صد روپے فی کلو سے زائد کے حساب سے بیرون ملک برآمد کرتی ہے۔ یہی حال گنے کا ہے۔ کاشتکاری کے بڑھتے ہوئے اخراجات اور مشینری کی روز افزوں قیمتوں اور اسلامی نظام کے علمبرداروں کے رائج کئے ہوئے قرضوں پر سود در سود کے نظام نے درمیانے اور امیر کسانوں کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ مثلاً اگست ۱۹۷۲ء میں میسی فرگوسن ٹریکٹر کی قیمت ۱۷۳۷۴ روپے اور قرضے کی شرح سود ۸ فیصدی سالانہ تھی۔ اس حساب سے چھ سالوں میں زرعی ترقیاتی فنانس کارپوریشن کا قرضہ اصل جمع سود ۲۳۰۰۰ ہزار روپے تھا لیکن اس قرض کی ادائیگی کیلئے جبکہ گندم کی قیمت ۲۳ روپے من تھی۔ سیر۔۱۰۴۵ من گندم درکار تھی۔ لیکن اگست ۱۹۸۲ء میں ٹریکٹر کی قیمت ۸۵،۴۰۰ روپے ہو گئی اور شرح سود گیارہ فی صد۔ چنانچہ ٹریکٹر کا قرضہ واپس کرنے کے لئے ۱۳۲،۸۰۰ روپے درکار ہیں۔ ۸۶ء میں چالیس سیر گندم کی قیمت ۵۴ روپے تھی۔ اس حساب سے اب ٹریکٹر کی قیمت ادا کرنے کے لئے ۲۴۶۰ من گندم درکار ہے۔ اس طرح ٹریکٹر میں استعمال ہونے والے ہائی سپیڈ ڈیزل کی قیمت ۵۰۔۲ روپے فی گیلن تھی لیکن ۸۶ء میں اس کی قیمت ۵۰۔۱۷ روپے فی گیلن ہے۔ بجلی کی قیمت بھی زرعی اجناس کے مقابلے میں برابر بڑھ رہی ہے۔ واپڈا' محکمہ زراعت' پاسکو اور پولیس کی دھاندلیوں سے نپٹنے کے لئے اور اپنی عزت بچانے کے لئے مزید روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر محکمہ کا رشوت کا ریٹ بڑھ گیا اور رشوت یوں وصول کی جاتی ہے جیسے دیوانی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے لئے اشٹام وغیرہ خریدنا ضروری ہوتا ہے۔ آبیانے کی شرح بھی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ اب محکمہ نہر نے ایک سرکلر کے ذریعے ہدایت کر دی ہے کہ جس قدر اراضی نہری چک بندی میں ہو اس سب پر آبیانہ لگایا جائے۔ فصل خواہ بجلی یا ڈیزل کے ٹیوب ویل سے ہی کیوں نہ سیراب ہوئی ہو۔ عشر کے نفاذ سے درمیانے اور امیر کسانوں کا ناطقہ بند ہو جائے گا۔ دیہاتی عوام کے یہ حصے بھی اب آہستہ آہستہ اپنے ان نئے اور پرانے مسائل کے حل کے لئے جدوجہد کے راستے پر چلنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں ایسے ہی مسائل کے حل کے لئے گکڑ (پنجاب) کے علاقہ میں کسانوں نے محکمہ بجلی کی دھاندلیوں کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اور لاہور راولپنڈی شاہراہ پر دھرنا مار کر اسے کئی گھنٹوں تک بند رکھا۔ اس مظاہرے کو تشدد سے کچل دیا گیا۔ اس دوران پولیس کی ایک جیپ جلا دی گئی۔ ۴۰۰ کے قریب کسان گرفتار ہوئے۔ ۲۷ پر مارشل

لا کے تحت مقدمات چلے جنہیں ایک سال سزا اور ۴۰ ہزار روپے جرمانہ کیا گیا۔ ان کے رہنما صاحبزادہ حبیب تین ماہ جیل میں نظر بند رہے۔ اب انہوں نے ۳۰ اپریل ۱۹۸۳ء کو عشر ختم کرنے، ۲۵ ایکڑ تک مالیہ معاف کرنے، زراعت میں استعمال ہونے والی بجلی کی ۱۵ روپے فی ہارس پاور قیمت مقرر کرنے اور ششماہی ادائیگی کا طریقہ رائج کرنے اور کھاد اور تیل کی قیمتوں میں ۳۰ فیصدی کمی کرنے اور زرعی اجناس کی قیمتوں میں اضافہ کے لئے مہم چلانے کا اعلان کیا ہے۔

طلباء کی جدوجہد

پاکستان جیسے پس ماندہ ممالک میں پٹی بورژوا عناصر جمہوری جدوجہد میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پٹی بورژوا طبقہ کا سب سے فعال اور بڑا حصہ طلباء پر مشتمل ہوتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ۱۹۸۳ء کے شروع میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء نے آمریت کے خلاف زبردست جدوجہد کی ہے اور ایک بار آمریت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ان کی تحریک ابھی تک بڑے زور و شور اور ثابت قدمی سے جاری ہے۔ لیکن مارشل لا کے موجودہ دور میں پاکستان کے طلباء خصوصاً پنجاب اور کراچی کے طلباء ایسا کردار ابھی تک ادا نہیں کر سکے۔ اس کی سب سی بڑی وجہ یہ ہے کہ مارشل لا حکومت کے سائے تلے، نوکر شاہی کی کھلی حمایت سے جماعت اسلامی کی پروردہ تنظیم، اسلامی جمعیتہ طلباء جس پر جماعت لاکھوں روپے خرچ کرتی ہے اور جس کی غنڈہ فورس آتشیں اسلحہ سے مسلح ہے اور جو دن دہاڑے اپنے مخالفین کو گولی کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتی اور ہر روز اپنے حریفوں کو زد و کوب کرنے کے واقعات میں ملوث نظر آتی ہے۔ کالجوں اور ہوسٹلوں کو ریاستی اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے جماعت اسلامی کی کمین گاہیں بنائے ہوئے ہے۔ اسلامی جمعیتہ طلباء نے طلباء کی جمہوری تحریک کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ آمریت کے ایوانوں کو ہلانے کی بجائے جمعیت نے باہمی تصادموں، ہنگاموں، جھگڑوں اور قتل وغارت سے پنجاب اور کراچی کے یونیورسٹی کیمپسوں کو میدان کار زار بنایا ہوا ہے اور یوں آمریت کی آبیاری کر رہی ہے۔

پٹی بورژوا انقلابیت بھی ایک حد تک اس صورت حال کی ذمہ دار ہے کسی ٹھوس اور وسیع تنظیم کے فقدان اور "ایشیا سرخ ہے" اور "سوشلزم آوے ای آوے" کی بے وقت اور معروضی حالات سے مطابقت نہ رکھنے والی کھوکھلی نعرہ بازی نے ایک عرصہ تک طلباء کے وسیع حلقوں کو جمہوری تحریک سے دور رکھا ہے۔ اور بعض اوقات جذبات سے

www.bhutto.org

معصور نوجوان ذہنوں کو انقلاب کے نام پر اخلاقی پستیوں کے گڑھوں میں دھیلیا ہے اور اس طرح اسلامی جمعیت طلباء کو مواقع فراہم کئے ہیں کہ وہ اسلام کے نام پر طلباء کو اپنے حلقہ اثر میں لا سکے۔

اس کے علاوہ ترقی پسند طلباء کی تنظیمیں قومی سوال کے حوالے سے صوبائی سطحوں پر تقسیم ہیں اور جو ملک بھر کی تنظیمیں ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں وہ محض کاغذی ہیں۔ طلباء کی کچھ تنظیمیں اپنے پلیٹ فارم کو سیاسی پارٹیوں کے طور پر استعمال کرنے کو ہی کامیابی کی معراج سمجھتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دائیں اور بائیں بازو میں طلباء کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ترقی پسند طلباء کی تنظیمیں آپس میں بھی دست و گریباں ہیں۔ جیسے بلوچستان کی فعال تنظیم بلوچ سٹوڈنٹ آرگنائزیشن دو حصوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے طلباء کی تحریک کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ اسی طرح این ایس ایف بھی مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے اور این ایس او بھی تقسیم ہو کر اپنی طاقت زائل کر چکی ہے۔

البتہ سرحد میں پختون سٹوڈنٹ فیڈریشن' سندھ میں سندھی شاگرد تحریک' جئے سندھ سٹوڈنٹ فیڈریشن اپنے اپنے حلقہ اثر میں کافی فعال ہیں۔

مارشل لا کے نفاذ کے بعد ہر طرف نظام مصطفیٰ اور اسلام کے نفاذ کا چرچا تھا۔ ہر شعبہ زندگی میں اسلامی نظام لانے کیلئے مختلف اقدامات کئے جانے کا پروپیگنڈا چھایا ہوا تھا۔ شاہراہوں پر نماز قائم کرو کے کتبے لگائے گئے تھے۔ بلاسود معیشت کی طرف پہلا قدم اٹھانے کے لئے بنکوں میں علیحدہ کھاتے کھولے گئے۔ دفتروں میں باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کی ہدائتیں جاری کی گئی تھیں۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے لئے ادارے قائم کیئے جا رہے تھے اور یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ جماعت اسلامی اور مارشل لا حکومت مل کر نظام اسلام کے نفاذ میں عظیم کامیابیاں حاصل کر کے رہیں گی۔ ان حالات میں یونیورسٹیوں کے ماحول کو پاکیزہ بنانے کے لئے ترقی پسند اساتذہ کی تطہیر اور ناجائز تبدیلیاں کرائی جا رہی تھیں اور پنجاب اور کراچی میں اسلامی جمیعت طلبہ کو یونیورسٹی کیمپوں کے انتظامی امور میں مکمل بالادستی حاصل ہو گئی تھی۔ وہ سیاہ وسفید کے مالک نظر آتے تھے۔ داخلے ان کی مرضی کے ہوتے تھے۔ پروفیسران کی مرضی سے ہوتے تھے۔ پروفیسران کی رضا سے رہ سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کی ٹرانسپورٹ انکی تحویل میں تھی۔ غرضیکہ تعلیمی اداروں میں ہر شے پر انہیں قدرت حاصل تھی اور نکتہ چینی کی ہلکی سی آواز بھی برداشت نہیں کی جاتی تھی اور ترقی پسند طلباء تقسیم ہونے اور مختلف دھڑوں میں بٹے ہونے کی وجہ سے قدم قدم پر پسپا ہو

www.bhutto.org

رہے تھے۔ لیکن جوں جوں اسلام کے نفاذ کا پول کھلتا گیا اور اسلام کے نفاذ کے نام پر آمریت طوالت پکڑتی گئی اور جماعت اسلامی کی مارشل لا کے ساتھ آپنے مفادات کی بنیاد پر ملی بھگت عریاں ہوتی گئی تو ترقی پسند اور جمہوریت پسند طلباء نے اپنی مہم پسندی اور کھوکھلی نعرہ بازی کی قدروقیمت اور بے وقعتی کو اپنے تجربات کی روشنی میں پہچاننا شروع کر دیا اور اسلامی جمعیت طلباء کے فاشٹ حربوں کے مقابلہ کے لئے اپنی منتشر صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں تو آہستہ آہستہ جمعیت کے ناقابل شکست ہونے کا طلسم ٹوٹنے لگا۔ صوبہ سرحد کی پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن اور پختون سٹوڈ نٹفیڈریشن نے مل کر جمعیت کو تقریباً تمام کالجوں میں شکست دی۔ کراچی کے طلباء نے وسیع جمہوری محاذ کی داغ بیل ڈالی اور جمعیت کی فاشزم کا بلند ہمتی اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ کیمپس میں یونیورسٹی حکام اور انتظامیہ کی دھاندلیوں کے سہارے ہی سرکاری طور پر بمشکل جیت سکی۔ لیکن طلباء کے وسیع حلقے اس کے دائرہ اثر سے دور ہونے لگے۔ آخر ۱۹۸۳ء میں دونو میڈیکل کالجوں میں جمعیت کو شکست فاش ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی میں بھی وہ شکست کھا گئی اور پنجاب بھر کے کالجوں میں بھی انہیں مجموعی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس سارے دور میں اندرون سندھ اور بلوچستان میں طلباء نے اپنے حقوق اور آمریت کے خلاف متواتر جدوجہد کی ہے اور بے پناہ سختیاں برداشت کی ہیں اور جیلیں کاٹی ہیں۔ کوڑے کھائے ہیں ۔ اس دور میں بلوچستان میں حمید بلوچ نے پھانسی کی سزا پائی اور اس دور میں نذیر عباسی نے پولیس کی تحویل مین اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے اندرون سندھ ایک عرصہ سے کالج بند ہیں۔ ہوسٹلوں کو طلبا سے پولیس کی مدد سے زبردستی خالی کرایا جاتا ہے صوبہ سرحد میں اسلامی جمعت طلباء افغان مہاجرین کی مدد سے کالجوں میں دھاندلی کرنے کی کوشش کرتی رہی اور اپنی بالا دستی قائم کرنے کے لئے تشدد کا بازار گرم کیا لیکن منہ کی کھائی۔ اب وہاں بھی کالج اور یونیورسٹیاں بند ہیں۔

کراچی اور پنجاب میں بھی اس سارے دور میں جمعیت کے خلاف جو جدوجہد ہوتی رہی دراصل وہ جدوجہد بھی آمریت کے خلاف جدوجہد کا ایک حصہ ہے کیونکہ جمعیت جہاں جماعت اسلامی کا بازوئے شمشیر زن اور ہرا دل دستہ ہے وہاں طلبا میں محمد ضیا الحق کی حکومت کی بھی ریزرو فوج کی حیثیت رکھتی ہے ترقی پسند طلبا نے پچھلے ایک سال میں اسلامی جمعیت طلبا کے مقابلہ میں شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کا احساس نہ کریں اول تو جمعیت ایک تنظیم ہے اور ایک ڈسپلن کی

www.bhutto.org

پابند ہے اور آج بھی اپنی مدمقابل تنظیموں کے مقابلہ میں علیحدہ علیحدہ مضبوط اور زیادہ اثر رکھتی ہے۔ دوسرے جمہوریت اور ترقی پسند طلبا کی پاکستان کی سطح پر کوئی ایک مضبوط تنظیم نہیں اور جو ہے وہ محض کاغذی اور نمائشی ہے تیسرے جمعیت کی مخالف تنظیموں کے متحدہ محاذ بھی محض وقتی تقاضوں کے مطابق وجود میں آتے ہیں اور ابھی تک پائیدار متحدہ محاذ کے لئے ٹھوس بنیادیں فراہم نہیں کر سکے۔ یہ وقت ہی بتائیگا کہ وہ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں جماعت اسلامی کے علاوہ جن بڑی سیاسی جماعتوں کے زیر اثر طلبا کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں انہوں نے پاکستان کے موجودہ حالات میں طلبا کے کردار کے متعلق کبھی سنجیدگی سے نہ تو غور کیا ہے اور نہ ہی انہیں منظم کرنے میں مدد ہے جس کی وجہ سے ابھی ان کی صفوں کو منظم کرنے میں وقت لگے گا۔

خواتین کی جدوجہد:

پاکستان کی خواتین تہری غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ سیاسی معاشی اور سماجی لیکن پچھلے ۳۶ سال میں صنعتی ترقی تعلیم کے فروغ اور لاکھوں محنت کشوں کی بیرون ملک برآمد پاکستانی سماج میں بہت سی تبدیلیوں کا موجب بنی ہیں۔ آج ہزاروں کی تعداد میں خواتین، ڈاکٹر، سکول ٹیچر، کلرک بن چکی ہین اور فیکریوں میں بھی ملازمت کر رہی ہیں ان حالات نے نرسوں، ٹیچروں اور فیکریوں میں ملازم خواتین کو اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کے راستے پر ڈالا ہے اور پاکستان میں محنت کشوں کی رہنمائی کے فرائض بھی چند خواتین نے نبھائے ہیں لیکن ان تمام تبدیلیوں کے باوجود دیہات اور شہروں کی غریب خواتین آج بھی پس ماندگی اور جہالت کی زندگی گذارنے پے مجبور ہیں اور سماجی ظلم و ستم تشدد اور غلامی نے ان کی نسوانیت کو کچل کے رکھ دیا ہے اور عام اجناس کی طرح مارکیٹ میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور وہ بے زبانی اور محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

شہروں میں درمیانہ اور بالائی طبقوں کی عورتوں نے اپنی مختلف تنظیمیں بنانے کی کوشش کی ہے اور شروع سے ہی اپوا بالائی طبقوں کی عورتوں کی تنظیم کے طور پر چھوٹے موٹے حقوق نسواں حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حکمران طبقوں کی سیاست کے لئے تقویت کا باعث بنی ہے۔

انجمن جمہوریت پسند ہی ایک ایسی تنظیم تھی جس نے محنت کش اور نچلے طبقوں کی عورتوں کو منظم کرنے کی طرف توجہ دی اور ان کے حقوق کے لئے آواز بلند کی بوجوہ اس کا

www.bhutto.org

دائرہ اثر ہمیشہ محدود رہا۔

قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ۱۹۷۷ء میں لاہور اور دوسرے شہروں میں خواتین نے جلوس نکالے ' لاٹھیاں کھائیں اور گرفتاریاں پیش کیں۔ مارشل لا کے نفاذ کا بعد جماعت اسلامی اور مولوی اسرار احمد اور دوسرے رجعت پسند مولویوں نے چادر اور چار دیواری کے نعرے کی آڑ میں خواتین کی آزادی اور معاشرے میں مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کے خلاف یلغار کر دی جو مسلسل جاری ہے ان رجعت پسند عناصر نے اس یلغار میں پسماندہ عورتوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا ہے جو خود یہ پرچار کرتی ہیں کہ اسلام کی رو سے عورتیں مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں کر سکتیں۔ ۱۹۸۱ء میں شیعہ فرقہ کی خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ حکومت کے خلاف اسلام آباد میں عظیم مظاہرہ میں بھرپور حصہ لیا۔

پیپلزپارٹی کی تحریک نے درمیانہ طبقہ اور محنت کش خواتین کو بھی سیاست میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لینے کے مواقع فراہم کئے۔ پیپلزپارٹی کے جھنڈے تلے ہزاروں خواتین نے ملک بھر میں سیاسی جدوجہد میں حصہ لیا اور بار بار قید و بند کی صعوبتیں سہی ہیں۔ قلعوں میں بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنی ہیں۔

۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو انجمن جمہوریت پسند خواتین نے' خواتین کے عالمی دن کے موقع پر جلسہ کرنے کی کوشش کی تو پولیس نے میکلوڈر روڈ پر جلسہ نہ ہونے دیا اور نہ ہی جلوس نکالنے دیا خواتین پر لاٹھی چارج کیا گیا بیگم طاہرہ اور دوسری عورتوں کو گرفتار کر کے کچھ عرصہ کے لئے نظر بند کر دیا۔ پھر ۹ مارچ ۸۳ء کو خواتین کی مختلف تنظیموں کے متحدہ محاذ نے اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں دو عورتوں کو واپس گھروں کی چار دیواری میں دھکیلے جانے کے خلاف درمیانہ اور بالائی طبقہ کی خواتین نے جلوس نکالنے کی کوشش کی وہ اپنے مطالبات کی عرضداشت چیف جسٹس ہائی کورٹ کو پیش کرنا چاہتی تھیں۔ جلوس پر نہایت ہی وحشیانہ انداز میں لاٹھی چارج کیا گیا اور تیس کے قریب خواتین کو گرفتار کر کے سول لائنز پولیس سٹیشن میں چند گھنٹوں کے لئے محبوس کر دیا گیا۔ ان خواتین میں حکمران شخصیتوں کی رشتہ دار خواتین بھی شامل تھیں۔ کراچی میں بھی اس سلسلہ میں خواتین نے بھرپور جدوجہد کی۔

۲۷ مارچ ۸۳ء کو ایل ڈی اے ماڈل ٹاؤن کی کچی آبادی سرائے دھوبیاں کے مکینوں کے لئے ان مکانات کو منہدم کر کے قیامت بپا کر دی اس غیرانسانی اور بہیمانہ ایکشن نے

www.bhutto.org

کچی آبادیوں کے مکینوں کو محض زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنے پر مجبور کر دیا مزدور مزکر کوٹ لکھپت کے رہنماؤں نے ان روندے کچلے انسانوں کی جدوجہد کی رہنمائی کی۔ اس جدوجہد میں خواتین پیش پیش تھیں۔ انہوں نے اپنی جدوجہد سے سر چھپانے کے لئے ساری آبادی کے لئے پلاٹ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ خواتین اپنے جمہوری حقوق کے لئے مردوں کے شانہ بشانہ لڑ سکتی ہیں۔

موجودہ حکومت خواتین کے بارے میں دو رخی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے ایک طرف تو خواتین کو مجلس شوریٰ اور کونسلوں میں نامزد کر رہی ہے اور دیہاتی سطح پر بھی عورتوں کے لئے دیہاتی کونسلوں میں نشستیں ریزور کر رہی ہے اور دوسری طرف رجعت پسند مذہبی جماعتوں کو جن کی حمایت حکومت کو حاصل ہے خواتین کے حقوق کے خلاف اور ان کی غلامی برقرار رکھنے کے لئے کھلی چھٹی دے رکھی ہے عورتوں کو مردوں سے کمتر ثابت کرنے کے لئے اور انہیں چار دیواری میں بند کرنے کے لئے متواتر کوششیں جاری ہیں لیکن خواتین مساوی حقوق حاصل کرنے کے لئے ثابت قدمی سے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جون ۱۹۸۳ء ـــــ میزان ـــــ مستقبل کی پرچھائیاں

ان مضامین کو لکھنے اور چھاپنے میں کئی وجوہات کی بنا پر کافی تاخیر ہو گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ جون ۱۹۸۳ء میں پاکستان کی سیاسی اور معاشی صورت حال اور مستقبل قریب پر طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

وزیر خزانہ نے ماہ جون میں ۸۳۔۸۴ء کے لئے ۸۴ ارب ۸۹ کروڑ روپے کا بجٹ پیش کیا ہے اور پاکستان کی معیشت کا نہایت ہی خوبصورت نقشہ کھینچا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان منصوبہ بندی کے مطابق متواتر ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے اور عوام نہایت ہی خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ یہ دعویٰ درست نہیں بلکہ اصل حقائق نہایت بھیانک ہیں۔

○ پاکستان اس وقت تقریباً ۲۴۳ ارب روپے کا مقروض ہے اور ۸۳۔۸۴ء میں اسے ۵ ارب ۷۶ کروڑ روپیہ بطور سود قرض خواہوں کو ادا کرنا ہے اور اتنی ہی رقم اسے اصل زر کے طور پر بھی واپس کرنی ہے (روزنامہ جنگ ۳ جون ۸۳ء) چھٹے پنجسالہ منصوبے کے آخر میں قرضوں کی قسطوں کی ادائیگی کی رقم ساڑھے سولہ ارب روپے کے قریب پہنچ جائے گی

www.bhutto.org

اس وقت پاکستان کا ہر شہری تقریباً ساڑھے سترہ صد روپے کا مقروض ہے۔

○ فیڈریشن آف پاکستان چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے مطابق پچھلے پانچ سال میں افراط زر کی شرح ۳۰ فیصدی سالانہ رہی ہے۔

(روزنامہ مسلم ۲۴ فروری ۱۹۸۳ء)

○ ۸۳-۸۲ میں برآمدات ۳۰ ارب اور درآمدات ۶۱ ارب روپیہ کی ہوئیں۔ یعنی ۳۱ ارب روپے کا بیرونی تجارت میں خسارہ ہے (روزنامہ امن ۱۵ جون ۸۳ء) اس وقت ہم اپنی برآمدات کا ساٹھ فیصدی تیل کی درآمد پر خرچ کر رہے ہیں۔ دو تین سال تک ہماری برآمدات کی ساری آمدنی تیل پر خرچ ہونے لگے گی اور ہماری معیشت سخت بحران میں پھنس جائے گی۔

(روزنامہ جنگ ۲۴ جون ۸۳ء)

○ پچھلے پانچ برسوں کے دوران پٹرول بجلی اور گیس کی قیمتوں میں بالترتیب ۱۲۰، ۱۵۰، ۲۰ فیصدی اضافہ ہو چکا ہے۔

(جنگ ۳ اپریل ۸۳ء)

○ روپے کا ڈالر سے تعلق توڑنے کا اصل مدعا دراصل روپے کی قیمت کم کرنا تھا چنانچہ اسی وجہ سے پچھلے سال روپے کی قیمت میں ۲۳ فیصدی کمی واقع ہوئی ہے۔

○ ایک طرف ۳۰ فیصدی افراط زر اور دوسری طرف روپے کی قیمت میں ۲۳ فیصدی کمی کی وجہ سے ۷۷-۱۹۷۶ میں مہنگائی ۲۴۳ پوائنٹ تھی جو ۸۲-۸۱ میں بڑھ کر ۳۹۹ پوائنٹ ہو گئی اور ۸۳-۸۲ء میں ۴۲۹ پوائنٹ ہو گئی۔

○ بالواسطہ ٹیکس سالانہ ۲۳ فیصدی کے حساب سے بڑھے ہیں اور اس عرصہ میں ۱۳.۴ ارب روپے سے ۳۵.۵ ارب روپے ہو گئے ہیں۔

(مسلم ۲۴ فروری ۸۳ء)

○ غیر قانونی ترقیاتی بجٹ چھ سالوں میں ۲۶ فیصدی سالانہ کے حساب سے ۱۵ ارب روپے سے جون ۱۹۸۲ء تک ۳۷ ارب روپے تک ہو گیا۔

○ پنج سالہ منصوبہ کے دوران ۲۰۰ ارب روپیہ جو پبلک اور پرائیوٹ سیکٹر میں خرچ ہونا تھا میں سے صرف ۶۰ ارب روپے خرچ ہوا ہے۔

○ قرضوں کی ادائیگی اور دفاع پر بجٹ کا ۲.۳ فیصدی خرچ ہو گا جبکہ پچھلے سال سے انتظامیہ پر ۳۹ فیصدی اور نظم و نسق پر ۲۱.۹ فیصدی زیادہ خرچ کیا جائے گا۔

www.bhutto.org

○ اس سال تقریباً چھ ارب روپے کا خسارہ کا بجٹ ہو گا جسے نئے ٹیکس لگا کر اخراجات میں کٹوتی کر کے یا کرنسی چھاپ کر پورا کیا جائے گا۔

○ مارشل لا کے قیام کے بعد پنج سالہ منصوبے کے دوران چھ بڑی فصلوں کے ہدف پورے نہیں ہوئے گندم کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں ۸ لاکھ دس ہزار میٹرک ٹن' چاول کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں ۴ لاکھ ۶۰ ہزار میٹرک ٹن مکئی کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں ۳ لاکھ ۴۰ ہزار میٹرک ٹن چنے کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں ۳ لاکھ ۴۰ ہزار میٹرک ٹن سرسوں توریہ تارا میرا کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں ایک لاکھ تیس ہزار میٹرک ٹن کپاس کے پیداواری ہدف کے مقابلہ میں دو لاکھ گانٹھوں کی کم پیداوار ہوئی ہے

(جنگ ۹ مئی ۸۳ء)

○ پانچویں پنجسالہ منصوبہ میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ شہری اور دیہاتی علاقوں میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہر سال مزید گھروں کی ضرورت ہو گی اس کے مقابلہ میں تعمیراتی صنعت صرف ۳۵-۴۰ مکان پرائیوٹ سیکٹر میں ایک سال کی مدت میں تعمیر کر سکی ہے۔

(مسلم ۲۳ اپریل ۸۳ء)

○ تعلیم کا یہ عالم ہے کہ ہر سال ۲۰ لاکھ بچے پرائمری کی تعلیم ختم کرنے سے پہلے ہی سکول چھوڑ دینے پر مجبور ہوتے ہیں (جنگ ۴ مئی ۸۳ء) اور دیہات اور غریب شہری آبادیوں کے اندر لاکھوں بچوں کو سکول جانا ہی نصیب نہیں ہوتا۔

○ وزیر خزانہ پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی ۲۳ صد بتا کر عوام کا منہ چڑایا ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں' زمینداووروں اور سمگلروں اور تاجروں کی آمدنی کو کل آبادی کی آمدنی میں شامل کر کے فی کس آمدنی ظاہر کر دی ہے۔حالانکہ دیہات کے ۸۰ فیصدی عوام کی آمدنی آج بھی فی کس ۳ روپے یومیہ سے زیادہ نہیں ہے۔

○ پاکستان کی محکوم معیشت کو چالیس ارب زرمبادلہ سہارا دے رہا ہے جو بیرون ملک گئے ہوئے پاکستانی محنت کش ڈاکٹر انجینئر ہر سال ملک میں بھیج رہے ہیں اس کے علاوہ دھڑا دھڑ امریکی مشروط سودی قرضے حاصل کئے جا رہے ہیں۔

○ لیکن حکومت پاکستان دن بدن انتظامیہ کے اخراجات بڑھائے چلی جا رہی ہے متحدہ پاکستان میں حکومت کے بیس لاکھ ملازمین تھے لیکن آج کے پاکستان میں ان کی تعداد ۲۵ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔

www.bhutto.org

○ امریکی سامراج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سال ۸۹ کروڑ روپیہ افغان مہاجرین پر خرچ کیا جائے گا۔

○ پبلک سیکٹر میں منصوبہ بندی کے تحت بنیادی صنعتیں قائم کرنے کی پالیسی کو یکسر ختم کر دیا گیا ہے اور تمامتر زور نجی شعبے میں صنعتیں لگانے پر دیا جا رہا ہے اور اندرون ملک سے نجی شعبے کی مضبوطی کے لئے سرمایہ مہیا کرنے کے لئے نام نہاد ترقی کا سارا بوجھ محنت کشوں پر ڈالا جا رہا ہے مفروضہ یہ ہے کہ عوام کی غربت کی بنیادوں پر ہی سرمایہ کے ارتکاز کا محل کھڑا کیا جا سکتا ہے جو سرمایہ داری نظام کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

○ نظم و نسق کا یہ حال ہے کہ مارشل لا اور حدود آرڈیننس کے باوجود سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۸۰ء جنوری سے ۱۹۸۲ء دسمبر تک کے تین سالوں میں ملک بھر میں قتل کے ۱۴ ہزار ایک سو پچاس مقدمات درج ہوئے جبکہ مجموعی طور پر جرائم کے پانچ لاکھ ۴ سو نو واقعات ریکارڈ کئے گئے۔ اغوا کے مقدمات کی تعداد گیارہ ہزار دو سو اڑتالیس رہی جو گذشتہ تین سالوں یعنی ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۹ء دسمبر کے مقابلے میں ایک ہزار ایک سو دس زیادہ ہیں۔ ڈکیتی کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے اس طرح مجموعی طور پر ۱۹۸۰ء ۱۹۸۲ء کے درمیان مختلف نوعیت کے جرائم میں ۸ سے ۲۰ فیصدی اضافہ ہوا۔

(جنگ ۲۴ جون ۸۳ء)

یہ ہیں وہ تلخ حقائق جو ۱۲ جون ۸۳ء کو پیش کئے گئے بجٹ سے ظاہر ہوتے ہیں۔

انہیں معاشی بحرانی حالات میں گھرے ہوئے پاکستان کے وزیر خارجہ جون ۸۳ء میں افغانستان کے مسئلہ کے سیاسی حل کے لئے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی اور مدد سے افغان حکومت سے بالواسطہ مذاکرات میں شامل ہو رہے ہیں۔

سوویٹ یونین افغان حکومت اور ہندوستانی حکومت بھی پاکستان پر یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ افغان مجاہدین کو پاکستان کے علاقہ میں تربیت دی جاتی ہے اور پاکستان کے راستے سے ہی انہیں ہتھیار مہیا کئے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ امریکی سامراج کے دباؤ سے اس کے مفادات کی حفاظت کے لئے ہو رہا ہے اور افغانستان کے مسئلے کے سیاسی حل میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی امریکی سامراج ہی کر رہا ہے۔

لیکن پاکستان نے ہمیشہ ان الزامات کو غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ آزاد پالیسی کے راستے پر گامزن ہے اور خود اس کی آزادی خطرے میں ہے اس لئے وہ امریکہ سے اسلحہ حاصل کر رہا ہے۔

www.bhutto.org

کچھ عرصہ ہوا کہ سویٹ یونین کے وزیر خارجہ مسٹر گرومیکو نے کہا تھا کہ سویٹ یونین افغانستان کے مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سرحد پار سے برابر جارحیت اور مداخلت جاری ہے اور اگر ایسا ہی رہا تو بین الاقوامی قانونکے مطابق سرحد پار سے جارحیت سے نپٹنے کے لئے گرم تعاقب کی پالیسی بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۲۹ ویں اجلاس منعقدہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جارحیت کی یہ تاویل کی گئی تھی کہ اگر کسی ریاست کی طرف سے مسلح دستے گروپ یا کرائے کے سپاہیوں کے ذریعے دوسری ریاست کے خلاف مسلح حملوں کا ارتکاب ہوتا ہے تو وہ جارحیت کہلائے گی اور ایسے حالات میں اس ریاست کو جس کے خلاف جارحیت کی گئی ہو حق حاصل ہو گا کہ وہ ایسے حملہ آوروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس ملک کی حدود میں داخل ہو جائے جس سے حملہ آور آئے ہوں۔ چند ہی دنوں بعد کمپوچیا کی فوجوں نے تھائی لینڈ میں داخل ہو کر ان کیمپوں کو تحس نحس کر دیا جن میں کمپوچیا کے خلاف گوریلوں کو تربیت دی جاتی تھی۔

پاکستان حکومت کے برابر انکار کے باوجود کچھ ایسے شواہد منظر عام پر آنے لگے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اعلانات اس قدر درست نہ ہیں جس قدر ان کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے واشنگٹن پوسٹ نے ۱۵ فروری ۸۰ء کو لکھا کہ باعتماد ذرائع سے یہ پتہ چلا ہے کہ امریکہ افغانستان میں سویٹ فوجوں سے برسرپیکار باغیوں کو ہتھیار مہیا کر رہا ہے ...... یہ ہتھیار چھوٹے اور نسبتاً ہلکے اینٹی ٹینک ہتھیار ہیں جن سے ایک سپاہی بکتر بند گاڑیوں کو ختم کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکتا ہے اور یہ ہتھیار پاکستان اور افغانستان کے درمیان چودہ سو میل لمبی سنگلاخ سرحد کو پار کر کے بھیجے جاتے ہیں۔ گو اس بات کا اچھی طرح علم نہیں کہ یہ ہتھیار کن ذرائع سے بھیجے جاتے ہیں لیکن یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام سی آئی اے سر انجام دے رہی ہے اور سی آئی اے اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کانگریس کی اہم کمیٹیوں کو جو اس کام کی نگرانی پر مامور ہیں باخبر رکھتے ہیں ہتھیار مہیا کرنے کا فیصلہ خواہ وہ کتنی ہی کم مقدار میں کیوں نہ ہوں اس امداد سے ماورا ایک اہم قدم ہے جو امریکہ سویٹ یونین کی افغانستان میں فوجوں کے داخل ہونے سے پہلے کر رہا تھا۔

(بلا اعلان جنگ پروگریس پبلشرز صفحہ ۴۰)

۲۵ فروری ۱۹۸۰ء کو سی بی ایس ٹیلی ویژن پر یہ خبر نشر کی گئی وائٹ ہاؤس نے پاکستان کو سرعت کے ساتھ امداد مہیا کرنے اور پاکستان میں اپنی فوج رکھنے کے متعلق منصوبہ بندی کی ہے۔

www.bhutto.org

مارون گاب کے مطابق انتظامیہ نے امریکی فوجوں کو پاکستان میں رکھنے کے لئے منصوبہ بندی کی ہے جس کے مطابق شروع میں امریکی ہوائی فوج کے جہاز اور پائیلٹ وہاں رہیں گے اور پاکستان کی ہوائی فوج کے اڈوں سے اتریں گے اور پھر بتدریج زیادہ عرصہ تک وہاں قیام کریں گے ان جہازوں کو امریکی پائیلٹ چلائیں گے۔ اس کے بعد پاکستان کی بندرگاہوں پر امریکی بحری جہاز لنگر انداز ہوں گے اور آخری مرحلہ پر اگر وہ وقت واقعی آگیا تو امریکی بری فوج پاکستان میں آ جائے گی۔

(بلا اعلان جنگ صفحہ ۲۲ پروگریس پبلشرز)

یہ ہیں وہ خبریں جو ہمارے محسن اور مربی ملک کے اخبارات اور ٹیلی ویژن نشر کرتے رہے ہیں ہندوستان کے اخبارات نے بھی ایسی ہی خبریں نشر کی ہیں ۱۸ جنوری ۸۰ء کے ہندوستان ٹائمز کے مطابق ایک باغی رہنما نے بتایا کہ پچھلے اٹھارہ ماہ میں تقریباً ۳۵ ہزار باغیوں کو پاکستان میں تربیت دی جا چکی ہے۔ انہیں پاکستان کی سرحد سے ۶۰ کلو میٹر دور جنوبی افغانستان میں قندھار سے بھیجا گیا تھا یہ ٹرینگ تین سے چھ ماہ کے عرصہ پر محیط ہوتی تھی۔ اس میں اینٹی ٹینک آر سی ایل توپیں ـــــ جو امریکہ سپلائی کرتا تھا کی بھی تربیت دی جاتی تھی باغی رہنما نے مزید کہا کہ اب تک تقریباً ہزار گوریلوں کو پاکستان میں تربیت کے لئے بھیجا جا چکا ہے۔

(بلا اعلان جنگ صفحہ ۷۷ پروگریس پبلشرز)

گویا کہ افغانستان میں دسمبر ۱۹۷۹ء میں سویٹ فوج کے داخل ہونے سے بہت پہلے باغیوں کو پاکستان کی سرزمین پر تربیت دی جا رہی تھی۔ انہیں حالات کے پیش نظر سویٹ یونین کے وزیر خارجہ کے گرم تعاقب کے سلسلہ میں بیان کے بعد پاکستان حکومت افغانستان کے مسئلے کے سیاسی حل کے متعلق پاؤں گھسیٹی ہوئی گفت شنید کی میز پر پہنچی۔ یہ گفتگو ایک سال سے جاری ہے کچھ عرصہ سے گفت و شنید کی کامیابی کی خبریں آنی شروع ہو گئیں اور اقوام متحدہ کے نمائندے نے کہا کہ ۹۵ فیصدی تک معاملات طے ہو چکے ہیں۔ جونہی یہ بات منظر عام پر آنی شروع ہوئی جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے لاہور سے اعلان کیا کہ افغانستان کی تمام اسلامی جماعتوں اور محاذوں نے اپنی جداگانہ حیثیت کو ختم کر کے واحد تنظیم قائم کر لی ہے اور پروفیسر عبد الرسول سیاف کو اپنا امیر منتخب کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے ان میں پروفیسر برہان الدین ' انجینئر گلبدین ' حکمت یار ' مولوی یونس خالص اور مولوی نصر اللہ بھی شامل ہیں میاں طفیل محمد نے مزید کہا کہ یہ اتحاد پاکستان '

www.bhutto.org

کویت، مصر، اردن، قطر اور بحرین کے بعض مخلص مذہبی رہنماؤں کی کوششوں کا نتیجہ ہے میاں طفیل محمد نے مزید کہا کہ اتحاد کی وجہ سے افغان بھائیوں کی اجتماعی طاقت ہزار گنا بڑھ جائے گی اور ان کے جہاد کی طاقت سینکڑوں گنا بڑھے گی جس سے مہینوں میں حاصل کرنے والا مقصد ہفتوں کا حاصل کیا جا سکے گا۔"

مولوی طفیل محمد کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں موجود افغان مہاجر و رہنما سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں فوجی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور انہوں نے نہ صرف پاکستان کے سیاسی عناصر سے رابطہ قائم کر رکھا ہے بلکہ ان کو پانچ دوسرے ملکوں کویت، مصر، اردن، قطر اور بحرین کا تعاون بھی حاصل ہے حکومت پاکستان نے اپنے عوام کو اور تمام دنیا کے عوام کو اب تک جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ افغان مہاجرین کو محض اسلامی ہمدردی کی بنیاد پر پناہ دی گئی ہے ان کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے فوجی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے پاکستانی پاسپورٹ حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور پاکستان میں جائیداد حاصل کرنے کی اجازت نہین ہے لیکن اخبارات کچھ اور بتا رہے ہیں۔"

سوویٹ یونین اور افغانستان کے حکام بار بار یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ افغان مہاجرین پاکستان سے آ کر توڑ پھوڑ مچاتے ہیں۔ پاکستان میں ان کے تربیتی کیمپ ہیں پاکستان سے ہی ان کو اسلحہ ملتا ہے پاکستان ان کی پشت پناہی کرتا ہے اور بعض ملکوں کے فوجی مشیر بھی افغان مہاجرین کے تربیتی کیمپوں میں موجود ہیں یہ الزام بھی عائد کیا جا چکا ہے کہ افغانستان میں گھس بیٹھ کرنے والے کچھ مجاہدین گرفتار کئے گئے ہیں۔ جنکے قبضہ سے پاکستانی اسلحہ بھی برآمد ہوا ہے۔ حکومت پاکستان نے ان تمام الزامات کو ہمیشہ جھٹلایا اور یہ موقف اختیار کیا گیا کہ افغان مجاہدین جن ہتھیاروں سے جنگ کر رہے ہیں وہ افغان فوج سے چھینے ہوئے ہیں یا ایسے ہتھیار ہیں جو افغان باغی فوجی اپنے ساتھ لائے تھے اور مجاہدین سے آ ملے ہیں۔"

"مصر کے صدر انور سادات (مرحوم) نے ایک خصوصی انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ جب روس سے ہماری دوستی تھی تو روس نے ہمیں بہت سا اسلحہ دیا تھا اور ہلکے قسم کا روسی اسلحہ ہم خو بنانے لگ گئے تھے۔ روس سے تعلقات ختم ہونے اور امریکہ سے دوستی کے بعد امریکی حکومت نے ہم سے روسی اسلحہ منہ مانگے دام خرید کر طیاروں کے ذریعے افغان مجاہدین کو سپلائی کرنا شروع کر دیا کسی بھی فریق نے صدر انور سادات کے اس دعوے کو

www.bhutto.org

چیلنج نہیں کیا اور اس اہم فوجی راز کے افشا ہونے کے بعد ایک روز صدر سادات قتل کر دیئے گئے۔"

چند روز پہلے امریکہ کے اخبار نیو یارک ٹائمز نے نہایت تفصیل سے ایک خبر شائع کی جس میں دعوی کیا گیا ہے کہ امریکہ نے افغان مجاہدین کی فوجی امداد بڑھا دی ہے اور نہ صرف زیادہ اسلحہ دیا جا رہا ہے بلکہ جدید اسلحہ بھی دیا جا رہا ہے یہ اسلحہ بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے پاکستان بھیجا جاتا ہے جہاں سے ٹرک کے ذریعے سرحدی علاقوں تک پہنچایا جاتا ہے چین سعودی عرب مصر اور ایران بھی افغان مجاہدین کی مدد کر رہے ہیں اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان میں افغان مجاہدین کے اڈے موجود ہیں افغانستان میں لڑنے والوں کو پاکستان کے راستہ رسد ملتی ہے اور افغان مجاہدین پاکستان کو اپنے فوجی اڈے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔"

(امن ۲۳ مئی ۱۹۸۳ء)

ایک طرف تو مولانا طفیل محمد نے جنیوا میں ہونے والے مذاکرات کو فیل کرنے کے لئے پاکستان کی سر زمین پر مجاہدین کے جہاد کو جلد کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے بڑے طمطراق سے مندرجہ بالا اعلان کیا ہے اور دوسری طرف سویٹ یونین کے وزیر خارجہ نے یہ الزام لگایا ہے کہ پاکستان کے دوست (یعنی امریکی سامراج) سمجھوتے کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں چنانچہ محمد ضیاء الحق کی حکومت عجیب مخمصے میں پھنس گئی ہے ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لئے امریکی سامراج سے دھڑا دھڑ قرضے اور اسلحہ حاصل کر رہی ہے لیکن دوسری طرف وہ بہ امر مجبوری افغانستان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے گفت و شنید پر بھی مجبور ہو رہی ہے اور امریکی سامراج اس کی کلائی مروڑ رہا ہے اس لئے افغانستان کے مسئلے کا حل آسان نہیں ہے اور پاکستان کو کسی بھی خطرہ سے دو چار کر سکتا ہے اگر ضیاء الحق حکومت امریکی سامراج کے دباؤ میں نہ آئے (جو کہ ناممکن ہے) اور کوئی قابل قبول حل تلاش کرے تو یقیناً اس حکومت کو الٹنے کے لئے سی آئی اے کوشش کرے گی اس لئے ضیاء الحق امریکی سامراج کو اس حد تک ناراض کرنا نہیں چاہے گا اور اپنی اور اپنے دوستوں اور حکومت کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالے گا۔

امریکی سامراج کی رہنمائی میں رجعت پسند طاقتیں ضیاء الحق کو سبکدوش کر کے کسی دوسرے جرنیل کو بھی حکومت سونپ سکتی ہیں اور پھر پیپلزپارٹی سے سمجھوتے کی راہ ہموار کر سکتی ہیں۔

www.bhutto.org

افغانستان کے مسئلے کا آسان حل ضیاء الحق کی جیب میں ہے اگر وہ ببرک کارمل کی حکومت کو تسلیم کر لیں تو افغانستان سے سرحدی تنازعات مہاجرین کی واپسی سویٹ فوجوں کا انخلا جیسے مسائل کے حل کے لئے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور پاکستان کی سرحدات محفوظ ہو جائیں گے۔

کچھ عرصہ سے ہندوستانی رہنما اور اخبارات بھی پاکستان پر یہ الزامات لگا رہے ہیں کہ پاکستان سکھوں کی تحریک کی در پردہ حمایت کر رہا ہے ۔ ۲۲ جون ۱۹۸۳ء کے مطابق ایک بھارتی اخبار نے وارننگ کے سگنل میں پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ وہ سکھوں کو تخریبی کارروائیوں کی ٹریننگ دینے کے لئے سہولتیں فراہم کر رہا ہے اور یہ کہ اس مقصد کے لئے متعدد سکھ پاکستان پہنچ چکے ہیں خبر میں کہا گیا ہے کہ ایک ہندوستانی فوجی افسر نے اس قسم کے ایک تربتی کیمپ کی گوجرانوالہ کے ایک مقام پر ایک پاکستانی افسر سے اس کی شکایت کی تھی جس پر اسے مبینہ طور پر جواب دیا گیا تھا کہ بھارت بھی سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو کے حامیوں کی حمایت کر رہا ہے...... اخبار نے مزید لکھا ہے کہ پاکستان میں اب نئے مراکز قائم کر دیے گئے ہیں خبر میں یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ پاکستان سکھ انتہا پسندوں کو ہتھیار اور گولہ بارود بھی فراہم کر رہا ہے اخبار نے مزید لکھا ہے کہ بھارت کی طرف سے پاکستان کو جو سگنل دیا گیا ہے اس سے پاکستان نے اس کا نوٹس نہ لیا تو بھارتی حکومت موثر طریقے سے نپٹنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے پر مجبور ہو گی۔"

کچھ دن پہلے وزیر اعظم اندرا گاندھی نے یہ بیان دیا تھا کہ خالصتان تحریک کا گڑھ امریکہ میں ہے۔ ان خبروں سے ایسے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اپنے مفادات کے لئے افغانستان کے بعد مشرقی پنجاب میں بھی پاکستان کو استعمال کر رہا ہے یقیناً یہ پاکستان کے مفادات میں نہیں ہے۔ حکومت کی اس خارجہ پالیسی میں جو اس نے اپنے تحفظ اور عوام کی ملکی مسائل سے توجہ ہٹانے کے لئے امریکی سامراج کے دباؤ کے تحت اختیار کی تھی دراڑیں پڑتی نظر آ رہی ہیں۔ پاکستان کا مفاد اسی میں ہے کہ اس پالیسی کو بدل دے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہے۔

مارشل لا حکومت کی حکمت عملی:

پچھلے چھ سال میں مارشل لا حکومت نے اپنے آپکو قائم رکھنے اور دوام بخشنے کے لئے نہایت ہی شاعرانہ حکمت عملی اختیار کی ہے۔ اس کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کچھ سیاسی

جماعتوں اور عوام کے بہت سے حصوں کو مختلف ترغیبات کے ذریعے اپنے ساتھ ملایا جائے اور عوام کی صفوں اور سیاسی پارٹیوں کے درمیان جو تقسیم مارچ ۱۹۷۷ء میں ہوئی تھی اسے قائم رکھا جائے۔ اور پیپلز پارٹی اکیلی کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا جائے اس کے اولین نعرے احتساب اور نظام مصطفےٰ کا نفاذ تھا۔ ان نعروں کے ساتھ وہ جمہوریت کے علمبرداروں کو مارشل لا کابینہ میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ احتساب اور اسلام کے نفاذ کے چکیلے نعرے لگا کر انہوں نے انتخابات کو ملتوی کرنے کے بہانے بنائے اور پیپلز پارٹی کو اصل نشانہ بنائے رکھا۔ اس سیاسی حکمت عملی کا ایک جزو یہ تھا کہ ایسی جماعتوں کو جو حکومت سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں انہیں کام کرنیکی اجازت ہو اور ان کی پکڑ دھکڑ نہ ہو۔ اور پیپلز پارٹی کے دور حکومت کی زیادتیوں کی تشہیر کی جائے۔ اور بھٹو کو سیاسی افق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے۔ اسکے ساتھ ہی پیپلز پارٹی ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے کارکنوں کو تشدد کا اس قدر نشانہ بنایا جائے کہ انہیں ملک سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے یا جیلوں اور قلعوں میں ٹھونس دیا جائے۔ چنانچہ کھلے میدانوں میں پھانسیاں دے کر اور سر عام کوڑے لگا کر عوام کو دہشت زدہ کر دیا گیا۔ اس پالیسی کے نفاذ کے دوران جس قدر تعداد میں پیپلز پارٹی کے ممبران اسمبلی اور عہدیداران کو پیپلز پارٹی سے علیحدہ کیا جا سکتا تھا کیا گیا۔ اور اس بات کی خاص طور پر تشہیر کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ اور اس قماش کی دوسری پارٹیوں کو پیپلز پارٹی کے خلاف اسلام کے نام پر اور ان کی ماضی کے تشدد آمیز اور آمرانہ رویوں کے حوالے سے پروپیگنڈہ کی کھلی چھٹی دی گئی۔ اس طرح عوام اور سیاسی پارٹیوں کی تقسیم کو قائم رکھا گیا۔

۱۹۸۰ء میں جب تحریک بحالی جمہوریت وجود میں آئی تو اس سیاسی حکمت عملی کے مطابق ایم۔آر۔ڈی حکومت کا نشانہ ٹھہری۔ اسے توڑنے اور کمزور رکھنے کیلئے اندرونی اور بیرونی طاقتوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ اسے تنظیم اور استحکام نصیب نہ ہو سکے۔ اور وہ ہوا میں معلق رہے۔ سیاسی رہنماؤں کی مختلف طریقوں سے کردار کشی کی گئی۔ اور فوج اور نوکر شاہی کی طاقت کے بل بوتے پر سیاسی پارٹیوں کو بالکل بے اثر بنا دیا گیا۔

مارشل لا اور جماعت اسلامی:

مارشل لا حکومت کی سب سی بڑی کامیابی یہ ہے کہ چھ سال گزر جانے کے باوجود پاکستان کے عوام کی صفوں میں انتشار موجود ہے۔ اور سیاسی پارٹیاں آپس میں رسہ کشی میں

www.bhutto.org

لگی ہوئی ہیں۔ جماعت اسلامی کی کوشش یہ رہی ہے کہ ایم آر ڈی کو کمزور کرنے کیلئے وہ مذہبی جماعتوں کا علیحدہ اتحاد قائم کرے۔ لیکن اس میں اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ جماعت کا خیال ہے کہ حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ سیاسی بالادستی حاصل کرنے اور اقتدار اعلی پر قبضہ کرنے کے لئے آخری یلغار کا وقت آگیا ہے۔

جماعت اسلامی اپنے تمامتر تعاون کے باوجود مارشل لا حکمرانوں میں سے کسی کو اس حد تک آپنے ساتھ نہیں ملا سکی کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے اس کی مدد کرے۔ جنرل محمد ضیاء الحق جماعت اسلامی کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کر رہا ہے اور اسکے عوض اسے خدمت اسلامی کے نام پر اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے کی کھلی چھٹی ہے۔ اسے افغان مہاجرین کے کیمپوں میں جانے کی اجازت ہے اور گلبدین حکمت یار کے ساتھ حکمت عملی بنانے کی بھی اجازت ہے۔ اور اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے اسے افغان مجاہدین کو مہیا کئے جانیوالے ہتھیاروں کو حاصل کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اور پھر افغان مہاجرین اور مجاہدین کو پہنچنے والی کروڑوں روپے کی امداد سے حصہ بٹانے کی بھی اجازت ہے۔ (جیسا کہ کوئٹہ جماعت اسلامی کو کالعدم قرار دینے کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰ کروڑ روپے کا غبن اس کی وجہ تھی)۔

جماعت اسلامی اقتدار کی کرسی پر پہنچنے کے لئے یہ سیڑھیاں طے کر رہی ہے اور روپے کے بل بوتے پر آپنے تنظیم کی دھاک بٹھا رہی ہے۔ اور طلباء میں اپنا مقام پیدا کئے ہوئے ہے۔ اور محنت کشوں میں مقام پیدا کرنی کی کامیاب تگ و دو میں مصروف ہے۔

یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن محمد ضیاء الحق یہ سب کچھ جماعت اسلامی کو اقتدار کی کرسی تک پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے کر رہا ہے۔ اگر کبھی محمد ضیاء الحق کے اقتدار کی نیا ڈولے تو ممکن ہے کہ جماعت اسلامی کو وہ اقتدار میں پوری طرح شریک کرنے پر رضا مند ہو جائے اور پھر اقتدار پر مکمل قبضے کیلئے جماعت اسلامی کے لئے راہ ہموار ہو جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر جماعت اسلامی جو اپنے آپ کو نیکی اور طہارت اور پاکیزگی کا نمونہ بنا کر پیش کرتی ہے' پر حکومت کا گماشتہ ہونے کا گمان بھی زور پکڑ رہا ہے اور وہ عوام سے کٹ رہی ہے۔ اور دبے لفظوں میں اسکی کچھ لیڈر شپ مارشل لا حکومت پر نکتہ چینی کرنے لگی ہے۔ لیکن ساتھ مجلس شوریٰ' زکوۃ اور عشر کمیٹیوں میں بھی تعاون کئے جا رہی ہے۔

پاکستان نیشنل پارٹی کا کردار:

مارشل لا حکومت کے خلاف عوام کے اتحاد میں رخنہ اندازی صرف جماعت اسلامی ہی نہیں کر رہی بلکہ پاکستان نیشنل پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی بھی اس پالیسی میں پیش پیش ہیں۔ جماعت اسلامی کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ مارشل لا حکومت کے رجعت پسند، سامراج جاگیردار دوست اور گماشتے سرمایہ داروں کے نظریات کے بہت قریب ہے اور اسلام کے "جزوی نفاذ" کو وہ صحیح اقدام قرار دیتی ہے اور حکومت کو مزید اسی راستے پر چلانے کی خواہاں ہے اور ارباب اقتدار میں سے کسی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر فاشسٹ کو کرنے کے لئے کوشاں ہے لیکن پاکستان نیشنل پارٹی کی ایم۔آر۔ڈی سے علیحدہ رہنے اور سوشلسٹ پارٹی سے اتحاد کرنے (حالانکہ سوشلسٹ پارٹی کی سرکاری پالیسی تو یہ ہے کہ اس حکومت کے خلاف تحریک چلانا دراصل امریکی سامراج کی حمایت ہے اور یہ تحریک وڈیرہ جمہوریت کی تحریک ہے) کی پالیسی یقیناً تشویشناک ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ بائیں بازو کا علیحدہ تشخص قائم کرنے کے لئے ہے لیکن بائیں بازو کا تشخص تو ایم آر ڈی کے اندر رہ کر بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور اس تحریک کو زیادہ ترقی پسند خطوط پر چلایا جا سکتا تھا۔ ایم۔آر۔ڈی سے باہر رہ کر بائیں بازو تشخص نہ صرف صحت مند اور عوام دوست نہیں ہو گا بلکہ بائیں بازو کے ایک بار پھر داغدار کرنے کے مترادف ہو گا۔ عام ہوا تو یہ تھی کہ بزنجو صاحب ایم۔آر۔ڈی میں شامل ہو رہے ہیں لیکن اس فیصلہ سے پہلے سوشلسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر مشترکہ اعلان کر دیا گیا دراصل یہ قدم ایم۔آر۔ڈی میں پاکستان نیشنل پارٹی کی متوقع شمولیت کو سابو تاژ کرنے کے لئے اٹھایا گیا تھا جو کامیاب رہا۔

پاکستان نیشنل پارٹی کے اندر ایسے گروپ بھی شامل ہیں جنہوں نے پیپلزپارٹی کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا تھا اور اس میں وہ گروپ بھی شامل ہیں جو ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے دوران قومی اتحاد میں شامل تھے اور اس تحریک کے لئے جو کھلے طور پر بیرونی روپے سے چل رہی تھی ملتان کے لاکھوں کے جلسوں سے خطاب کر کے اپنے حواس کھو بیٹھے تھے اور دست تاسف مل رہے تھے کہ ساری عمر انہیں عوام کے ایسے ہجوم کو خطاب کرنے کا موقعہ ہی ہاتھ نہیں آیا۔ آج اسی قومی اتحاد کی جمہوریت پسند پارٹیاں (جن میں ان کے پرانے رہنما بھی شامل ہیں) ایم۔آر۔ڈی میں شامل ہیں لیکن آج وہ ایم۔آر۔ڈی کو امریکی سامراج کی انجیٹ قرار دے کر اس میں شامل ہونے سے پہلوتہی کر رہے ہیں۔

www.bhutto.org

بائیں بازو کا یہ عظیم المیہ ہے کہ وہ قومی جمہوری اور عوامی جمہوری انقلاب کا تھیسس اپنائے ہوئے بھی عوامی تحریکوں سے ہمیشہ کنی کتراتے رہے ہیں جن میں شامل ہو کر انقلاب کے مفادات کو آگے بڑھایا جا سکتا تھا اور بائیں بازو کی پارٹیوں کی صفوں کو مضبوط کیا جا سکتا تھا اور عوامی حمائت حاصل کی جا سکتی تھی۔

پاکستان نیشنل پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی کے متحدہ اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ایم۔آر۔ڈی تحریک چلائے تو وہ اس کا ساتھ دیں گے گویا کہ ان کی یہ فارمولیشن کہ ایم۔آر۔ڈی امریکی سامراج کی ایجنٹ ہے غلط ہے اور اگر غلط نہیں ہے تو پھر بھی وہ تحریک کا ساتھ دینے کا اعلان کرتے ہیں تو بالواسطہ امریکی سامراج کی حمائت کرتے ہیں تو یہ ان کی کھوکھلی غیر حقیقت پسندانہ اور دیوالیہ سوچ ہے۔ وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس وقت آمریت کے خلاف عوام کا تضاد اولیت اختیار کر چکا ہے اور یہ آمریت کی وہ شکل ہے جو نظریاتی طور پر فاشزم کے قریب تر ہے۔ سنگساری ہاتھ کاٹنے کی سزائیں' کھلے میدانوں میں پھانسیاں' کوڑے لگانے کی سزائیں' درس گاہوں سے ترقی پسند نظریات کے اساتذہ کا اخراج ' ریڈیو ٹیلی ویژن پر غیر سائنسی رجعتی نظریات کا پرچار' عورتوں کو گھروں میں بند کرنے کے نظریات اور نجی ملکیت کو مذہبی تقدس بخشنے کی پالیسی اور ضیا حمایت تحریک اور اسلامی جمعیتہ طلباء کے مسلح فاشٹ گروہ کو کھلی چھٹی اور امریکی سامراج کے ساتھ بڑھتے ہوئے روابط فاشزم کی آمد آمد کا پیش خیمہ نہیں تو اور کیا ہے؟

دراصل آج سوال یہ نہیں ہے کہ ایم۔آر۔ڈی اگر تحریک چلائے تو وہ اس کا ساتھ دے گا یا نہیں؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا موجودہ آمریت کے خلاف موجودہ حالات میں تحریک چلانی چاہئے یا نہیں اگر چلانی چاہئے تو اس کیلئے پاکستان نیشنل پارٹی کو خود پہل قدمی کرنی چاہئے اور تحریک کے متعلق منفی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے یہ فیصلہ تو محض اس لئے کیا گیا ہے کہ اگر ایم۔آر۔ڈی تحریک نہ چلائے تو وہ کہہ سکیں گے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ ایم۔آر۔ڈی درست اتحاد نہ ہے اور اگر تحریک چلائے تو تمام تر ذمہ داری اس کی ہو گی اور پاکستان نیشنل پارٹی کنارے پر کھڑی ہلا شیری کرتی رہے گی اس کے علاوہ بنیادی سوال یہ ہے کہ اس قومی جمہوریت کے تقاضے کیا ہیں جس کے وہ علمبردار ہیں؟ آج قومی جمہوریت کی تحریک میں ان تمام طبقات عناصر اور افراد کی شمولیت ضروری ہے یا نہیں جو موجودہ آمریت جو امریکی سامراج بڑے جاگیرداروں اور گماشتے سرمایہ داروں کے بل بوتے پر قائم ہے کے مخالف ہیں اور ان کے مفادات خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے اور حقیر ہی کیوں نہ ہوں انہیں اس تحریک میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں اگر یہ درست ہے تو پاکستان نیشنل

www.bhutto.org

پارٹی کے اندر تمام انقلابیوں کا سیاسی فرض بنتا ہے کہ وہ پہل قدمی کر کے ان تمام طاقتوں کو متحد کرنے کی پالیسی پر گامزن ہوں اور آمریت کے خلاف جدوجہد میں نظریاتی اور عملی رہنمائی کریں۔ لیکن پاکستان کے بائیں بازو کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ان عوام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے تھیسس کے مطابق خاص معروضی حالات میں عوام کہلاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خالص سونا بنا کر پیش کرتے ہیں اور کسی آلودہ ہجوم کے ساتھ کندھے سے کندھا ملانا اپنی کھوکھلی اور سطحی انقلابیت کو بھرشٹ کرنے کے مترادف گردانتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ عوام سے کٹ جاتے ہیں اور آمریت کی بی ٹیم کہلاتے ہیں بائیں بازو کے لئے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ رجعتی خیالات کی یلغار کے ساتھ ساتھ دوسرے ترقی پسند خیالات بھی جنم لے رہے ہیں شہری آزادیوں کا مسلسل فقدان، جبر کے قوانین ، مہنگائی، جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح اور افراتفری، رشوت قانون کی بے حرمتی اور تمام پرانے اداروں کی تحس نحس مجموعی طور پر محنت کشوں کسانوں درمیانہ طبقے اور ہر طبقے کے روشن خیال افراد کے لئے تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ۶۹-۱۹۶۸ء کی طرح ایک بار پھر ترقی پسند نعروں کی مقناطیسی قوت عوام کو اپنی طرف کھینچے جا رہی ہے چھوٹے چھوٹے مظاہرے ٹیکنیکی ہڑتالیں اور بھوک ہڑتالیں، وافع شیطان اذانیں روندی کچلی سماج کے سینے میں جوار بھاٹے کی سی کیفیت پیدا کرنے کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

دوسری سیاسی جماعتیں:

بورژوا سیاسی پارٹیوں کی لیڈر شپ ان حالات سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ مارشل لا کے اس دور میں وہ تحریک چلانے کے ڈھنگ طریقے بھی وضع نہیں کر سکے۔ وہ کوئی وسائل بھی اکٹھے نہیں کر پائے وہ ان حالات کو بھانپتے ہوئے خوفزدہ بھی ہیں کہ اگر تحریک پھوٹ تو مبادا ان کے کنٹرول میں نہ رہے اور کوئی نئے عناصر اس کی رہنمائی حاصل نہ کر لیں اور ان کا بالکل ہی پتہ ہو جائے ان حالات کے پیش نظر بھی بائیں بازو کے رہنماؤں کا یہ تاریخی فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ تنظیمی علیحدگی کی دیواروں کو توڑ کر اس آنے والے جوار بھاٹے میں اتر جائیں اور وقت آنے پر جرات اور ہمت اور ثابت قدمی سے عوام کی رہنمائی کریں وہ عوام کی رہنمائی تبھی اپنے ہاتھوں لے سکیں گے اگر وہ عوام کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر چلیں۔ ایسے اقدامات کرنے سے انہیں موجودہ تکلیف دہ اور مضحکہ خیز صورت حال سے بھی نجات مل جائے گی جس میں وہ اندرون خانہ

www.bhutto.org

ایم ۔آر ۔ڈی تحریک کو زہر سمجھتے ہیں۔ لیکن پبلک کے دکھلاوے کے لئے اس میں شمولیت کا بار بار اعلان کر کے زہر کے کڑوے گھونٹ پیتے ہیں انہیں اپنے اس طریق کار پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ ابھی وقت ہے اور جو وقت گذر چکا ہے اس کی بھی تلافی کی جا سکتی ہے اس طرح وہ ان تمام ترقی پسندوں کو بھی اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جن کو اکٹھا کرنے کی پالیسی وہ اکثر دیتے رہتے ہیں اور انہیں عوام کے مختلف دھاروں کو بھی آمریت کے خلاف متحد اور منظم کرنے کے مواقع میسر آ سکیں گے اور ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر وہ آمریت کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے اس ظالمانہ استحصالی نظام کو بھی ختم کرنے کے راستے پر بھی گامزن ہو سکیں گے۔

جمعیتہ علمائے پاکستان بھی ابھی تک اتحاد سے گریزاں ہے لیکن وہ برابر آمریت کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے اب وہ اس آواز کو ایم ۔آر ۔ڈی کی حمایت میں بھی اٹھا رہی ہے۔ اس لے اندر کش مکش جاری ہے کہ وہ کیا کرے جماعت اسلامی کے نظریات کے وہ سخت خلاف ہے اور اس سے اتحاد کی کوششوں کو اس نے رد کر دیا ہے لیکن ایک دھڑا ایک ۔آر ۔ڈی کے بھی خلاف ہے ابھی تک وہ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکی کہ وہ کس اتحاد میں شامل ہو۔ مولانا نورانی نے پہلے گول میز کانفرنس بلانے کی کوشش کی تھی لیکن حکومت نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا اب پھر انہوں نے وسیع تر اتحاد کے لئے کوشش کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ایم ۔آر ۔ڈی سے اس کی علیحدگی یقیناً آمریت کے خلاف عوام کے اتحاد کو کمزور کرتی ہے۔

پگاڑا لیگ ان جماعتوں میں سے ہے جو مارشل لا کے پہلے کابینہ میں شامل ہو گئی تھی اب بھی اس کے متعدد ممبران حکومت سے تعاون کر رہے ہیں وزیر ہیں یا مجلس شوریٰ کے رکن گو پگاڑا لیگ کے جنرل سیکرٹری بار بار کہہ چکے ہیں کہ وہ خود بخود پارٹی سے خارج ہو گئے ہیں لیکن تاحال باقاعدہ میٹنگ کر کے انہیں پارٹی سے نہیں نکالا گیا پیر پگاڑا صاحب خود ضیاء الحق سے ملاقاتیں کرتے رہتے ہیں جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ضیاء الحق کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مسلسل ایم ۔آر ۔ڈی پر بھی چاند ماری کرتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ ضیاء الحق مخالف اتحدا کو کمزور اور محمد ضیاء الحق کی بالواسطہ مدد کرتے ہیں وہ ضیاء الحق کو اپنی پارٹی میں شمولیت کی بھی دعوت دے چکے ہیں لیکن جب سے ان کو علم ہوا ہے کہ محمد ضیاء الحق کوئی نئی پارٹی بنانے کے متعلق سوچ رہے ہیں تو انہوں نے بھی حکومت پر نکتہ چینی کرنی شروع کر دی ہے۔ پگاڑا لیگ کی پنجاب برانچ نے وہ تمام پروگرام بنا لیا ہے

جس کی ایم - آر -ڈی داعی ہے جماعت اسلامی کی کوششوں کے باوجود پگاڑا لیگ نے اس سے اتحاد نہیں کیا۔ پگاڑا لیگ کا علیحدہ رہنا بھی آمریت کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔

ایم - آر -ڈی:

ایم - آر -ڈی جب وجود میں آئی تو عوام نے اس سے بے حساب امیدیں وابستہ کیں اور یہ مارشل لا کے گھپ اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر آئی ایم- آر-ڈی اپنی اڑھائی سالہ زندگی میں گو آمریت کی واحد مخالف طاقت بن کر ابھری لیکن کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہ دے سکی - ایم- آر-ڈی بڑی پارٹیوں کیلیڈر شپ جو روشن خیال زمینداروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل ہے مارشل لا حکومت کو کسی میکنزم کسی شعبدے کے ذریعے ختم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوتی انہوں نے مارشل لا کے خاتمے اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کے لئے کسی طویل جدوجہد کی حکمت عملی اور طریق کار وضع نہیں کیا ہے اور نہ ہی اپنے مسلک کے پروپیگنڈہ اور تنظیم پر اس قدر توجہ دی ہے جس قدر حالات کا تقاضا تھا۔ پیپلزپارٹی کے رہنما تو اپنی مستقبل کی کامیابیوں کی خوشیوں میں مست ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب بھی انتخاب ہوا وہ برسراقتدار آ جائیں گے الذوالفقار کے نام پر جو قربانیاں ہو رہی ہیں وہ بھی پیپلزپارٹی کے کھاتے میں ہی جاتی ہیں انہوں نے ابھی تک یہ نہیں سوچا کہ اگر انتخابات اور چند سال نہ ہوئے اور آمریت اسی طرح قائم رہی تو پھر کیا ہو گا؟ اس ملک کا کیا بنے گا! اور ان کا حشر کیا ہو گا بھٹو مرحوم کے حشر سے بھی انہوں نے کچھ نہیں سیکھا۔ بلکہ بھٹو مرحوم کی عظیم قربانی بھی ان کی طاقت بن گئی ہے جب سے نئے سیاسی ڈھانچہ کا چرچا ہوا ہے پیپلزپارٹی کے کچھ رہنما اندرون خانہ کسی نئی پارٹی کی تشکیل کے متعلق بھی سوچ رہے ہیں اسی لئے بے نظیر کی سالگرہ کی تقریبات میں وہ شریک نہیں ہوئے۔

ایم- آر-ڈی اس وقت ایک نئے خلفشار سے دو چار ہے۔ ۳۱ نکات اپنائے جانے کی وجہ سے اس نے ایم- آر-ڈی کی میٹنگوں کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ایم- آر-ڈی کے مفاد میں یہ تھا کہ وہ ۳۱ نکات کو وجہ تنازعہ نہ بناتی اور افہام و تفہیم سے اس معاملے کو طے کرتی لیکن اس کے باوجود تحریک استقلال ایم- آر-ڈی کی دوسری پالیسیوں سے بھی اتفاق نہیں کرتی مثلاً وہ بلدیاتی انتخابات میں اکیلے ہی حصہ لینے کا اعلان کرتی ہے اور اگر متناسب نمائندگی کی بنیاد پر مرکزی انتخابات ہوں اور صرف رجسٹرڈ پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ لینے

کا حق ہو تو تحریک استقلال اپنے فیصلے کے مطابق انتخابات میں حصہ لے گی۔ خواہ ایم آر ڈی اس کے خلاف ہی فیصلہ کیوں نہ کر دے۔

تحریک استقلال کے علاوہ اس وقت جمعیتہ علمائے اسلام کا وہ گروپ جو ایم۔ آر۔ڈی میں شامل ہوا تھا اپنی جماعت کے اندرونی تنازعوں کی وجہ سے مزید خلفشار سے دو چار ہے دو ماہ کے لئے اس نے ایک آر ڈی میں شمولیت منسوخ کر رکھی ہے اور بدقسمتی سے یہ عین اس وقت کیا گیا ہے جب ایم۔ آر۔ڈی کی سربراہی تین ماہ کے لئے انہیں سونپی گئی تھی اور مولانا دین پوری کی صدرات میں جو اجلاس اپریل کے آخر میں لاہور میں ہوا اس میں مولانا دین پوری نے جلد تحریک چلانے پر زور دیا تھا لیکن چند دن بعد ہی اس کی جماعت نے ایم آڑ ڈی کی میٹنگوں میں دوماہ کے لئے شمولیت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گو مولانا محمد امروٹی اور مولانا دین پوری اس فیصلے کے خلاف ہیں لیکن اس فیصلے نے بھی ایم۔ آر۔ڈی کو وقتی طور پر کمزور کیا ہے۔

معروضی حالات یہ ہیں کہ مارشل لا کی وہ طاقتیں مخالف جنہیں متحد ہونا چاہئے تھا ابھی تک متحد نہیں ہو سکیں۔ بلکہ جو مخالف اتحاد وجود میں آیا تھا اس میں بھی دراڑیں پڑتی نظر آتی ہیں اور مارشل لا حکومت کی تقسیم کرنے کی پالیسی کافی حد تک کامیابی ہوتی نظر آتی ہے۔

نیا سیاسی ڈھانچہ:

ان مخدوش حالت میں محمد ضیاء الحق نے نیا سیاسی ڈھانچہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ یہ نیا سیاسی ڈھانچہ کیا ہو گا اور کب دیا جائے گا اس کے متعلق گاہے گاہے اخبارات راز ہائے درون پردہ سے پردہ اٹھاتے رہتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی حتمی بات فیصلہ کن مرحلہ تک نہیں پہنچی۔

نیا سیاسی ڈھانچہ دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو یا تو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور یا اس میں اس قسم کی بنیادی تبدیلیاں کر دی جائیں کہ اس کے خدوخال ہی ختم ہو جائیں۔

۱۔ اس نئے سیاسی ڈھانچہ کے مطابق متناسب نمائندگی کا اصول اپنایا جا سکتا ہے۔

۲۔ صرف رجسٹرڈ پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا اہل قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ امیدواروں کی سکریننگ کا قانون بنایا جا سکتا ہے اور صرف مارشل لا حکام کی

www.bhutto.org

مرضی کے امیدواروں کو ہی انتخاب میں حصہ لینے کا اصول مرتب کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ لوکل کونسلوں کے ووٹ سے انتخابات کرانے کی پالیسی اپنائی جا سکتی ہے۔

۵۔ فوج کو ملکی دفاع کے علاوہ آئینی کردار دیا جا سکتا ہے اور ہر حکومت کا نگران اعلی چیف آف شاف کو بنایا جا سکتا ہے۔

۶۔ صدارتی نظام حکومت قائم کیا جا سکتا ہے جس میں صدر مسلح افواج سے لیا جائے۔

۷۔ پاکستان کو چار صوبوں کی بجائے مختلف ڈویژنوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بہرحال نئے سیاسی ڈھانچہ کا مرکزی نقطہ فوجی حکومت کو دوام بخشنے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

تحریک کا اعلان:

۱۹۷۳ء کے آئین میں بنیادی تبدیلیاں کرنے اور نیا سیاسی ڈھانچہ دینے کے خلاف ایم آر ڈی نے ۵ جولائی کو یوم سیاہ منانے اور ۱۴ اگست کو تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعلان ایسے حالات میں کیا گیا ہے جبکہ ایم۔آر۔ڈی خلفشار سے دو چار ہے اور تاحال اس خلفشار کو ختم کرنے کے لئے کوئی مثبت اقدامات نہیں کئے گئے۔

دوسری طرف یہ اعلان ایسے حالات میں کیا گیا ہے جبکہ پاکستان بھر کے وکلا کی کامیاب بھوک ہڑتال ہو چکی ہے اور پیر پگاڑا نے بھی حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے شیطان کو دور بھگانے کے لئے اذان دینے کی تحریک کا آغاز کیا ہے۔

یہ اعلان ایسے حالات میں کیا گیا ہے جبکہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے بجٹ کی وجہ سے قیمتیں اور بھی بڑھ گئی ہیں اور محنت کش اور دوسرے غریب طبقے اور درمیانہ طبقہ مہنگائی کے پاؤں تلے اور بھی زیادہ پسنے لگا ہے اور محنت کش طبقے اپنے مفادات کی خاطر جدوجہد کے راستے پر نکل رہے ہیں۔

یہ اعلان ایسے موقعہ پر کیا گیا ہے کہ جب کے دیہاتی مالکان اراضی پر عشر نافذ کیا گیا ہے اور اس کے خلاف بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔

مارشل لا حکومت نے اس مجوزہ تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دی ہے اول تو اس نے وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا پروگرام بنایا ہے۔ دوسرے اس نے تحریک سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے لوکل کونسلوں کے انتخابات کا پروگرام بنایا ہے اور اس پروگرام کا کسی وقت بھی اعلان کیا جا سکتا ہے۔

تیسرے بجٹ پیش کرتے وقت حکومت نے ملازمین کی تنخواہوں میں بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر کوئی اضافہ نہیں کیا لیکن یہ مژدہ ضرور سنایا ہے کہ اگست میں تنخواہیں بڑھانے کا اعلان کیا جائے گا اور تنخواہیں پہلی جولائی سے بڑھائی جائیں گی۔ یہ اعلان تحریک کو کمزور کرنے اور اس کے غبارے سے ہوا نکالنے کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔

چوتھے ضیا حمایت تحریک کی داغ بیل ڈالی گئی ہے اس کے ناظم نے اعلان کیا ہے کہ انہوں نے پچاس ہزار اسلحہ کے لائسنس کا مطالبہ کیا تھا بیس ہزار لائسنس مل چکے ہیں باقی عنقریب مل جائیں گے اور ان کے تیس ہزار رضا کاروں کو اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ بھی دی جا چکی ہے۔

یقیناً یہ صورت حال ملک کو نئے خطرناک بحران کے دھانے پر لا کھڑا کرے گی۔

اب جبکہ چھ سال کے طویل عرصہ کے بعد سیاسی سماجی اور معاشی میدان میں اسلام کا نفاذ سوائے چند نئی سزاؤں اور ٹیکسوں کے کہیں نظر نہیں آتا اور مہنگائی رشوت' سمگلنگ' چوری' ڈاکہ زنی اور افراتفری ساری سماج کو جکڑے ہوئے ہے بڑے سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور درمیانہ طبقہ کے سامنے نئے سیاسی ڈھانچہ کا شوشا چھوڑ دیا گیا ہے اور اسلام کے نام پر ایک نئی پارٹی بنانے کے متعلق بھی صلاح مشورے ہو رہے ہیں موقعہ پرست اور ضمیر فروش اور ملک اور عوام دشمن عناصر ایڑیاں اچک اچک کر اس ہڈی کو پکڑنے کی کوشش میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں اس نئے سیاسی ڈھانچہ کے شوشا بھی کا نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے موجودہ حکمرانوں کو مسند اقتدار پر کس طرح قائم رکھا جائے انتخابات کا کوئی بھی فارمولا خواہ وہ لوکل کونسلروں کے ذریعے بالواسطہ انتخابات کا ہو یا رجسرڈ پارٹیوں اور سیکریٹڈ شدہ امیدواروں کے ذریعے اس کا مرکزی مقصد ایک ہی ہو گا کہ موجودہ حکومت کودوام کیسے بخشا جائے۔

پاکستان کے سیاسی اور معاشی حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ پاکستان کی یک جہتی کو قائم رکھنے کے لئے مارشل لا حکومت فوج کے اقتدار کو ضروری سمجھتی ہے۔ ایک طرف تو حکمران طبقہ کو خطرہ ہے کہ اگر ان کی حکومت بدل گئی تو ان کا حشر بہت برا بھی ہو سکتا ہے اس لئے جب تک وہ ایسے حالات کو روک سکتے ہیں روکنے کی کوشش کریں گے دوسرے وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ چھ سالہ مارشل لا کے دور کے بعد اگر ۱۹۷۳ء کے آئین کو بحال کر دیا گیا اور عوام کو آزادیاں دے دی گئیں تو مختلف قومیتوں میں حق خودارادیت کی تحریک زور پکڑ جائے گی چنانچہ وہ مارشل لا کی طاقت کے ذریعے ہی اس جن کو بوتل میں بند رکھنے کی

پالیسی پر گامزن ہیں لیکن یہ پالیسی ایسی نشوونما پانے والی تحریکوں کو اور بھی تندو تیز اور طوفانی بنانے کا موجب بنے گی اور بن رہی ہے۔ اگر یہی حالات جاری رہے تو ایک وقت ایسا آ جائے گا جب کوئی بھی قابل قبول حل باقی نہ رہے گا۔

پاکستان کی معیشت نے پچھلے ۳۲ سال میں جن خطوط پر نشوونما پائی ہے انہوں نے جمہوریت کے قیام کے لئے کوئی بنیادیں مہیا نہی کیں۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے قیام کے لئے پاکستانی سرمایہ دار طبقہ کی آزادانہ نشوونما ضروری تھی جو سامراج اور فیوڈل ازم کے خاتمے کے لئے جدوجہد کر کے برسر اقتدار آتا اس جدوجہد کے دوران یقیناً جمہوری اداروں کے خدوخال ابھرتے لیکن ایسا نہیں ہوا دراصل ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان آزاد ہوا تو ایک طرف نہایت ہی پس ماندہ جاگیرداری اور قبائلی سماج تھی اور دوسری طرف نہایت ہی منظم مضبوط اورجدید فوج اور نوکر شاہی تھی سرمایہ دار طبقہ نہایت ہی نحیف اور کمزور تھا اس نے اپنی نشوونما کے لئے سامراج اور فیوڈل ازم کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرنے کی بجائے سامراجی امداد کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور گماشتہ سرمایہ داری کی نشوونما پر لگ گیا جس کا کردار عوام دشمن تھا چنانچہ اس کا مفاد سامراجی اثرات اورجاگیرداری نظام کو جدوجہد کے ذریعے ختم کرنے میں نہ تھا بلکہ سامراجی قرضوں کے ذریعے جاگیرداری نظام کے پہلو بہ پہلو گماشتہ سرمایہ داری کی نشوونما تھا اور زرعی نظام میں بھی ملکیت کے میدان میں بنیادی تبدیلیوں کی بجائے سرمای دارانہ مشینی کاشت کو رائج کرنا تھا تاکہ زرعی معیشت بھی سامراجی منڈی سے منسلک ہو جائے اور گماشتہ سرمایہ داروں کو اس میں سے حصہ ملتا رہے جیسا کہ ٹریکٹر اور ٹرک اور دوسری مشینری درآمد کرنے والے سرمایہ حاصل کر رہے ہیں ایسا نظام عوام کو ان کے سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم کر کے ہی قائم ہو سکتا تھا ان کے حقوق کے علمبردار بن کر نہیں بلکہ انہیں ذبح کر کے۔

اس نظریئے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ پرانی طرز کی جمہوریت کے قائم کرنے کے لئے بنیادیں نہ ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو جمہوریت کے لئے جدوجہد کے کیا معنی؟ یہ تو محض ہوا میں تلوار چلانے کے مترادف ہے یا پانی بلونے کے مترادف جس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا لیکن اس بات کا ادراک یا علم عوام کو نہیں ہے بلکہ پیٹی بورژوا عناصر اور اکثر دانشوروں کو بھی نہ ہے اس لئے ان کی جمہوریت کی خواہش جو سرمایہ دارانہ ترقی نے انہیں دی ہے اس کی تکمیل کے لئے وہ جدوجہد کرتے ہیں لیکن درحقیقت ان کی جدوجہد

www.bhutto.org

کے نتیجے میں ایک نئی طرز کی جمہوریت کے وجود میں آنے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں بشرطیکہ محنت کشوں کی مضبوط اور منظم اور زیرک نگاہ پارٹی وجود میں آجائے اور وہ تحریک کی نظریاتی اور عملی رہنمائی میں کردار ادا کر سکے دوسرے عوام اس تحریک کے دوران ہی اپنے تجربے سے نئی جمہوریت یا عوامی جمہوریت کی سیاست سیکھیں گے اور جاگیردار سرمایہ دار رہنماؤں کے دل و دماغ پر چھا جانے والے خالی خولی نعروں کے دام کے چنگل سے نکلنے کی راہ پر گامزن ہوں گے تجربہ کی بھٹی سے نکل کر ہی وہ عوامی جمہوریت کے نظریے کو اپنائیں گے۔ اپنی صفوں میں سے نئی لیڈر شپ پیدا کریں گے۔ نئی جمہوریت کی سیاست سامراج کا مکمل خاتمہ جاگیرداری نظام کی بیخ کنی اور گماشتہ سرمایہ داری کا قلع قمع ہو گا۔ کاشت کاروں کو ملکیت کا حق دیا جائے گا اور چھوٹی صنعتیں قائم کرنے کے لئے نجی شعبے کی بھرپور امداد ہو گی درسگاہوں کو رجعت پسند نظریات سے پاک کرنا اور سائنسی تعلیم کو عام کرنا ہو گا عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینا ہو گا اور اس تعمیر ترقی میں محنت کشوں کی رہنمائی قائم کرنا ہو گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام کے ساتھ انقلابیوں کا گہرا رابطہ ہو اور وہ ان کی پسماندہ جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں اور جدوجہد کے دوران ان کے خیالات کو نئی جلا دیں اور قومی جمہوریت کی تکمیل کرتے ہوئے سماج کو عوامی جمہوریت سے ہمکنار کریں۔

مارشل لا کی طوالت کی وجہ سے مختلف قومیتوں میں اپنی آزادی کی جدوجہد نشوونما پا رہی ہے اگر اسے پاکستان بھر کے عوام کی جمہوریت کے لئے جدوجہد کے ساتھ مربوط نہ کیا جا سکے تو قومی خلفشار کے لئے راستہ کھل جائے گا جسے بند کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گا۔

جولائی ۱۹۸۳ء

تحریک بحالی جمہوریت نے مارشل لا کے نفاذ کے خلاف ۵ جولائی ۱۹۸۳ء کو پہلی بار ملک بھر میں یوم سیاہ منایا یوم سیاہ کو فیل کرنے کے لئے حکومت نے سڑکوں اور شاہراہوں اور سیاسی کارکنوں کے گھروں پر پولیس کے پہرے لگائے جنہوں نے موٹر سائیکلوں' رکشاؤں' کاروں اور گھروں پر سے جھنڈے اتارے۔ امریکہ کے یوم آزادی کے دن یعنی ۴ جولائی کو پاکستان بھر میں سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کرکے نظربند کر دیا گیا اور بے شمار کارکنون کے

ورانٹ گرفتاری جاری کئے گئے بلوچستان میں یوم سیاہ کے موقع پر کالے جھنڈے لہرانے والوں کے خلاف مارشل لا کے تحت کارروائی کرنے کی دھمکی دی گئی اور اس روز ملک بھر میں افطار پارٹیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

لیکن ان تمام پابندیوں 'گرفتاریوں' نظربندیوں اور روکاوٹوں کے باوجود سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں نے مکانات پر سیاہ جھنڈے لہرائے افطار پارٹیاں کیں اور جلسے منعقد کئے اور گرفتاریاں پیش کیں۔

جماعت اسلامی اور پگاڑا لیگ کے علاوہ تقریباً تمام پارٹیوں نے یوم سیاہ کی حمایت کی۔

محمد ضیاء الحق چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کو نیا سیاسی ڈھانچہ یعنی ۱۹۷۳ء کے آئین کی بجائے اپنی مرضی اور مفاد کے مطابق نئے آئین کا اعلان کرے گا اسی روز تحریک بحالی جمہوریت نے مارشل لا کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر رکھا ہے۔

محمد ضیاء الحق نے اس مجوزہ تحریک کو ناکام بنانے کے لئے دو تیر تراشے ہوئے تھے جس میں سے ایک بلدیاتی انتخابات کرانے کا اعلان تھا۔ یہ تیر چھوڑا جا چکا ہے۔ اس کے مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء میں عام انتخابات ہوں گے تاکہ عوام اور سیاسی کارکن اگست میں ہی ان انتخابات میں مصروف ہو جائیں اور ان کی توجہ تحریک پر مرکوز نہ ہو سکے یہ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا ہے حکومت نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ کوئی شخص جس کی وابستگی کسی سیاسی جماعت سے ہو گی انتخابات میں حصہ نہیں لے سکے گا۔ حتیٰ کہ منتخب شدہ ممبروں کی رکنیت بھی ختم کر دی جائے گی۔

دوسرا وہ اگست میں ترکش سے نکالیں گے جس کے مطابق وہ محنت کشوں کی تنخواہوں میں پہلی جولائی ۱۹۸۳ء سے اضافے کا اعلان کریں گے تاکہ محنت کشوں کو تحریک سے دور رکھا جا سکے۔

ایم۔آر۔ڈی کی دو پارٹی —— پیپلز پارٹی اور تحریک استقلال —— نے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا ہے اس اعلان کے نتیجے میں ایک طرف تحریک بحالی جمہوریت میں مزید خلفشار بڑھے گا اور دوسری طرف ۱۴ اگست کی تحریک کو فیل کرنے کے لئے محمد ضیاء الحق کی حکمت عملی کو تقویت ملے گی سیاسی کارکن حیران ہیں کہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے اپنے دور حکومت میں تو بلدیاتی انتخابات کا نام تک نہیں لیا۔ لیکن مارشل لا حکومت کے زیر سایہ بلدیاتی انتخابات میں شمولیت کر کے مارشل لا کی طوالت کا باعث بنیں گے شاید یہ رہنما محمد ضیاء الحق کے نئے سیاسی ڈھانچہ میں فٹ ہونے کے لئے راستہ ہموار

کر رہے ہیں لیکن یہ پالیسی ناکام ہو جائے گی۔

۱۸ جولائی ۱۹۸۳ء کے روز نامہ امن کے مطابق ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل امیر عبد اللہ نیزای نے ایک بیان میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں الشمس اور البدر کے اراکین جنہیں جماعت اسلامی اپنے ہیرو بنا کر پیش کرتی رہی ہے دراصل سرکاری خزانے سے تنخواہ حاصل کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی جماعت مکمل طور پر جنرل یحیی کی حکومت کی ایجنٹ کے طور پر کام کر رہی تھی۔

اسی روز کے روز نامہ امن کے مطابق جمعیتہ علمائے پاکستان کے رہنما شاہ احمد نورانی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ بحالی جمہوریت کے لئے سیاسی جماعتوں کا مشترکہ پلیٹ فارم تشکیل دینے کی کوشش کریں گے۔

انہوں نے مزید کہا کہ جب پاکستان میں سیاسی حکومت برسراقتدار آئے گی ۱۹۷۳ء کے آئین کے آرٹیکل ۶ کو بروئے کار لایا جائے گا انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو مذکورہ آرٹیکل کے تحت غداری کا مرتکب ٹھہرایا جائے گا جو اس وقت مارشل لا حکومت کی حمایت کر رہا ہے یا ۱۹۷۳ء کے آئین کو توڑنے یا اسے منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی کوششوں میں ممد معاون ثابت ہو رہا ہے۔

اجتماعی خودکشی

پاکستان مزدور کسان پارٹی ان مضامین کو ایک پمفلٹ کی شکل میں پیش کر رہی ہے جو سردار شوکت علی جنرل سیکرٹری پاکستان ورکرز پارٹی نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد کے سیاسی، معاشی اور تہذیبی حالات کے جائزہ کے طور پر پاکستان ورکرز پارٹی کے کارکنوں کے لئے لکھے تھے چونکہ اب پاکستان ورکرز پارٹی اور مزدور کسان پارٹی ضم ہو چکی ہیں اور ان کا نام "پاکستان مزدور کسان پارٹی" ہے۔ اس لیے یہ پمفلٹ "پاکستان مزدور کسان پارٹی" کی طرف سے چھاپا جا رہا ہے سردار شوکت علی صاحب اس سے پہلے بھی ملکی اور بین الاقوامی صورت حال پر متعدد کتابچے لکھ چکے ہیں ان کے سائنسی بنیادوں پر کیئے گئے تنقید و تجزیے عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ پر مغز بھی ہوتے ہیں۔ جن کے پڑھنے والے ہمیشہ یہ بات مانتے ہیں کہ شوکت علی صاحب جو نتائج دعواقب اخذ کرتے ہیں وہ بالکل درست ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرتی علم ہمیں نظری اور عملی طور پر بتاتا ہے کہ کسی معاشرے میں پیدا ہونے والا بحران دراصل معاشی بحران کا منطقی نتیجہ ہوتا ہے جو صرف معاشی نظام میں تبدیلیاں لانے سے حل ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ طبقے اور ادارے جن کے مفادات ان تبدیلیوں سے ختم ہوتے ہوں بحرانوں کی اصل وجود کو لوگوں کے سامنے نہیں آنے دیتے۔ اوران پر اخلاقیات کی تباہی اور محنت کش عوام کے خلاف الزامات کے جھوٹے پردے ڈال کر اپنے معاشی نظام کو عوام کے غضب سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دوسری طرف عوامی مفادات کے نمائندہ دانشور اپنی ژرف نگاہی اور سائنسی بصیرت سے ایسے تمام پردوں کو چاک کر دیتے ہیں۔

آج بھی ہمارے ملک کی صورت حال یہی ہے۔ حکمران طبقوں سے معاشی بحران بالکل حل نہیں ہو رہا۔ کیونکہ یہ حل بنیادی تبدیلیوں کا طالب ہے۔ نتیجہ یہ کہ ذرائع پیداوار پر

www.bhutto.org

قابض طبقے لے دے کر ہر بات کی ذمہ داری عوام اور معاشرے پر ڈالتے ہوئے شب و روز اس پراپیگنڈے میں مصروف ہیں کہ "معاشرہ ہی بگڑ چکا ہے"۔ "خوف خدا ہی نہیں رہا"۔ "لوگوں میں ذمے داری کا احساس ہی ختم ہو چکا ہے"۔ اور "مزدور تو کام ہی نہیں کرتے"۔ وغیرہ۔ لیکن جب ان سے کہا جائے کہ جناب معاشرے کو تو آپ کے پسندیدہ معاشی نظام نے ہی اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے' اس میں عوام کا کیا قصور؟ اور اگر آپ واقعی معاشرے کو درست کرنا چاہتے ہیں تو آیئے معاشی نظام کو ہی بدل کر دیکھ لیں۔ اس بات پر ان معاشرتی برائیوں پر "کڑھنے والوں" کا جذبہ حب الوطنی فورا کافور ہو جاتا ہے۔ آج پاکستانی معیشت اور اس کے نتیجے میں ہر معاشرتی ادارہ جس روگ سے دوچار ہے اس کا علاج سامراج کے ساجھے دار نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ فریضہ عوام کے اصل نمائندوں کو ادا کرنا ہے جس کے لئے تمام عوامی قوتوں کا ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ رجعت پسند حلقے عوام دشمن مقاصد کے لئے پھر عوام کو ہی استعمال کریں گے۔ پمفلٹ کا عنوان نوائے وقت کے ایک اداریے سے لیا گیا ہے۔ جو اس نے روز بروز بڑھتی ہوئی معاشی زبوں حالی سے گھبرا کر لکھا تھا۔ نوائے وقت موجودہ نظام' موجودہ حکومت اور حکومت میں شامل پارٹیوں کا سب سے بڑا حمائتی اور علمبردار اخبار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اجتماعی خودکشی کے راستہ پر نہیں چل رہے بلکہ پاکستانی عوام کو نوائے وقت' جماعت اسلامی اور ان کے حواریوں اور ان کے پروردہ جاہل ماہرین اقتصادیات اور سیاست کے کھوکھلے تجربوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ تمام کے تمام ماہرین سامراجی ماتحتی میں' جاگیردارانہ نظام کے پہلو بہ پہلو اسلامی غلاف میں گماشتہ سرمایہ داری کی نشوونما کے علمبردار ہیں۔ وہ اسی سامراج کے ٹکڑوں پر جینا چاہتے ہیں جو خود دیوالیہ ہو رہا ہے۔ وہ اسی جاگیرداری کو قائم رکھنا چاہتے ہیں جس کی طبعی عمر ختم ہو چکی ہے۔ وہ ایسے آتش فشاں کی پرورش کر رہے ہیں جو انہیں بھسم کر دے گا۔ لیکن اس عمل میں پاکستانی عوام کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ حکمران رجعتی طبقے یقیناً اجتماعی خودکشی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان طبقوں کی خودکشی عوام کو نئی زندگی دے گی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے استحصالی قوتوں سے نجات حاصل کر کے آزاد' جمہوری اور خوشحال پاکستان کی تعمیر کریں گے۔

پرویز فرہاد

۱۵ر فروری ۱۹۷۹ء

www.bhutto.org

پاکستان کے مسائل

مارشل لا کی عبوری حکومت کو ریاستی اقتدار سنبھالے ہوئے ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے۔ اس عرصے میں عبوری حکومت نے ملکی اور قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے کئی ایک اہم قدم اٹھائے ہیں اور پاکستانی عوام کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ان کے مسائل حل ہونے ہی والے ہیں اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پاکستان میں پہلی بار صحیح' سچے اور پاکباز رہنماؤں کو موقع ملا ہے اور انہوں نے پہلی بار صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ اس لئے چند ماہ صبر کی ضرورت ہے۔ پرانی غلاظتوں' ناانصافیوں اور کج رویوں کو دور کرنے کے لئے نہایت ہی مثبت اقدامات کیئے جا رہے ہیں۔ پاکستانی سماج میں چھائے ہوئے اندھیروں میں روشنی کی کرن پھوٹ رہی ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ مایوسیوں اور بے بسیوں کے گھپ اندھیروں میں نہ کھوئے رہیں بلکہ طلوع ہوتی ہوئی روشنی کی نئی کرن کو لبیک کہیں اور فرشتہ سیرت نئے حکمران کو تقویت دیں اور ان کے ہاتھ مضبوط کریں۔

حکومت کے تمام ذرائع ابلاغ اور پرانی "اپوزیشن" کے تمام اخبارات شب و روز ایک طرف بھٹو حکومت کی سیاہ کاریوں کو ننگا کرنے اور دوسری طرف طلوع ہوتی ہوئی اس نئی کرن کا مژدہ جاں فزا سنانے میں مصروف ہیں۔ ان بلند بانگ دعوؤں کی حقیقت کیا ہے؟ کیا واقعی پاکستانی عوام کے مسائل کے حل کا صحیح راستہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ کیا واقعی پہلی بار عوام کو صحیح اور سچی رہنمائی نصیب ہو گئی ہے؟ آیئے حقائق کی روشنی میں ان دعووں کو پرکھیں۔

پاکستانی عوام اور سماج

سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب مارشل لا کی عبوری حکومت نے بھٹو کی سول حکومت کا تختہ الٹا۔ پاکستانی عوام کو کون سے مسائل درپیش تھے۔ یہ مسائل تین قسم کے تھے۔

۱۔ اول پاکستانی عوام کو نہایت ہی گھمبیر قسم کے سیاسی مسائل نے گھیرا ہوا تھا۔ ان کے سامنے جمہوریت کے قیام' شہری آزادیوں کی بحالی' ہنگامی حالات کے خاتمے' آزاد منصفانہ اور غیرجانبدارانہ انتخابات کروانے' صوبہ جاتی خودمختاری کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے مسائل تھے۔ آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرنے اور نوکر شاہی کی روز

افزوں طاقت کو توڑنے اور ان کی ناانصافیوں کو ختم کرنے کے مسائل تھے۔

۲۔ غربت، بے روزگاری اور روز بروز بڑھتی ہوئی اشیائے ضرورت کی قیمتوں کے مسائل تھے۔ جو دن دہاڑے عوام کی معیار زندگی پر ڈاکہ ڈال رہے تھے اور انہیں نت نئی محرومیوں سے دوچار کر رہے تھے۔

۳۔ تیسرے پاکستانی ثقافت اور تمدن میں انحطاط اور پستی کے رجحانات تھے۔ جو زندگی کے ہر شعبے کو آہستہ آہستہ اپنے پنجوں میں دبوچ رہے تھے۔ ان رجحانات نے سماج کی پرانی قدروں کو تو ختم کر دیا تھا لیکن نئی قدریں جو نئے سماج کی بنیاد بن سکیں وجود میں نہیں آ رہی تھیں۔ بھائی چارے، شرافت، انسانی ہمدردی، سماجی بہتری کے ارفع جذبات ڈھونڈنے سے بھی نظر نہ آتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ سماج اپنے ہی ملبے کے بوجھ تلے دبنے والا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا۔ بلیک مارکیٹ، سمگلنگ، ملاوٹ، جھوٹ، افترا، دھوکے بازی اور مار دھاڑ کامیاب زندگی کے اہم ستون تھے۔

عبوری حکومت کے دعوے

لیکن ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان میں "عبوری حکومت" کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے صرف ایک مسئلے کے حل کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور اسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے مارشل لا کے نفاذ کو ناگزیز قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ "میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اسلام کے ایک سپاہی کے طور پر کیا۔ پاکستان میں ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ اور ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کروانے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دوں گا۔ اور اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ انتخابات کے طریقہ کار کا جلد اعلان کر دیا جائے گا۔ اور آئندہ تین ماہ میں انتخابات پر ہی توجہ مرکوز کروں گا"۔ اقوام متحدہ میں پاکستانی نمائندے نے نہایت طمطراق کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہر صورت میں انتخابات ہوں گے۔ لیکن اس اعلان کی ابھی سیاہی بھی خشک نہ ہو پائی تھی کہ انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیے گئے۔

پہلے احتساب، پھر انتخاب

۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہونے والے انتخابات کا التواء اس وقت کیا گیا جب تمام

سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے نمائندے نامزد کر چکی تھیں۔ اور انتخابی مہم پورے زور سے جاری تھی۔ پی این اے کے کچھ رہنماؤں نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ایک ملاقات کے بعد یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ انتخابات سے پہلے احتساب ضروری ہے۔ چنانچہ انتخابی مہم کی جگہ احتسابی مہم نے لے لی۔ اور حکومت اور پی این اے کے پروپیگنڈے کے تمام ذرائع اس نئی مہم پر صرف ہونے لگے۔ دلیل یہ دی گئی کہ اگر احتساب نہ کیا گیا تو کرپٹ اور بد دیانت امیدوار پھر کامیاب ہو جائیں گے۔ اسلامی نظام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ آج یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دراصل پی این اے کے رہنماؤں نے یہ نیا پینترا اس وقت بدلا جب انتخابی مہم کے دوران انہیں اپنی شکست صاف نظر آنے لگی۔ پی این اے کے رہنماؤں نے احتساب کا مطالبہ اس حکومت سے کرنا شروع کر دیا جو نہ خود کسی کی نمائندہ تھی نہ ہی کسی ادارہ کے سامنے جواب دہ تھی۔ بلکہ جس نے صرف غیرجانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کروانے کے لئے آئین سے انحراف کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ اور جس کے اس فعل کو سپریم کورٹ نے محض اس لئے جائز قرار دیا تھا کہ آئین سے یہ انحراف عارضی ہے اور اکتوبر ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات منعقد کروائے جائیں گے۔ اس طرح پی این اے کے رہنماؤں نے اس عوام پر بداعتمادی کا اظہار کر دیا۔ جن کی جمہوریت اور نظام مصطفیٰؐ کے نام پر بے مثال قربانیوں کی وجہ سے بھٹو حکومت کو بزور طاقت علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ انتخابات خود ایک بہت بڑا احتسابی عمل ہے۔ چنانچہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات کو ملتوی کرتے وقت یہ اعلان کیا گیا کہ احتساب چند ماہ میں پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اور اس طرح انتخاب کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔ اول تو احتساب کا عمل یک طرفہ تھا اور صرف ایک پارٹی کے ممبروں کے خلاف ہو رہا تھا۔ دوسرے اس پارٹی کے بھی کرپٹ اور بددیانت رہنماؤں کے ایک حصہ کو احتساب کی لپیٹ میں نہ لیا گیا کیونکہ انہوں نے اپنی وفاداریوں کو بدلنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور حکومت کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ اس طرح احتساب کا عمل پہلے دن سے ہی جانبدارانہ اور غیرمنصفانہ نظر آنے لگا۔ جو شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتا چلا گیا۔

احتساب کا ڈھونگ

پہلے فوج اور عدلیہ کے نمائندوں پر مشتمل احتسابی ٹربیونل بنائے گئے اور نہایت ہی چھوٹے چھوٹے مضحکہ خیز الزامات کی فہرستیں تیار کر کے جن سیاسی رہنماؤں کو سیاسی میدان

سے ہٹانا مقصود تھا ان کے خلاف کارروائیاں شروع کر دی گئیں۔ یہ ڈھونگ چیونٹی کی رفتار سے جاری رہا۔ عوام اس احتساب سے قطعاً مرغوب نہ ہوئے۔ کیونکہ احتساب کرنے والی انتظامیہ اپنے نیک اعمال سے ان کا اعتماد حاصل نہ کر سکی۔ اس نام نہاد احتسابی عمل کو نہ تو عوام نے پرجوش طریقے سے خوش آمدید کہا اور نہ ہی اس کی کارروائیوں سے متاثر ہوئے۔

مشیروں اور وزیروں کا تقرر

چنانچہ ان حالات سے پریشان ہو کر عوام کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے مارشل لا کی "عبوری حکومت" نے چند سویلین ماہرین کو اپنا مشیر نامزد کر لیا لیکن عوام بجائے مرغوب ہونے کے اور بھی نکتہ چین ہو گئے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہر قدم غیر جمہوری حکومت کی عمر بڑھانے کیلئے اٹھایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ قومی اتحاد کی مختلف جماعتیں بھی اس بے چینی کی لپیٹ میں آ گئیں۔ اور ان میں سے اکثر انتخابات کی تاریخ مقرر کرنے کے متعلق مطالبہ کرنے لگیں۔ اور تحریک استقلال نے حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے کا اعلان کرتے ہوئے قومی اتحاد سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جمعیت علمائے پاکستان بھی آہستہ آہستہ قومی اتحاد کی گرفت سے نکلنے لگی۔ پاکستانی سماج کی سنگلاخ حقیقتوں کے سامنے سویلین مشینری چند دن بھی نہ چل سکی اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے مسلم لیگ کے پانچ نمائندوں اور کچھ فوجی اور نام نہاد ماہرین اور بائیس خاندانوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کابینہ کا اعلان کر دیا۔ اس کابینہ کے اعلان نے آئین کو ثابت و سالم رکھنے اور آئین سے عارضی انحراف کے دعوے کی قلعی کھول دی اور جس سے قومی اتحاد کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔

نئی کابینہ میں پانچ وزارتیں حاصل کرنے کی پاداش میں مسلم لیگ اپنے حلیفوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ بن گئی۔ اور جمعیت علمائے پاکستان اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے بھی قومی اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ باقی ماندہ ٹوٹے پھوٹے قومی اتحاد کی وہ پارٹیاں جو وزارتی دوڑ میں پیچھے رہ گئی تھیں سر کے بل چل کر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے سامنے دوزانو ہو گئیں۔ اور آخر شاہی دسترخوان سے چند نوالے وزارتوں کی شکل میں ان کی طرف بھی پھینک دیئے گئے۔ جو انہوں نے جمہوریت کی بحالی اور نظام مصطفےٰ کے قیام اور حب الوطنی و فرض شناسی کے نام پر اچک کر دبوچ لیے۔

قومی اتحاد کا کردار

اب حالت یہ ہے قومی اتحاد کے نوستاروں میں سے چار ستارے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

www.bhutto.org

اور باقی پانچ ٹمٹماتے ہوئے سپریم فوجی کونسل سے توانائی حاصل کر کے عوام کے کندھوں پر سوار ہوگئے ہیں۔ قومی اتحاد کے وہ راہنما جو خالص جمہوریت اور نظام مصطفیؐ سے کم کسی سیاسی فارمولے پر رضامند ہونے کو تیار نہ تھے وہ آج نہایت ہی غیرجمہوری اور غیراسلامی حکومت میں نہ صرف شامل ہو گئے ہیں بلکہ اپنے کھوکھلے پن اور موقع پرستی کو چھپانے کے لئے یہ نعرے لگا رہے ہیں کہ انہوں نے جمہوریت اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے اپنے سیاسی زندگی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ وہ رہنما جو اپریل مئی ۱۹۷۷ء میں یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ انتخابات مارچ ۱۹۷۸ء میں کرائے جائیں اور زور دے رہے تھے کہ انتخابات اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ہی ہونے چاہئیں۔ آج یہ فرما رہے ہیں کہ عام انتخابات شاید اکتوبر ۱۹۷۹ء تک کرائے جا سکیں گے۔ وہ رہنما جو اپریل تا مئی ۱۹۷۷ء میں فوری طور پر دفعہ ۱۴۴ اٹھانے اور پریس اینڈ پبلی کیشنز کے آرڈی ننس کو واپس لینے کی رٹ لگا رہے تھے آج حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد سیاسی سرگرمیوں کی آزادی کا مضحکہ خیز اعلان کروا رہے ہیں کہ بند کمروں کے اندر ورکنگ کمیٹیوں وغیرہ کے اجلاس بلائے جا سکتے ہیں وہ رہنما جو ہنگامی حالت کے خاتمے کے لئے آواز بلند کرتے نہ تھکتے تھے۔ آج ملک میں مارشل لا اور فوجی عدالتوں کا سہارا لے رہے ہیں۔

قومی اتحاد کے وہ راہنما جو ۱۹۷۰ء کی قیمتوں کو واپس لانے کے مجنونانہ نعرے لگا رہے تھے آج ۱۹۷۷ء کے مقابلے میں بے انداز بڑھتی ہوئی قیمتوں کے متعلق مہربلب ہیں۔ اس ساری دھوکے بازی اور وعدہ خلافیوں کے باوجود وہ اعلان کر رہے ہیں کہ وہ یہ سب کچھ اسلام نافذ کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

مثبت نتائج کا نعرہ

حقیقت یہ ہے کہ ملک میں روز بروز بڑھتے ہوئے معاشی سیاسی اور سماجی بحران سے عہدہ برآ ہونے کے لئے وہ فوجی حکومت کے آلہ کار اور ڈھال بن گئے ہیں اور انہوں نے عوام دوستی کے نام پر عوام دشمنی کا کردار اختیار کر لیا ہے دراصل وہ اس کردار کے علاوہ کوئی دوسرا کردار اختیار کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ان کے سامنے کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ آج بھی سامراجی ماتحتی میں رہ کر جاگیرداری نظام کے پہلو بہ پہلو ایک طفیلی سرمایہ دارانہ نظام کی نشوونما کو ہی پاکستان کے الجھے ہوئے مسائل کا حل سمجھتے ہیں۔ جو پارٹی یا فرد پاکستانی مسائل کے حل کے لئے یہ راستہ اختیار کرے گا وہ لازماً عوام کو سیاسی

آزادیوں سے محروم کرنے کا مجرم بن جائے گا اور ان کی معاشی لوٹ میں اضافے کا باعث ہو گا۔ اس کا کردار غیر جمہوری اور عوام دشمن ہوتا چلا جائے گا۔ قومی اتحاد کے ان رہنماؤں نے یہ کردار اس لئے بھی اختیار کیا ہے کہ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ فوج کی مدد کے بغیر وہ انتخابات میں کسی صورت میں بھی اکثریت حاصل نہیں کر سکتے اور حکومت میں شامل ہو کر بے پناہ وسائل کا استعمال کر کے اپنے زعم کے مطابق وہ اپنے حق میں مثبت نتائج کے لئے فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے انہوں نے پہلا وار ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کی بنیادوں پر کرنا شروع کر دیا ہے اور جداگانہ انتخابات کا طریقہ رائج کر کے کسی چور دروازے سے آئین میں غیر جمہوری طریقے سے ترمیم کر دیا ہے۔ وہ یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اس طرح وہ آئین کو اسلامی بنانا چاہتے ہیں اور ریڈیو ٹیلی ویژن کو بھی اس کام کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ قدم صرف اس لئے اٹھا رہے ہیں کہ انہیں اقلیتوں خصوصاً عیسائی اقلیت کے ووٹ کسی صورت میں ملنے کی امید نہیں ہے۔ یہ قدم اٹھا کر وہ نہ صرف آئین کی بیخ کنی میں مصروف ہیں بلکہ وہ قائد اعظم کے اس عظیم اعلان کی بھی نفی کر رہے ہیں جو انہوں نے ۱۹۴۷ء میں آئین ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں کیا تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان میں موجودہ مختلف مذاہب سب سیاسی طور پر ایک ہو جائیں گے۔

گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے اسلامی جماعت اور مسلم لیگ کے یہ رہنما ابھی اپنی ان عظیم قربانیوں کا راگ ہی الاپ رہے تھے جو انہوں نے چور دروازے سے داخل ہو کر حکومت کی گدیوں پر متمکن ہونے کے لئے کی تھیں کہ آسمان سیاست پر سے ایک اور بجلی گری۔ بالغ رائے دہی کی بنیادوں پر منتخب ہونے والی اسمبلی کے پہلے صدر چوہدری فضل الٰہی نے صدارت سے اپنا استعفےٰ دے دیا۔ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے استعفیٰ کی وجہ بیماری بتائی۔ لیکن فضل الٰہی نے اس کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے استعفیٰ اصولوں کی خاطر دیا ہے چنانچہ انہوں نے استعفیٰ کا جو خط لکھا اس میں تحریر کیا:۔

"...... کہ موجودہ سیاسی صورت حال یہ ہے کہ نئی کابینہ نے حکومت کو چلانے کے لئے تمام تر ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں ان کے اعلانات کے مطابق وہ انتظامیہ اور معاشی ڈھانچے میں دور رس تبدیلیاں کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جداگانہ طریق انتخاب کی بنیاد پر ووٹروں کی نئی فہرستیں اور نئی حلقہ بندیوں کے مطابق انتخابات کروانا چاہتے ہیں"

"میرے خیال میں ایسے اقدامات نہ صرف موجودہ قوانین میں دور اس تبدیلیوں کے حامل ہوں گے۔ بلکہ لازماً بالواسطہ یا بلا واسطہ آئین میں تبدیلیوں پر منتج ہوں گے یہ ریاستی نظریہ ضرورت کے زمرے میں نہیں آ سکتا۔

"میں اس امید میں آپ کے مشورہ کے مطابق فرائض ادا کرتا رہا کہ آئین کے تحت سپریم کورٹ کے ۱۹۷۷ء کی درخواست نمبر۱ پر فیصلہ کے مطابق انتخابات جلد از جلد ہو جائیں گے"......

"اب جبکہ جلد انتخابات کی کوئی امید نہیں رہی ہے اور موجودہ قوانین میں ترمیم لازماً نظریہ ضرورت کی حدود سے تجاوز کر جائیں گے میرے صدارت کے عہدے پر فائز رہنے سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلے گا"

چند روز بعد صدر فضل الہیٰ نے یہ کہا کہ یہ درست ہے کہ آئین کے مطابق وہ اس عہدہ پر اس وقت تک متمکن رہ سکتے ہیں جب تک نیا منتخب شدہ صدر ان کی جگہ نہ لے لے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قیامت تک بھی انتخابات نہ ہوں گے تو میں اس عہدہ پر براجمان رہوں۔"

چنانچہ صدر کے اس معنی خیز استعفیٰ کے بعد سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جنہوں نے نظریہ ضرورت کے تحت اس یقین دہانی پر کہ جلد از جلد انتخابات منعقد کرائے جائیں گے۔ سابقہ حکومت کی معطلی کو عارضی آئینی انحراف قرار دیا تھا' چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کو پاکستان کے صدر کا بھی حلف دے دیا۔ اس طرح جنرل ضیاء الحق بیک وقت تین عہدوں پر متمکن ہو گئے اور آئین کے تسلسل کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی ستم ظریفی یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کی قسم کھانے والے ٹوٹے پھوٹے قومی اتحاد کے رہنماؤں نے نہ صرف اس اقدام پر چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کو مبارکباد پیش کی بلکہ سیاسی میدان میں داخل ہونے اور اپنی پارٹیوں میں شامل کرنے کے لئے بھی پیشکش کی۔اس نئی تبدیلی نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ انتخابات جمہوریت کی بحالی اور شہری آزادیاں قصہ پارینہ بن کے رہ جائیں گے اور اگر کبھی حزب اختلاف کو ختم کرنے کے بعد انتخابات کروائے بھی گئے تو وہ کچھ بھی ہوں آزادانہ' منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نہیں ہوں گے۔ ارباب اقتدار اور ان کے کاسہ لیس ۱۹۷۱ء کی طرح ان اقدامات کو پاکستان کے سیاسی استحکام اور آزادی اور سالمیت کی علامت بنا کو پیش ر رہے ہیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آخری زینہ قرار دے رہے ہیں۔ شاید اسی

www.bhutto.org

لئے نظر بندی کے قانون میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے اور اب کسی شخص کو بھی بلا مقدمہ چلائے ایک سال کی بجائے دو سال تک نظر بند کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان کی سالمیت آزادی اور قومی مسائل

قومی اتحاد کے چند رہنماؤں نے مرکز میں فوجی حکومت میں شمولیت کر کے نہ صرف اپنی سیاسی زندگی کو بلکہ پاکستان کی سالمیت اور آزادی کو بھی داؤ لگا دیا ہے۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے عارضی آئینی انحراف کو طول دیا جائے گا۔ چھوٹے صوبوں کے عوام میں احساس محرومی اس قدر بڑھے گا اور آئین میں دی گئی صوبہ جاتی خود مختاری کو جس قدر پس پشت ڈالا جائے گا چھوٹے صوبوں کی عوام میں مرکز کے خلاف اسی قدر شدید ردعمل ہو گا اور یہ ردعمل آہستہ آہستہ گہرا اور ہمہ گیر ہوتا جائے گا کہ پھر اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ مارشل لا کی نئی کابینہ میں شمولیت کر کے قومی اتحاد کے رہنماؤں نے شعوری طور پر غیر جمہوری فوجی حکومت کو مضبوط اور اس کی مدت کو طویل کرنے کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ یہ قدم یقیناً ملک و قوم کے بہترین مفاد کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کو پھر سے دہرایا جا رہا ہے۔ وہی فوجی حکومت وہی مشیر ہیں اور وہی پارٹیاں ہیں جو یحیٰی خاں کے کندھوں پر سوار ہو کر اسلام نافذ کرنے دعوے کر رہی تھیں اور ملک کی سالمیت کو بچانے کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھیں۔ لیکن ان خود غرض کوتاہ اندیشوں اور گھٹی ہوئی سوچ کے رہنماؤں نے ۱۹۷۱ء سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

اب دبے لفظوں میں کہا جا رہا ہے کہ این ڈی پی نے فوجی حکومت میں شمولیت نہ کر کے اور قومی اتحاد سے علیحدہ ہو کر احسان فراموشی کی ہے۔ بلوچستان اور سرحد کے رہنماؤں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ موجودہ حکومت نے انہیں رہا کر کے ان پر احسان عظیم فرمایا ہے اس لئے انہیں اپنے جمہوری حقوق کو خیر باد کہہ کر چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کی ہر آواز پر لبیک کہنا چاہئے۔

یہی بات بھٹو صاحب بھی کہتے تھے انہوں نے نیپ سے یحیٰی خاں کی لگائی گئی پابندی اٹھائی تھی اور پشتون بلوچ رہنماؤں کی مدد سے ۱۹۷۳ء کا آئین متفقہ طور پر پاس کیا تھا اور صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نہ صرف نیپ اور جمعیت علمائے اسلام کی حکومتیں بنانے کی اجازت دی تھی۔ بلکہ ان صوبوں میں گورنر بھی نیپ کے ہی نامزد کردہ مقرر کئے تھے۔ لیکن بعد میں ان رہنماؤں کو احسان فراموش کہا گیا اور سپریم کورٹ نے انہیں غدار قرار

www.bhutto.org

دے دیا۔ نیپ پر پھر سے پابندی لگا دی گئی۔ ان کے رہنماؤں پر مقدمہ بنا دیا گیا۔

موجودہ فوجی حکومت نے بھٹو کے خلاف اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے ان رہنماؤں کے خلاف مقدمہ واپس لے لیا۔ حیدر آباد ٹربیونل توڑ دیا گیا اورانہیں بجا طور پر محب وطن قرار دے دیا اور غیر جمہوری عمل میں فوجی نمائندوں کے بشانہ بشانہ کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ان سے تعاون کے لئے کہا جانے لگا۔ لیکن ان رہنماؤں نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا کیونکہ صوبہ جاتی خودمختاری کے فقدان پر وہ مہر ثبت نہیں کر سکتے تھے۔

ملکی سالمیت اور رجعت پسند طبقوں کا کردار

چنانچہ عارضی آئینی انحراف کو مستقل کرنے والی طاقتوں (فوجی کونسل اور قومی صوبہ جاتی اتحاد کے چند رہنما) کو صوبہ جاتی خودمختاری کا مسئلہ درپیش ہے۔ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے ولی خان اور مینگل وغیرہ سے اس مسئلے کے حل کے لئے گفت و شنید کی ہے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ موجودہ سیاسی اور انتظامی چوکھٹے کے اندر حل نہیں ہو سکے گا اور جلد یا بدیر پھر وہی محاذ آرائی شروع ہو جائے گی۔ دراصل یہ محاذ آرائی دبے دبے طریقے سے پہلے ہی شروع ہو چکی ہے اور اس محاذ آرائی کا سرغنہ وہی نوائے وقت ہے جس نے پچھلے تیس سال میں جمہوریت کا علم دکھاوے کے طور پر بلند کر رکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس نے ہمیشہ جاگیرداروں سرمایہ داروں کی امریکی سامراج کی مدد سے آمریت کے قیام میں مدد دی ہے۔ آج پھر اس نے کارٹونوں اور مضامین کے ذریعے چھوٹے صوبوں کے عوام کے خلاف نفرت کا زہر پھیلانا شروع کر دیا ہے اور سرڈسلہری جو ہر حکومت میں کرائے کے سیاسی تبصرہ نگار رہے ہیں۔ اس نیک کام میں اس کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ اکبر بگٹی اور غوث بخش بزنجو نے صوبائی خودمختاری کے مسئلے کو جس طرح پیش کیا ہے اسے سمجھنے کی بجائے اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی ہے اور اس بات پر زور دینا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔

۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو اسکردو کے دورے کے دوران صدر مملکت ضیاء الحق نے بھی زور دار الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ "پاکستان صرف ایک قوم کا ملک ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں" ۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا ہے جس وقت جداگانہ طریق انتخاب کو

www.bhutto.org

آخری شکل دے دی گئی ہے اور مذہبی اقلیتوں کو اس قوم سے علیحدہ کر کے دوسرے درجے کے شہری قرار دیا گیا ہے۔ یہ اعلان کرتے وقت پاکستان کی تاریخ اور موجودہ معروضی حالات کو مدنظر ہی نہیں رکھا گیا۔ جس ارفع مقاصد کے لئے یہ اعلان کیا گیا ہے یہ یقیناً اس کی نفی کرے گا تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انگریز کی آمد سے پہلے موجودہ پاکستان تین ریاستوں میں تقسیم تھا۔ سندھ میں تالپوروں کی حکومت تھی اور بلوچستان میں نواب آف قلات کی اور پنجاب اور سرحد میں سکھوں کا طوطی بول رہا تھا۔ انگریز کے سامراجی مقاصد سے اگر کوئی مثبت نتیجہ نکلا تو وہ اس علاقے کا اتحاد ہے۔ جس کے فاصلوں کو جدید مواصلات کے نظام اور تجارت نے کم دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اس علاقے میں بسنے والے لوگ جو مختلف زبانیں بولتے تھے اور مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کے امین تھے۔ ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ اگر پاکستان کے حکمران ترقی کے لئے سرمایہ داری کا راستہ اختیار نہ کرتے اور پچھلے اکتیس برس میں پسماندہ علاقوں کی طرف بھی توجہ دیتے اور پسماندہ قومیتوں کے حقوق کو سلب کرنے کی بجائے انہیں ترقی میں برابر کا حصہ دار بناتے اور دھونس اور دھاندلی سے کام نہ لیتے تو یقیناً پاکستانی عوام یک جان ہوجاتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ محض اسلام کا نام لے کر زبردستی اتحاد کو ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی رہی۔

۱۹۷۱ء سے پہلے بھی یہی کہا جاتا تھا اور اسی غلط مفروضے کو ثابت کرتے کرتے بنگالی مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور ایسی قومی تحریک کو جنم دیا گیا جس میں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے لے کر چپڑاسی تک شامل ہو گئے اور مشرقی پاکستان کی فوجوں سے نبرد آزما ہو گئے۔ پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا اور جس فوج کے کس بل پر یہ سب کچھ کیا گیا تھا وہ مقید ہو گئی اور پاکستان کا قومی وقار خاک میں مل گیا۔

بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا بنگالی مسلمان آج بھی پاکستانی قوم کا حصہ ہیں۔ ہر شخص اس سوال کا جواب نفی میں دے گا اگر مذہب کی بنیاد پر ہی ایک قوم کی تشکیل ہوتی ہے۔ تو پھر دنیا بھر کے مسلمان ایک قوم ہیں اور ایک قوم ہوتے ہوئے مختلف ریاستوں میں تقسیم ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی بجائے غداری کے لیبل چسپاں کر دیئے جاتے ہیں اور مسئلے کو حل کرنے کی بجائے مزید الجھا دیا جاتا ہے۔

بلوچستان کا مسئلہ پاکستانی سیاست کا نہایت ہی گھمبیر مسئلہ ہے اور پچھلے اکتیس سال سے اس کا کوئی حل نہیں ڈھونڈا جا سکا۔ اب اس مسئلہ کو مزید الجھانے کی کوشش کی جا رہی

ہے۔ ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو امروز میں چھپنے والے نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی کے دس رہنماؤں کے بیان کے مطابق نوکر شاہی نے اپنی ایجنسیوں کے ذریعے میر غوث بخش بزنجو عطا اللہ مینگل اور خیر بخش مری کو قتل کرانے کی سازش کی ہے تاکہ جمہوریت اور سیاسی اختلاف کی موثر آوازیں خاموش کر دی جائیں۔ وفاق کے زیر اہتمام سیاسی ایجنسیاں متعصب افسروں کے مشورے پر کوشش کر رہی ہیں کہ بلوچ رہنماؤں کو بلوچستان میں معمولی اور چھوٹے جھگڑوں میں الجھایا جائے اور یوں انہیں قتل کر دیا جائے اگر اس بیان میں رتی بھر بھی صداقت ہے تو یہ نہایت ہی تشویشناک اور تکلیف دہ صورت حال ہے اور اگر یہ محض واہمہ ہے تو پھر بھی یہ صوبائی مسائل کی شدت اور گہرائی کی نشاندہی کرتا ہے۔ بلوچستان کے مسئلے کو ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے باقی ماندہ سارے پاکستان کے برابر ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے لاہور سے بھی چھوٹا ہے اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے سوئی گیس بلوچستان سے نکلتی ہے لیکن باقی ماندہ پاکستان میں استعمال ہوتی ہے کوئلہ بلوچستان سے نکلتا ہے لیکن استعمال دوسرے صوبوں میں ہوتا ہے اس کے علاوہ بے شمار معدنیات موجود ہیں جنہیں تا حال حکمران اپنی نا اہلیوں کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بلوچی عوام نہایت ہی پسماندہ ہیں اور مفلسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بلوچی عوام کو ترقی کی نعمتوں سے محروم رکھا گیا ہے۔ ان محرومیوں سے پیدا ہونے والے جذبات کو محض اسلامی بھائی چارے کے نعرے بلند کر کے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ آج ملکی اور بین الاقوامی لحاظ سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ اگر ملک کے اندر اسلامی نظام یا کسی اور نعرے کے نام پر غیر جمہوری حکومت کو طوالت دینے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج خوش آئند نہیں ہوں گے بلکہ پاکستان کی آزادی اور سالمیت کو خطرے میں ڈال دیا جائے گا اور اس صورت حال کی تمام تر ذمہ داری ان گھٹے ہوئے کوتاہ نظر ذہنوں کی ہو گی جو غیر جمہوری حکومت کو جمہوری اور اسلامی بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

اس وقت سندھ میں بھی صوبائی مسئلہ نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے سندھ میں پرانے سندھیوں کے علاوہ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے نئے سندھی بھی بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ پچھلے اکتیس برس میں صوبہ سندھ میں جس طرح ترقی ہوئی ہے اس نے بھی حالات کو تشویشناک صورت دے دی ہے ایک طرف کراچی ہے جس

www.bhutto.org

میں پاکستان کی ۷۵ فیصد دولت مرکوز ہے لیکن اس شہر میں غیر سندھیوں کی آبادی بہت بڑی اکثریت میں ہے۔ اندرون سندھ بھی غیر سندھی لوگ مختلف بیراجوں میں آباد ہیں جیسے جیسے نیا درمیانہ طبقہ سندھ میں پیدا ہو رہا ہے احساس محرومیت بڑھتا جا رہا ہے اور باہمی نفرت کے لئے فضا سازگار بن رہی ہے۔ بھٹو کی گرفتاری اور پنجاب میں اس پر مقدمہ چلانے سے حالات اور بھی خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔ پنجاب میں بھٹو کی رہائی کے لئے جس طرح نوجوان قید اور کوڑوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور خود سوزی سے عظیم قربانی دے رہے ہیں۔ سندھی عوام کے ساتھ یک جہتی کی راہیں کھول رہے ہیں۔ لیکن اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو حالات قابو سے باہر ہو سکتے ہیں اور ملکی آزادی اور سالمیت کو خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔

پاکستان اندرونی طور پر جمہوریت کی بحالی اور صوبائی خودمختاری کے پیچیدہ مسائل سے دو چار رہا ہے اور بیرونی طور پر اسے امریکی سامراج کی بالادستی کا سامنا ہے دراصل موجودہ بحران نے جو تشویشناک صورت اختیار کی ہے اس میں امریکہ کا خفیہ ہاتھ بھی کار فرما رہا ہے۔ امریکی سامراج کسی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہ تھا کہ پاکستان نیوکلیر ٹیکنالوجی حاصل کرے اور عرب ممالک کے بل بوتے پر نیوکلیر ہتھیار تیار کرے اور مشرق وسطی کے ممالک کو اسرائیلی بالا دستی کو چیلنج کرنے کے قابل بنائے اور تیل کی سامراجی اجارہ داری کو توڑنے کے لئے راہ ہموار کرے چنانچہ جونہی فرانس کے ساتھ پاکستان کاری پراسینگ پلانٹ کے متعلق معاہدہ منظر عام پر آیا امریکی سامرج نے پاکستان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور امداد بند کر کے اپنی بات منوانے کے لئے مجبور کرنے لگا۔ بھٹو حکومت نے اس بات کی مدافعت کی تو اس کی ٹانگ کھینچ دی۔ اب فرانس اپنے معاہدے سے اعلانیہ منحرف ہو چکا ہے اور پاکستان کے فوجی حکمران محض عوام میں بھرم قائم رکھنے کے لئے مختلف تاویلیں کئے جا رہے ہیں۔ دوسرے امریکی سامراج چاہتا ہے کہ پاکستان ہندوستانی ریاست کا طفیلی بن کر رہے اور اپنی اس پوزیشن پر قائم رہے۔

امریکی سامراج کی اس مداخلت بے جا اور بالا دستی کے خلاف پاکستانی عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ لیکن پاکستان کے موجودہ حکمران ملک کی عزت و وقار کو قائم رکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر پائے۔ بلکہ امریکی امداد کے از سر نو جاری ہونے کے منتظر ہیں وہ ان دنوں سنٹو کی فوجی مشقوں میں باقاعدہ شریک ہو رہے ہیں۔

انہوں نے پہلی بار غیروابستہ ممالک کی بلغراد میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے مبصر بھیجے ہیں اور ان کی عرضی کی سب سے بڑی حمایت ہندوستان نے کی تھی۔

www.bhutto.org

اس اقدام سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ موجودہ حکومت امریکی سامراج کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے اور غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس میں بطور مبصر شرکت کر کے اس نے بہت بڑا انقلابی قدم اٹھایا ہے اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ غیر وابستہ ممالک کی تنظیم بھی دراصل دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کچھ غیر وابستہ ممالک نے یہ پالیسی اختیار کی ہوئی ہے۔ کہ وہ پس ماندہ ممالک میں سامراج کی مداخلت کی مخالفت نہ کریں اور آزادی اور خودمختاری کے لئے جدوجہد کرنے والے عوام کی امداد نہ کریں۔ جبکہ دوسرے ممالک سامراج کی مداخلت کے خلاف جدوجہد کرنے والے عوام کی کھلی طور پر مدد کرنے کی راہ پر گامزن ہیں اور ان کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی امداد مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ غیر وابستہ ممالک کی کانفرنس میں پاکستان کی پہلی بار شمولیت دراصل اس پالیسی کو تقویت دینے کے لئے تھی جس کے تحت آزادی کی ترقی پسند تحریکوں کی کھل کر حمایت کی مخالفت کرنا مقصود تھا۔

موجودہ حکمران عوام میں اپنی ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے ری پراسیسنگ پلانٹ کے حصول کے متعلق تو نعرہ زن ہیں لیکن انہوں نے امریکی سامراج کی اس بھونڈی اور تحکمانہ مداخلت کے خلاف ایک بار بھی بھرپور آواز بلند نہیں کی اور نہ ہی اس سلسلہ میں عوام کو اعتماد میں لیا ہے۔

دراصل امریکی سامراج کی ۲۵ سالہ رفاقت اور امداد نے پاکستانی معیشت سیاست اور ثقافت کو اس قدر طفیلی اور پسماندہ بنا دیا ہے کہ جاگیردار اور گماشتہ سرمایہ دار طبقے امریکی سامراج کے قرضوں اور امداد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے امریکی سامراج نے اپنی چکاچوند ترقی کے کرشمے دکھا کر اور گلی سڑی سرمایہ داری تہذیب کی عیاشی کی کمندیں ڈال کر پاکستانی افسر شاہی کو اپنی تہذیب اور تمدن کا غلام بنا لیا ہے اور وہ شب و روز پاکستان کی ترقی کے ہر شعبہ میں اس غلامی کی چھاپ کو اجاگر کرنے میں مصروف ہیں موجودہ حکومت اسلامی قوانین کے نفاذ کے نعروں کے باوجود امریکی سامراج کے چنگل سے نکلنے کی جسارت نہیں کر سکتی۔ پچھلے سوا سال میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان حکمرانوں کے نزدیک اپنی بقاء کے لئے ہر شعبے میں امریکی سامراج کی غلامی ضروری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک پاکستان اس پالیسی پر کاربند رہے گا وہ کسی شعبے میں بھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو پائے گا وہ اناج کا ہمیشہ محتاج رہے گا۔ وہ وسیع پیمانے پر بنیادی صنعتیں قائم نہیں کر سکے گا اور پاکستانی عوام کو مفلسی اور پسماندگی سے نجات نہیں دلا سکے گا بلکہ اس کی ترقی پسماندگی کی ترقی ہو گی۔

www.bhutto.org

انقلاب افغانستان اور پاکستان

موجودہ حکومت کے دور میں پاکستان کی شمال مغربی سرحد پر ایک زبردست انقلابی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ افغانستان میں عوامی جمہوری انقلاب نے اس تمام علاقے میں پرانی بساط سیاست کو درہم برہم کر دیا ہے۔ اس تبدیلی سے امریکی سامراج اور مشرق وسطیٰ میں اس کے حواریوں کے پاؤں تلے زمین نکل گئی ہے۔ افغانستان جیسے پسماندہ ملک مین عوامی جمہوری انقلاب کابرپا ہوجانا بذات خود ایک اہم اور منفرد واقعہ ہے اور سرمایہ داری کے انحطاط کے اس دور میں اس واقعہ نے انقلاب کی کئی راہیں کھول دی ہیں۔ افغانستان میں انقلاب کے بعد پاکستانی حکومت زبردست تذبذب کا شکار رہی اور فوری طور پر اسے تسلیم کرنے کے متعلق خاموشی اختیار کر لی۔ سوویت یونین نے انقلابی حکومت کو فوراً تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی حکومت نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصراللہ خاں نے چیف آف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر سے ملاقات کے بعد افغانستان کی نئی انقلابی حکومت کے خلاف بیان داغ دیئے۔ آج یہ سب رجعت پسند طاقتیں یکجا ہیں اور خفیہ اور ظاہری طور پر انقلاب افغانستان کی کسی نہ کسی صورت میں مخالفت کر رہی ہیں۔ بعض رجعت پسند اخبارات اور پارٹیاں تو برملا کہہ رہی ہیں کہ نئی حکومت چھ ماہ سے زائد عرصہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

وہ انقلاب کے دوران مرنے والوں کے متعلق متواتر مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور پشاور سے من گھڑت خبریں نشر کر رہے ہیں کہ افغانستان میں مذہب کو ختم کیا جا رہا ہے۔ مسجدیں بند کی جا رہی ہیں اور سارے ملک کا انتظام روسیوں نے سنبھال رکھا ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان رجعت پسندوں نے افغانستان کے نئے حکمرانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ سرحدی مسئلہ اٹھائیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے رجعت پسندوں کی افغانستان کے انقلاب کو ختم کرنے کی تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔ عقل کے ان اندھوں کو وہ سیاسی اور جغرافیائی پس منظر نظر نہیں آتا۔ جس میں یہ انقلاب برپا ہوا ہے۔ انقلاب افغانستان تمام تر اندرونی مشکلات کے باوجود صرف قائم ہی نہیں رہے گا بلکہ نہایت ہی سرعت کے ساتھ پھلے پھولے گا۔ افغانستان کے انقلابی حکمرانوں نے چند ماہ کی قلیل مدت میں سود کو غیر قانونی قرار دے دیا ہے اور سود وصول کرنے کی سزا پھانسی تجویز کی ہے۔ اس طرح انہوں نے پاکستان

کے رجعت پسندوں کو بے نقاب کر دیا ہے جو شب و روز سود کے خلاف بات کرتے ہیں لیکن اتنا عرصہ گذرنے کے باوجود اس سمت میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکے۔ نجی ملکیت کے متعلق بھی افغانستان میں دور رس تبدیلیاں ہونے والی ہیں جو اس تمام علاقے میں بہت گہرے اثرات مرتب کریں گی۔

پاکستانی محنت کشوں اور عوام کے دوسرے وسیع حلقوں نے انقلاب افغانستان کو خوش آمدید کہا ہے اور اس کی کامیابی اور نشوونما کی آرزو رکھتے ہیں۔ افغان انقلاب نے پاکستانی اور افغان عوام کے درمیان بھائی چارے اور خیر سگالی کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ یقیناً ان کے برادرانہ رشتے اور بھی مضبوط ہوں گے۔ اور افغان انقلاب کی زندگی کے مختلف شعبوں میں یہ کامیابیاں پاکستانی عوام کے دل گرماتی رہیں گی۔

پاکستان کی حکومت کیلئے ضروری ہے کہ وہ افغانستان کے خلاف سامراجی سازشوں میں ملوث نہ ہو اور ان کا آلہ کار سے بننے سے انکار کر دے اور افغانستان کی انقلابی حکومت کے ساتھ اپنے باہمی مسائل کو بقائے باہمی کے ارفع اصولوں کے تحت گفت و شنید کے ذریعے کرے۔ یہی راستہ پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔

افغانستان، کمپوچیا اور ایران میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق حکومت نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ پاکستان کے قومی مفادات کے لئے نہایت ہی تشویشناک ہے۔ حکومت نے تحقیقات کئے بغیر کمپوچیا کے اندرونی حالات کے متعلق یہ بیان دے کر کہ وہاں سے بیرونی فوجیں نکال لی جائیں نہایت ہی جانبداری سے کام لیا ہے یہ بیان اس مفروضے کی بنا پر دیا گیا ہے کہ کمپوچیا میں بیرونی فوجیں موجود ہیں ۔ حالانکہ یہ معاملہ تصفیہ طلب ہے اس کے علاوہ کمپوچیا میں ایک نئی حکومت قائم ہو چکی ہے اسکے خلاف اس عجلت سے بیان دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس کے علاوہ صدر پاکستان نے ملائشیا کے وزیر اعظم کے عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس وقت پورے عالم اسلام کو نظریاتی حملہ کا سامنا ہے اور لادینی نظریات اسلام کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ اشارہ افغانستان اور ایران میں حالیہ تبدیلیوں کے متعلق ہے اگر واقعی عالم اسلام کو لادینی نظریات سے خطرہ ہے تو پاکستان چین کی لادینی ریاست کے ساتھ اس قدر گہرے مراسم کیوں پیدا کر رہا ہے اور ایک لادینی ریاست کو کیوں عظیم دوست کا لقب دیتا رہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو خطرہ نہیں ہے بلکہ امریکی مفادات اور سرمایہ داری جاگیرداری نظام کو خطرہ لاحق ہے اور یہ خطرہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ اس خطے سے سامراجی مفادات کے

www.bhutto.org

زیر سایہ پرورش پانے والا جاگیرداری سرمایہ داری نظام کسی صورت میں عوام کی یلغار سے بچ نہیں سکتا۔

پاکستانی حکومت کے ارباب اختیار نے ان بیانات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ پاکستان کی سرزمین کو افغانستان کے بھگوڑے رجعت پسندوں کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے استعمال کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ یہ رجعت پسند عناصر پشاور راولپنڈی اورلاہور میں بیٹھے من گھڑت کہانیاں نشر کرتے رہتے ہیں اور ان کہانیوں کو ٹرسٹ کے اخبارات اور نوائے وقت خوب اچھال رہا ہے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۷۸ء کے نوائے وقت میں شائع ہونے والی بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں افغانستان کی سرحد کے کے ساتھ متعدد ایسے کیمپ قائم ہو گئے ہیں جہاں نور محمد ترکئی کے مخالف حزب اسلامی کے حامیوں کو چھاپہ مار جنگ کی تربیت دی جاتی ہے...... کیمپ میں مقیم افراد کو شہری اور دیہی جنگ کے دوران استعمال ہونے والے مختلف ہتھیاروں کی تربیت دی جا رہی ہے اور اس کی قیادت افغان فوج کا ایک میجر کر رہا ہے جو چار ماہ قبل بھاگ کر پاکستان کے علاقے میں آگیا تھا۔ یہ کیمپ افغان سرحد سے ۱۰ میل ادھرپاکستان کے علاقے میں واقع ہے اور اس میں مقیم بیشتر افراد مرد ہیں اور افغانستان کی حزب مخالف کی جماعت حزب اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیمپ میں مکینوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور ان کی عمریں بیس اور تیس کے درمیان ہیں اور یہ سب تعلیم یافتہ ہیں ..... بی بی سی کے نمائندے کے مطابق بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حکومت پاکستان کو بھی ان کیمپوں کی موجودگی کا علم ہے مگر وہ انہیں چھیڑ کر یا کسی قسم کی مداخلت کر کے دنیا کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کرانا چاہتی کیونکہ اس طرح خود اس کے اپنے علاقوں میں بھی گڑبڑ کا خطرہ ہے۔ جہاں مذہبی جذبات بہت شدید ہیں۔ دوسرے افغانستان سے تعلقات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔"

اس خبر کے چھپنے کے بعد حکومت پاکستان کے ایک نمائندہ نے اس کی کمزور سی تردید کی ہے اور ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ اگر ان کیمپوں میں فوجی تربیت دی جا رہی ہے تو حکومت پاکستان اسے بند کر دے گی۔ گویا کہ پاکستان کے علاقوں میں قائم ہونے والے کیمپوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے متعلق حکومت کو کچھ خبر ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ پاکستان کی سرحدوں پر ہو رہا ہے حکومت کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔----- داؤد کے دور حکومت میں حزب اسلامی نام کی کوئی جماعت افغانستان میں سرگرم نہ تھی۔ حزب

www.bhutto.org

اسلامی ان بھگوڑوں نے قائم کیا ہے جو افغانی عوام کے ڈر سے بھاگ کر پاکستان میں داخل ہوگئے اور پاکستان کی سر زمین کو اپنے مذموم عزائم کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ بھگوڑے ظالم قبائلی سرداروں سود خوروں اور جاگیر داروں' راہزنوں اور کچھ مذہبی جنونیوں پر مشتمل ہیں۔ 3 فروری 1979ء کے مساوات میں چھپنے والی بی بی سی کی ایک اور اطلاع کے مطابق اب تک افغان عوام کے ساتھ جھڑپوں میں لاتعداد مذہبی جنونی مارے جا چکے ہیں۔ یہ مذہبی جنونی عوام کی املاک کو ہتھیانا چاہتے تھے۔

بزعم خود پاکستان کی سر زمین پر یہ تمام سرگرمیاں اسلام کی سربلندی اور پاکستانی ریاست کے نظریات کی حفاظت کے لئے ہو رہی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو دہکتی آگ میں جھونکا جا رہا ہے اگر یہ رویہ قائم رہا اور یہ روش تبدیل نہ ہوئی اور یہ پروپیگنڈا جاری رہا تو یقینا پاکستان جانکاہ بحران میں گھر جائے گا اور پاکستان کی موجودہ ریاست کی سالمیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا یہ پہلو ہمیں ایک بار پھر ہمارے عظیم ہمسایہ سوویت یونین کے ساتھ دشمنی کی راہ پر دھکیل رہا ہے۔ ایک عرصہ تک پاکستان کی سابقہ حکومتوں نے امریکی سامراج کے مفادات کی خاطر سوویت یونین کے ساتھ دشمنی کا راستہ اختیار کر کے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آج سوویت یونین وہ واحد ملک ہے جو پاکستان میں فولاد کا کارخانہ لگا رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہماری زراعت اور صنعت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہوسکتی ہے۔ لیکن پاکستان کے ارباب اقتدار اپنی کوتاہ بینی اور رجعت پسند نظریات کی وجہ سے پاکستانی عوام اور ریاست کے مفادات کو پس پشت ڈال رہے ہیں اور پاکستان کو نئی مشکلات سے دوچار کر رہے ہیں۔ سوویت یونین کے خلاف معاندانہ رویہ پاکستانی عوام کے مفادات کے منافی ہے۔ جتنی جلدی اس رویہ کو تبدیل کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

پاکستانی معیشت کی زبوں حالی

اصل وجوہات

حالانکہ فوجی حکومت ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان کے مطابق صرف منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات منعقد کروانے کے لئے ہی برسر اقتدار آئی تھی۔ لیکن جب ایک بار

www.bhutto.org

آئین کو مسترد کرنے کا قدم اٹھایا جا چکا تو اس اقدام کے قدرتی نتائج کے طور پر وہ روز بروز پاکستانی سیاست میں ملوث ہوتی چلی گئی۔ اپنے اس اقدام کو جائز ثابت کرنے کے لئے اس کا دائرہ عمل وسیع ہوتا چلا گیا۔ اور یہ اعلان کیا جانے لگا کہ سابقہ حکومت کی معاشی پالیسی نے ملک کو دیوالیہ کر دیا ہے۔ اس لئے ملک کی معیشت کو بحال اور مستحکم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔

سابقہ حکومت کی معاشی پالیسیوں کی ناکامی کا سبب صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی قرار دیا جانے لگا۔ اور یہ کہا گیا کہ اس پالیسی کی وجہ سے صنعت کار ملک میں سرمایہ لگانے کو تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے ملکی معیشت زبوں حالی سے دوچار ہے۔ ایوب حکومت کے دس سالہ دور کو ترقی کا مثالی دور بنا کر پیش کیا جانے لگا۔ اور سرمایہ داروں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے قومیائی ہوئی جننگ فیکٹریوں فلور ملوں اور چاول کے کارخانوں کو ان کے مالکان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سابقہ حکومت نے زرعی صنعتوں کے اس شعبہ میں بہت چھوٹے چھوٹے یونٹوں کو بھی بغیر کسی منصوبہ بندی کے قومی ملکیت میں لے کر چھوٹے چھوٹے صنعت کاروں اور بیوپاریوں کو تباہ حال کر دیا۔ اور اسے اپنے آخری ایام میں اس غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے قدم اٹھانا پڑا۔ لیکن موجودہ حکومت کی فلور ملوں کو واپس نجی ملکیت میں دینے کی پالیسی بھی بری طرح ناکام ہوئی ہے اور مل مالکان نے کھلے بندوں دھاندلی کر کے عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ گندم اور آٹے کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے اور حکومت اپنی تمام تر طاقت کے باوجود بے بس اور مجبور نظر آتی ہے۔

اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ پاکستانی معیشت کی بدحالی کی اصل وجوہات کیا ہیں؟ کیا معاشی بدحالی کی بنیادی وجہ صنعتوں کی قومی ملکیت میں لینے کی ہی پالیسی ہے یا کوئی اور وجوہات ہیں؟ دوسرے یہ بھی دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے کہ ایوب خاں کے دس سالہ دور میں جو صنعتی ترقی ہوئی اس کی نوعیت کیا تھی اور اس ترقی کی وجوہات کیا تھیں؟ اور آیا ترقی کا وہ "سنہری دور" پھر واپس آسکتا ہے یا نہیں؟

اول تو پاکستانی معیشت کا نجی شعبہ اس قدر نجی نہیں ہے جس قدر اسے سمجھا جاتا ہے اس کی نشوونما کا تمامتر انحصار ریاستی امداد پر ہے۔ ریاستی امداد کے بغیر یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس شعبہ میں لگا ہوا سرمایہ زیادہ تر ان قرضوں کا مرہون منت ہے جو اندرونی طور پر عوام سے اور بیرونی ملکوں سے حاصل کئے جاتے ہیں اور جن کا بوجھ ساری

قوم پر پڑتا ہے۔ نجی سرمایہ داران قرضوں کے استعمال سے پہلے ہی زر مبادلہ مختلف ہتھکنڈوں سے بچا لیتے ہیں اور کچھ کئے بغیر ہی منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسرے پرمٹ اور لائسنس کا نظام ایسا ہے کہ اس سے ہیر پھیر کے ذریعے چند گھرانے ہی استفادہ کرتے ہیں اور راتوں رات ارب پتی بن جاتے ہیں۔ تیسرے ٹیکس کی چھوٹ اور من مانا منافع حاصل کر کے عوام کی لوٹ میں اضافہ کرتے ہیں۔ چوتھے درآمدی پابندیوں کے ذریعے مقامی سرمایہ داروں کے منافعوں کی حفاظت کی جاتی ہے پاکستانی سرمایہ دار ہندوستانی سرمایہ داروں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کی سائیکلیں، گارڈر سٹیشنری کا سامان اور دوسری بے شمار چیزیں پاکستانی مارکیٹ میں باوجود باربرداری کے اخراجات اور ٹیکسوں کے مقامی اشیاء سے سستی پڑتی ہیں۔ لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود نجی شعبہ نے وہ کارکردگی نہیں دکھائی جس کے متعلق اس قدر واویلا کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت ٹیکسٹائل کی صنعت کا ہے۔ لیکن نجی شعبہ کی سب سے بڑی صنعت سخت بحران سے دوچار ہے۔ پونے دوصد ٹیکسٹائل ملوں میں سے ۲۷ ملیں بند ہو چکی ہیں۔ ۵۰ کے قریب نقصان میں جا رہی ہیں جبکہ ملوں کے سات آٹھ لاکھ تکلے اور ۱۰ ہزار لومز بے کار پڑے ہیں اور چالیس ہزار کے قریب کھڈیاں بند ہیں۔

حکومت کے شائع کردہ معاشی جائزہ برائے ۷۸-۱۹۷۷ء سے ظاہر ہے کہ کاٹن ٹیکسٹائل کی پیداوار میں اضافہ کی بجائے ۶٫۵ فیصد کی واقع ہوئی ہے۔ یہ کمی ۷۴-۱۹۷۳ء کی نسبت اور بھی زیادہ ہے۔ ۷۴-۱۹۷۳ء میں دھاگے کی پیداوار ۸۳۶٫۰۵ پونڈ ملین تھی اور کپڑے کی پیداوار ۸۰۲٫۷ ملین گز لیکن ۷۸-۱۹۷۷ء میں یہ پیداوار کم ہو کر علی الترتیب ۶۵۰٫۳ ملین پونڈ اور ۴۸۰٫۷ ملین گز رہ گئی۔ (پاکستان اکانومسٹ ۱۲-۶ جنوری ۱۹۷۹ء) اور یہ کمی اس وقت ہوئی جبکہ موجودہ حکمران شب و روز سرمایہ داروں کو یقین دہانی کرانے میں مصروف ہیں کہ ان کی صنعتیں قومی تحویل میں نہیں لی جائینگی اور انہیں ہر قسم کی امداد فراہم کرنے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس بورڈ آف انڈسٹریل مینجمنٹ کے تحت چلنے والی سرکاری صنعتوں کی پیداوار میں ۹٫۳ فیصد اضافہ ہوا جو مصنوعات کی مجموعی شرح اضافہ سے دوگنا ہے۔ گھی کی صنعت جسے دوبارہ سرمایہ داروں کے حوالے کرنے کے ارادہ کا بار بار اظہار کیا جاتا رہا ہے کی پیداوار میں ۱۵٫۹ فیصد اضافہ ہوا۔

مجموعی سرمایہ کاری کے میدان میں بھی ۷۸-۱۹۷۷ء میں بھی اچھے نتائج نہیں نکلے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں مجموعی سرمایہ کاری میں صرف ساڑھے سات فیصد اضافہ

ہوا ہے جبکہ ۷۷-۱۹۷۶ میں ۷۶-۱۹۷۵ء کے مقابلہ میں سرمایہ کاری میں سوا ایک فیصد اضافہ ہوا تھا۔ سرکاری شعبہ میں تو سرمایہ کاری کی خاص طور پر حوصلہ شکنی کی گئی۔ جہاں ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۷۷-۱۹۷۶ء مقابلہ میں صرف ساڑھے تین فیصد اضافہ ہوا تھا۔ جبکہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں ۷ء۱۳ اضافہ ہوا تھا۔ نجی شعبہ کے مقابلہ میں ۷ء۱۳ فیصد اضافہ ہوا تھا۔ نجی شعبہ میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۷۶-۷۵ء کے مقابلہ میں ۳۵ء۴ فیصد ہوا تھا۔ لیکن ۷۸-۱۹۷۷ء میں موجودہ حکومت نے محنت کشوں سے جلسے' جلوس اور ہڑتال کا حق چھین لیا تھا۔ اور اسی طرح مزدور مسئلہ کو حل کر لیا تھا اور نجی سرمایہ داروں کو سرمایہ کاری کے لئے ہر قسم کی سہولتوں کی بار بار پیش کش کی جاتی رہی۔

پچھلے سال موجودہ حکومت کے سربراہ نے گندم کی بجائی کے موقع پر جمیل نشتر کی معیت میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے کاشت کاروں کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں اور جمیل نشتر صاحب نے کاشت کاروں کو آسان شرائط پر قرضے دینے کا ایک مربوط پروگرام تیار کر لیا ہے۔ افسر شاہی کی تمام رکاوٹیں دور کر دی گئی ہیں اور اس بار یہ قرضے کاشت کاروں کے دروازوں پر پہنچ کر دیئے جائیں گے۔ لیکن ہوا اس کے برعکس ۔ کھاد کا ملنا ہی محال ہو گیا اور اس کی خوب بلیک ہوئی۔ اچھے بیج بھی دستیاب نہ ہو سکے اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ گندم کی پیداوار میں ۷۸-۱۹۷۷ میں کوئی اضافہ نہ ہوا اور وہ ۷۷-۱۹۷۶ء کی پیداوار جو ۸۸ لاکھ ٹن تھی کم ہو کر ۸۰ لاکھ ٹن سے بھی کم پیدا ہوئی۔ نہ صرف یہ کہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں نومبر سے لے کر مارچ تک گندم کی قیمت بعض علاقوں میں ۱۰۰-۹۰ روپے من تک رہی۔ بلکہ حکومت کو گندم کی قیمت ۳۷ روپے فی من سے ۴۵ روپے فی من تک بڑھانا پڑی۔ آج پھر کھلی مارکیٹ میں آٹا ساٹھ روپے من دستیاب ہو رہا ہے اور ڈپوؤں کا آٹا اکثر اوقات نہایت ہی ناقص ہوتا ہے۔ گندم میں خود کفیل ہونے کی بجائے پاکستان کو ۲۵ لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کا بندوبست کرنا پڑا جو پاکستان کی تاریخ کا ریکارڈ ہے۔ ان حالات میں خواجہ محمد صفدر کو دلی کی یاترا کرنی پڑی اور ۵ ہزار ٹن گندم کا بیج ہندوستان سے درآمد کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ وہی رہنما جو سابقہ حکومت پر یہ الزام لگا رہے تھے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ پاکستانی مفادات کو بالائے طاق رکھ سمجھوتہ کر رہی ہے۔ گندم کے بیج کی بھیک مانگنے دلی پہنچ گئے۔

بیرونی تجارت اور افراط زر

معاشی میدان میں حکومت اپنے دو کارناموں کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ اول بیرونی تجارت میں خسارے کو کم کر دیا گیا ہے اور دوم افراط زر کی شرح میں کمی کر دی گئی ہے۔

جہاں تک بیرونی تجارت میں خسارے کو کم کرنے کا سوال ہے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ تجارتی خسارے میں کمی واقع کرنے کے لئے اس گیارہ ارب روپے کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جو پاکستانی محنت کش اور ماہرین بیرون ملک اپنی محنت اور ہنر بیچ کر پاکستان میں رقم بھیج رہے ہیں۔ اگر اس رقم کو نکال دیا جائے تو ۷۸-۱۹۷۷ء میں درآمدات میں اضافہ کی وجہ سے بیرونی تجارت کے خسارہ میں ۷۷-۱۹۷۶ء کی نسبت ۱۷ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ۷۸-۱۹۷۷ میں توازن تجارت میں خسارہ کی کل رقم پندرہ ارب تین کروڑ روپے ہے جو کہ نہایت تشویش ناک ہے۔

کہا جارہا ہے کہ افراط زر کی شرح میں کمی اس بات سے ظاہر ہے جبکہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں افراط زر کی شرح ۱۱٫۳ فیصد تھی۔ ۷۸-۱۹۷۷ء میں یہ شرح کم ہو کر ۸ فیصد رہ گئی ہے۔

یہ حساب کتاب بھی محض لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ ۲۴ جنوری ۷۹ء کے ہفت روزہ "محور" کے مطابق سٹیٹ بنک کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ پچھلے سال سے فراہمی زر میں ۳۲/۲۲ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اگر اس میں سے قومی پیداواء کی ۶٫۲ فیصد شرح کو منہا کر دیا جائے تو افراط زر کی شرح ۱۵ فیصد ثابت ہوگی۔ قرائن سے ظاہر ہے کہ اس سال یقیناً افراط زر کی شرح 20 فیصد سے بھی تجاوز کر جائے گی۔ افراط زر کی شرح میں کاغذی کمی کی سب سے بڑی وجہ جبرو استحصال کے وہ قوانین ہیں جو ملک میں نافذ ہیں۔ محنت کشوں اور سفید پوش ملازمین سے ہڑتال، جلسے اور جلوس کا حق چھین لیا گیا ہے اور انہیں گناہ کبیرہ قرار دے دیا گیا ہے۔ نظام مصطفیٰ کے وہ علمبردار جو شب و روز یہ کہتے نہیں تھکتے کہ حاکم وقت عوام کے سامنے اپنے ہر فعل کے لئے جواب دہ ہے حتیٰ کہ اسے ایک عام آدمی کو گلے میں پہنے ہوئے کرتے کا بھی حساب دینا پڑتا ہے۔ محنت کشوں کے سارے حقوق غصب کر چکے ہیں اور منافع میں بونس طلب کرنے پر ان کی زبان بند کرنے کے لئے انہیں گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور قید اور کوڑوں کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ پچھلے دو سال میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کے مطابق اجرتوں میں بالکل اضافہ نہیں کیا گیا۔ اور اس افراط زر کی شرح میں کاغذی کمی کا سارا بوجھ محنت کش گھرانوں پر ڈال دیا گیا ہے اور ان کی حقیقی تنخواہیں اور اجرتیں ۷۷-۱۹۷۶ء کی نسبت کئی فیصد کم ہوگئی ہیں لیکن ان سب باتوں کے

www.bhutto.org

باوجود افراط زر کی شرح میں کمی کا راگ الاپنے والے اصل حقیقت سے آنکھیں چرا رہے ہیں۔ عام آدمی جانتا ہے کہ گندم کی قیمت ۳۷ روپے سے بڑھ کر ساٹھ روپے تک پہنچ گئی ہے۔ سیمنٹ کی قیمت تیس روپے سے بڑھا کر سرکاری طور پر ۴۰ روپے مقرر کر دی گئی لیکن وہ پچاس اور ساٹھ روپے فی بوری بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ دیہات میں تو بعض جگہ ستر روپے بوری تک سیمنٹ بک چکا ہے۔ دوائیوں کی قیمتوں میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو رہی ہیں۔ تمباکو کی قیمت ۲۱۷ فیصد سے بڑھا کر ۲۷۲ فیصد اور سیمنٹ کی ۳۹۰ فیصد سے بڑھا کر ۴۳۱ فیصد ہو گئی۔ (پاکستان اکانومسٹ ۲۳۔۲۴ ستمبر) اگر ۷۰۔۱۹۶۹ء کو بنیادی سال قرار دیا جائے تو جولائی ۱۹۷۷ء میں گندم کی قیمت ۳۶۹ فیصد سے بڑھ کر مارچ ۱۹۷۵ء میں ۴۰۶ فیصد ہو گئی اور چنے کی ۳۷۰ فیصد سے بڑھ کر ۷۴۲ فیصد ہو گئی۔ قیمتوں میں بے پناہ اضافہ افراط زر کی شرح میں اضافہ یا کمی وجہ سے نہیں ہے تو کیا اس کی شرح میں کمی ہے۔ یہ نتائج بر آمد ہو رہے ہیں۔ افرط زر کی شرح میں پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے نہیں بلکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جو تھوڑی بہت کمی دکھائی دیتی ہے دراصل محنت کش طبقہ کی تنخواہوں اور اجرتوں میں حقیقی کمی کی وجہ سے ہے۔ قیمتیں بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی تنخواہیں اور اجرتیں نہیں بڑھ پائیں۔ کیونکہ جلسے، جلوس اور ہڑتال کرنے کے تمام جمہوری حقوق چھین لئے گئے ہیں۔ محنت کشوں کی اس جبری زبان بندی کے نتائج حکمران طبقوں کے لئے یقیناً خوفناک ہونگے۔

مقروض ملک کا بجٹ

۷۸۔۱۹۷۷ء کے بجٹ میں ۲۷۰٫۹۴ کروڑ خسارہ دکھایا گیا تھا لیکن بعد میں اخراجات کو کم کر کے یہ خسارہ ۱۸۱٫۷ کروڑ رہ گیا تھا لیکن ۷۸۔۱۹ء کے بجٹ میں خسارہ ہمیشہ سے زیادہ دکھایا گیا ہے۔ اور یہ ۳۲۶٫۶ کروڑ تک پہنچ گیا ہے۔

۷۷۔۱۹۷۶ میں ۱۵۹۳٫۳۳ کروڑ کے کل غیر ترقیاتی اخراجات میں سے ۸۲٫۶۴ فیصد (۸۱۲ کروڑ) دفاع پر خرچ کیا گیا اور ۱۴۴٫۳ سول انتظامیہ پر اور ۲۷۲ کروڑ قرض کی اقساط ادا کرنے کے لئے۔ ۷۳٫۸۷ کروڑ مرکزی امدادی مدات پر۔ لیکن ۷۹۔۱۹۷۸ء میں ان چار مدات پر اخراجات ۱۷۱۲ کروڑ تک پہنچ گئے۔ سب سے زیادہ خرچ دفاع پر کیا جا رہا ہیا اور یہ خرچ ۷۱۔۱۹۷۰ء سے بھی زیادہ ہے۔ جبکہ بنگلہ دیش ابھی پاکستان سے علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ ۷۱۔۱۹۷۰ میں دفاع پر ۳۲۰ کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا لیکن ۷۹۔۱۹۷۸ء کے بجٹ کیس دفاع

کے لئے ۱۴.۱۰ کروڑ روپیہ صرف کیا جائے گا۔ یعنی یہ خرچ ۷۱-۱۹۷۰ء کے مقابلہ میں تین گنا سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اسی طرح پاکستان کی کل گراس ڈومیسٹک پروڈکٹ (کل اندرونی پیداوار) کا ۶٫۶ فیصد دفاع پر خرچ کرے گا جو دنیا بھر میں ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۹۷۸ء کے آخر میں پاکستان کی معاشی حالت کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک ۹۰-۸۰ ارب روپے کا مقروض ہو چکا ہے جس کا مطلب ہے کہ پاکستان کا ہر باشندہ تقریباً ایک ہزار روپیہ سے زیادہ کا مقروض ہے اور اسے اس سال ۶۳۲٫۸۱ کروڑ روپیہ قسطوں کا ادا کرنا ہوگا۔ ۲۵ لاکھ ٹن گندم درآمد کرنی پڑے گی اور ملکی زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی محنت کشوں اور ماہرین کے ۱۳۰۰ کروڑ روپیہ کی آمدنی اور مزید قرضوں پر تکیہ کرنا ہوگا اور اپنی آزادی اور عزت نفس کو گروی رکھ کر قرضوں کی اقساط کی ادائیگی کو ملتوی کرانا ہوگا۔ یقیناً یہ صورت حال نہایت ہی تشویشناک ہے اور ۷۷-۱۹۷۶ء کی نسبت کہیں بدتر ہے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کی معاشی بدحالی کی وجہ سابقہ حکومت کی صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی ہرگز نہ تھی کیونکہ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت (ٹیکسٹائل) کو قومی ملکیت میں نہیں لیا گیا لیکن وہ پھر بھی سخت بحران سے دوچار چلی آ رہی ہے۔ اور تاحال اسے صحت مند کرنے کے لئے کوئی علاج کارگر نہیں ہو رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں سامراجی ماتحتی میں جاگیردارانہ' سرمایہ دارانہ ریاست کے ٹوٹتے ہوئے ڈھانچے کو بچانے اور قائم رکھنے کے لئے بڑی اور بنیادی صنعتوں کو قومیانہ ضروری ہوگیا تھا۔ اس عمل نے وقتی طور پر ریاستی آمدنی میں کافی اضافہ کر دیا تھا۔ اور مختلف صنعتوں کی پیداوار تقسیم کرنے کے لئے انتظامیہ کے اختیارات کو وسیع کر دیا تھا۔ افسر شاہی کی بے دریغ لوٹ کے باوجود صنعتوں کو قومیانے کا یہ عمل سماجی ترقی کی راہ پر ایک قدم آگے کی طرف تھا۔

صحیح علاج کیا ہے؟

ارباب اقتدار نے مسلسل بڑھتے' پھیلتے اور گہرے ہوتے ہوئے معاشی بحران کے حل کے لئے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ایک قانون نافذ کیا ہے جس کا مقصد قومیائی ہوئی صنعتوں کو نجی ملکیت میں واپس دینے کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ لیکن اس قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی قومیائی ہوئی صنعتوں کے محنت کشوں نے اس رجعت پسند عوام دشمن پالیسی کے خلاف بھر

پور طریقے سے آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ بعض کارخانوں میں ہڑتالیں ہوئیں۔ مظاہرے کئے گئے۔ سیاہ جھنڈے لہرائے گئے اور جلد ہی جماعت اسلامی کے وزیر صنعت پروفیسر غفور احمد کو یہ بیان دینا پڑا کہ فی الحال حکومت کسی قومیائی ہوئی صنعت کو نجی ملکیت میں دینے کا ارادہ نہیں رکھتی ہے۔

دراصل پاکستانی معیشت کی بدحالی کا علاج محض انتظامی اقدامات سے ممکن نہیں ہے۔ باوجودیکہ انتظامی اقدامات بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں' لیکن جس گلی سڑی منافع خوری پر مبنی سماج میں ہر طرف بے ایمانی' لوٹ کھسوٹ' بلیک مارکیٹ اور رشوت خوری کا بازار گرم ہو۔ جس میں محض پیداوار بڑھانے کے لئے تو منصوبہ بندی کی جائے لیکن پیداوار کی تقسیم کو سرمایہ دارانہ سماجی قوانین کے حوالے کر دیا جائے۔ اس میں اگر فرشتوں کو بھی انتظامی امور پر لگا دیا جائے تو وہ یا تو خود کرپٹ ہوجائیں گے یا بے بس نظر آئیں گے۔ جماعت اسلامی کے نیک' صالح اور پارسا رہنما نجی منافع خوری پر قائم پیداواری رشتوں کو تبدیل کئے بغیر افراد کو نیک بنانے کی ناقابل عمل پالیسی کے ذریعے ہی تمام معاشی خرابیوں کو دور کرنے کا اعلان فرما رہیا ہیں اور اپنے کارکنوں سے کہہ رہے ہیں کہ چونکہ ان کے کارکن پرمٹ یا لائسنس حاصل نہیں کرتے (جو کہ حقائق کے خلاف ہے) اس لئے وہ یقیناً تمام معاشی خرابیوں اور ان سے پیدا ہونے والی بدعتوں کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ انہیں اپنے کمالات دکھانے کے لئے صرف تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔ پروفیسر غفور احمد صاحب اس بات کو بھول رہے رہیں کہ سرمایہ دارانہ منافع خوری کے نظام میں بڑے بڑے مذہبی ادارے بھی اپنی تعلیمات اور نظریات جن کا وہ پرچار کرتے ہیں' کے خلاف عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً رومن کیتھولک کلیسا نے جو جنگ' جوئے اور برتھ کنٹرول کے خلاف ہمیشہ مذہبی نقطۂ نظر سے آواز بلند کرتا نظر آتا ہے' برٹیا اسلحہ ساز فیکٹری' مانٹی کارلو کے کارخانہ اور کینیا کی مانع حمل اشیاء تیار کرنے کی فیکٹری میں سرمایہ لگا رکھا تھا (نوائے وقت ۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء) اس لئے ہماری حتمی رائے ہے کہ جماعت اسلامی کے بزرگوں کی نیک خواہشات کے باوجود وہ پاکستانی معیشت میں کوئی بہتری کی صورت نہیں نکال سکیں گے۔ اور یہ اقتصادی بحران سے متواتر دوچار رہے گی اور اس بحران کا تمام تر بوجھ عوام کے پہلے سے جھکے ہوئے کندھوں پر ڈالا جاتا رہے گا۔

فوجی سپریم کونسل کی ماتحتی میں قائم ہونے والی موجودہ نام نہاد اور غیرجمہوری اور غیرنمائندہ سویلین حکومت ایوب خاں کے زمانے کی "صنعتی ترقی کے سنہری دور" کو واپس

www.bhutto.org

لانے کے عزم کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ اول تو قومی اتحاد کے یہ رہنما ایوب خاں کے حشر کو بھول گئے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ کیسا سنہری دور تھا جس کا خاتمہ بپھرے ہوئے عوام نے ایک نہایت شاندار اور عظیم عوامی جدوجہد کے ذریعے کیا آج وہ یہ بھی بھول گئے ہیں کہ اس سنہری دور کے خاتمے کے لیے وہ خود بھی اس عوامی تحریک کی رہنمائی فرمانے کی زحمت گوارا کرتے رہے ہیں۔

ایوبی دور کی ترقی

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایوب خان نے عوام سے تمام شہری آزادیاں چھین کر اور اپنی شخصی آمریت قائم کر کے امریکی سامراج کی امداد سے صنعتی ترقی کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ اول تو یہ ایسی لولی لنگڑی صنعتی ترقی تھی جس نے ہمیں اپاہج بنا کر رکھ دیا ہے اور ہم بیرونی امداد کی بیساکھیوں کے سہارے کے بغیر چل ہی نہیں سکتے۔ دراصل یہ ترقی جدید دور میں ایک آزاد مملکت کی ضروریات کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بجائے پس ماندگی اور طفیلی معیشت کی ترقی تھی جس کے نتائج ہم آج بھگت رہے ہیں۔ فولاد تیار کرنے اور مشین سازی کے میدان میں بجائے خود کفیل ہونے کے ہماری معیشت کا انحصار سامراجی طاقتوں پر اور بھی بڑھ گیا ہے۔ آج اس ملک میں ایک لاکھ کے قریب ٹریکٹر اور کئی لاکھ ٹرک اور بسیں چل رہی ہیں لیکن ہم ان کا ایک پرزہ بھی اپنے ملک میں نہیں بنا سکتے اور ہر پرزے کے لئے ہمیں محض ان مشینوں کو زندہ رکھنے کے لئے کئی گنا زرمبادلہ صرف کرنا پڑتا ہے اور ہم قرضوں کے بار تلے دبے کراہ رہے ہیں۔ ان صنعتوں کی ترقی کے بغیر نہ تو صنعتی مصنوعات عوام کی روز افزوں ضروریات کی مطابق مہیا ہو سکتی ہیں اور نہ ہی زراعت میں ترقی کی جا سکتی ہے۔ اس میدان میں اگر کچھ تھوڑی بہت ہماری امداد کی ہے تو وہ روس اور چین کی حکومتوں نے کی ہے۔ جو سوشلزم کا نظام قائم کیے ہوئے ہیں اور جس کے خلاف موجودہ حکمران شب و روز پروپیگنڈا میں معروف ہیں۔

ایوب خاں کے دور میں جو ترقی ہوئی اس کی بھی چار بنیادی وجوہات تھیں۔ اول تو ملک کی معیشت بالکل ہی پس ماندہ تھی اور اس میں نام کو بھی صنعت نہ تھی۔ فیوڈل ازم کے پیداواری رشتوں کے اندر رہ کر جس قدر ترقی ہو سکتی تھی وہ ایوب کے زمانہ میں ہو گئی لیکن اب پرانے پیداواری رشتوں کے ہوتے ہوئے مزید ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے ایوب کے دور میں جنگ ویت نام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا چلا جا رہا تھا جس کی

وجہ سے سامراجی اور ان کے طفیلی ملکوں کی معیشت کو مصنوعی سہارا مل رہا تھا۔ جونہی جنگ ویت نام ختم ہونے کے آثار نظر آنے لگے عالمی سرمایہ دارانہ معیشت ناقابل حل بحران میں گرفتار ہوتی چلی گئی اور پاکستان جیسی طفیلی معیشت اس بحران کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی۔ تیسرے سامراجی ملکوں سے دھڑا دھڑ قرضے وصول ہو رہے تھے اور انہیں نہایت بے دردی سے استعمال کیا جا رہا تھا جبکہ ابھی ان کی ادائیگی شروع نہیں ہوئی تھی۔ ان قرضوں نے بائیس خاندان کو جنم دیا اور ان کی نشوونما کی۔ وہ ملک کے ۸۰ فیصد اثاثوں پر قابض ہو گئے اور یہ خاندان پاکستان کی ترقی کے گیت گانے کے لیے بے پناہ وسائل مہیا کرتے رہے۔ چوتھے اس دور میں چونکہ پاکستانی محنت کش ابھی نئے تھے۔ اور وہ ابھی ٹریڈ یونینوں میں منظم نہ ہوئے تھے اور نہ ہی اپنے حقوق کے لئے انہوں نے ابھی تک پورے زور سے جدوجہد کرنا سیکھا تھا اور اگر انہوں نے جدوجہد کی بھی تو اسے خون کے دریا میں ڈبو دیا گیا۔ لیکن آج پاکستان کے محنت کش طبقے اپنی تمام تر تنظیمی اور شعوری کمزوریوں کے باوجود پہلے سے بہت زیادہ منظم ہیں اور اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں۔ اور اگر ان کی آواز اسی طرح دبانے کی کوشش کی جاتی رہی اور ان کے حقوق اسی طرح چھیننے کے لئے قوانین نافذ کیے جاتے رہے تو وہ خاموش تماشائی نہیں رہیں گے بلکہ وہ جدوجہد کے میدان میں اتریں گے۔ اس کے علاوہ آج عوام کے وسیع حلقے ظلم و جبر اور محرومیوں کے خلاف آواز اٹھانے کا شعور رکھتے ہیں اور اپنے حقوق کی پامالی کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں۔

معاشی ترقی کا راستہ

فوجی سپریم کونسل اور جماعت اسلامی کی رہنمائی میں موجودہ حکومت نے پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ وہی راستہ ہے جو پچھلے اکتیس سال سے حکمران طبقوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ہر حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ ملک کو معاشی طور پر خود کفیل کرنے کے لئے پالیسیاں مرتب کر رہی ہے لیکن ہر بار ملک کی معیشت پہلے سے بھی زیادہ سامراجی مفادات کے تابع ہو کر رہ گئی ہے۔ ہر حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ قوم کو ایک صاف ستھری اور دیانتدار انتظامیہ دینے کا بندوبست کرے گی۔ لیکن ہر بار انتظامیہ پہلے سے بھی زیادہ کرپٹ اور بددیانت اور رشوت خور ثابت ہوتی ہے۔ ہر حکومت نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ عوام کو روٹی' روزگار اور غربت کے مسائل حل کرے گی۔ لیکن

www.bhutto.org

ہر بار عوام کو مزید مہنگائی' بے روزگاری اور مایوسی سے دوچار کیا گیا ہے۔ دراصل جب تک پاکستان میں سامراجی امداد اور ماتحتی میں جاگیرداری پیداواری رشتوں کے پہلو بہ پہلو سرمایہ داری کی ترقی کا راستہ اختیار کیا جائے گا' نتائج یہی نکلیں گے۔ اس راستہ پر چل کر کوئی نعرہ' کوئی جادو' کوئی وعظ نہ تو لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کر سکتا ہے اور نہ ہی پیداواری عمل کو تیز کر سکتا ہے۔ اس راستہ پر خواہ اسلامی سوشلزم کے جھنڈے لہرائے جائیں یا نظام مصطفیٰ کے' نتیجہ وہی نکلے گا جو نکل رہا ہے کیونکہ یہ راستہ نابرابری پیدا کرتا ہے۔ مکاری اور نفرت و کدورت کو جنم دیتا ہے۔ یہ راستہ بھائی چارے اور مساوات کو ختم کرتا ہے۔ یہ راستہ کوٹ کھسوٹ' بلیک مارکیٹ اور رشوت خوری کا راستہ ہے۔ یہ راستہ پاکستان کی ترقی کا راستہ نہیں بلکہ تباہی کا راستہ ہی۔

پاکستان کو مکمل تباہی سے بچانے اور پاکستان کی معیشت کو ترقی کے راستہ پر ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے اندر فیوڈل ازم کے پیداواری رشتے مکمل طور پر ختم کر دیے جائیں۔ سامراجی' معاشی اور سیاسی بالادستی سے مکمل آزادی حاصل کر لی جائے۔ اور عام سامراجی قرضے ضبط کر لیے جائیں (کیونکہ وہ پہلے ہی ہم سے کئی گنا زیادہ منافع کما چکے ہیں۔) اور پبلک سیکٹر میں فولاد کیمیکل اور مشینیں بنانے کے کارخانے سوشلسٹ ممالک کی امداد کے ذریعے عظیم منصوبے کے تحت قائم کیے جائیں۔ تمام بیرونی ممالک سے پاکستان کے کاریگروں اور محنت کشوں کو ملکی ترقی کے لئے آواز دی جائے اور ملک کے اندر کسانوں'مزدوروں اور دوسرے ترقی پسند طبقات کو متحرک کر کے ان کی بے پناہ خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

پاکستانی ثقافت اور تمدن کا انحطاط

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد حکومت اور قومی اتحاد کے رہنماؤں نے پاکستانی ثقافت او رتمدن کے روز افزوں انحطاط اور گراوٹ کو سابقہ حکومت کے شیطانی کردار کا نتیجہ قرار دینا شروع کر دیا۔ اور شب و روز یہ پروپیگنڈا کیا جانے لگا کہ رشوت اور کنبہ پروری' بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ' غنڈہ گردی اور اخلاقی گراوٹ بھٹو حکومت کے نظریات کا خاصا تھا۔ اور چند سالوں میں اس حکومت نے سماج کے ہر شعبے کی اچھائیوں کو دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے۔ اور پاکستانی سماج کو اخلاقی لحاظ سے تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ چنانچہ

جماعت اسلامی کے صالحین اور "اللہ کے سپاہیوں" نے ملک و قوم کو اخلاقی گراوٹوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے کا کام اپنے نازک کندھوں پر اٹھا لیا۔ ان اعلانات اور بلند بانگ دعووں کو ٹرسٹ کے اخباروں اور نوائے وقت' ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نہایت دھوم دھڑکے سے نشر کیا جانے لگا۔ عوام نے ان دعووں کو دل تھام کر سنا اور اس حسین سحر کا انتظار کرنے لگے جب پاکستانی معاشرہ ان صالحین کی نیکیوں اور کاوشوں سے تمام غلاظتوں سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن معاشرہ کا چہرا بجائے صاف ہونے کے اور بھی بگڑنے لگا۔ رشوت کے ریٹ بڑھ گئے اور بڑی افسر شاہی اور عدلیہ کے کچھ حصے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔

اصلاح معاشرہ کی مہم اور ثقافتی آمریت

نظام مصطفیٰؐ کے نام پر بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ کا دھندا چمکنے لگا۔ اور کنبہ پروری نے پرانے ریکارڈ بھی توڑ دیے۔ ان حالات سے پریشان ہو کر جماعت اسلامی کے صالحین نے اصلاح معاشرہ کے لئے ایک عظیم الشان مہم کے آغاز کا اعلان کیا۔ ہفتوں پہلے مہم شروع کرنے کا چرچا ہوتا رہا۔ اور آخرکار ٹیکس چور دوہرے حسابات رکھنے والے اور ہر ماہ لیبر انسپکٹروں کو لاکھوں روپیہ رشوت دینے والوں نے نہایت ہی خوبصورت اشتہارت چھپوا کر اپنی دوکانوں اور دفتروں میں آویزاں کر لیے۔ دوچار دن تقریریں ہوئیں وعظ ہوئے اور پھر اصلاح معاشرہ کی اس "شاندار تحریک" نے چپکے سے دم توڑ دیا۔ اور اس کی میت پر کوئی آنسو بہانے والا بھی نظر نہ آیا۔

البتہ جماعت اسلامی نے نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے تعلیم اور نشریات کے محکموں پر قبضہ کر کے ریڈیو' ٹیلی ویژن اور کالجوں وغیرہ سے چن چن کر ترقی پسند اساتذہ اور ملازمین کو نکالنے اور دور دراز مقامات پر تبدیل کرنے کی مہم میں بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ انہوں نے تمام ثقافت کو برقعہ پہنانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اور ترقی کے تمام راستوں کو اپنی گھٹی ہوئی بودی سوچ کے بند لگا کر مسدود کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ثقافتی آمریت کے لئے میدان ہموار کر رہے ہیں۔ اس مہم کا دوسرا شکار شاہی سٹوڈیو ہوا ہے جسے منصورہ کو وسعت دینے کیلئے جماعت اسلامی کی ایک تنظیم نے ۸۰ لاکھ روپے کی خطیر رقم کی عوض خرید لیا ہے۔

اب اصلاح معاشرہ کے لئے وہ ایک نیا ٹوٹکا لائے ہیں اور اعلان پر اعلان کئے جا رہے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول کو اسلامی تعزیرات اور عشر اور زکوٰۃ کا نظام نافذ کر دیا جائے گا۔ وہ یہ

بھی کہہ رہے ہیں کہ ماہرین سود سے پاک معیشت قائم کرنے کے لئے دن رات محنت کر رہے ہیں۔ عجب ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور آج سے چودہ سو سال پہلے نافذ ہو چکا ہے اور اس نظام ایک زیر زبر بھی تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ اور دوسری طرف ریٹائرڈ ججوں اور علماء کو ہزاروں روپے ماہوار تنخواہیں دے کر اسلامی نظام کے قانون بنائے جا رہے ہیں۔ اول تو یہ ریٹائرڈ جج اور علماء اسلامی قدروں سے اس قدر "سرشار" ہیں کہ اسلام کے نفاذ کے لئے بھی ہزاروں روپے تنخواہیں ہتھیاتے ہیں۔ دوسرے وہ اس مکمل ضابطہ حیات کو یکم قلم نافذ کرنے لیت و لعل کر رہے ہیں۔ دراصل وہ نجی ملکیت کے اس نظام میں سرمایہ داری کے قوانین کو مشرف بہ اسلام کرنے میں مصروف ہیں اور ابھی تک صرف چند ملازمین کو مکانات کی تعمیر کے لئے حاصل کردہ قرضوں پر سود کی چھوٹ کر کے اسلام کے تیس مار خاں بن رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام رہنما اور افراد جو اسلامی نظام کے نفاذ کا علم اٹھائے ہوئے ہیں اور یہ نظام قائم کرنے کے لئے اصلاح معاشرہ کی دوحائی دے رہے ہیں۔ غلط بیانیوں سے کام لے رہے ہیں اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں وہ حکومت کے ڈنڈے کو ہاتھ میں لئے اپنے لواحقین کو پچاس پچاس ہزار روپیہ ماہوار پر نوکریاں دلوا رہے ہیں۔ سمینٹ اور کھاد کی ایجنسیاں بخش رہے ہیں۔ زمینیں الاٹ کروا رہے ہیں اور اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ اصلاح معاشرہ تو کجا انہوں نے قوم کے اعتماد کو ٹھکرایا ہے۔ اپنے جھوٹ سے ہر طرف بے بسی اور مایوسی پھیلائی ہے۔ وہ انتخاب کا وعدہ کرتے ہیں۔ تاریخ بھی مقرر کر دیتے ہیں۔ لیکن مکر جاتے ہیں کیونکہ مثبت نتائج برآمد ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ آئین میں کوئی بنیادی ترمیم نہیں کی جائے گی لیکن آئین میں ایسی ترمیمیں کی جاتی ہیں کہ اس کی روح ختم ہو جائے۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ غیرجانبدار رہیں گے۔ لیکن ایسی جانبداری دکھاتے ہیں کہ لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ جمہوریت بحال کی جائے گی لیکن ہزاروں ہونہار نوجوانوں کی پیٹھ پر کوڑے برساتے ہیں۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ پریس آزاد ہوگا لیکن پریس پر پہرے بٹھا دیتے ہیں اور سنسر شپ معمول بنا لیتے ہیں۔ غرضیکہ اسلامی اقدار کا پرچار کرنے والے ہر قدم پر غیر اسلامی فعل کرتے ہیں۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کا عہد لانا چاہتے ہیں (جنہیں ایک کرتہ بنانے پر بھی ایک بدو سوال کر سکتا تھا) لیکن ایک معمولی سا نعرہ مارنے والے کو فوجی عدالت کے حوالے کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی۔ پاکستان۔ ملوکیت۔ خمینی اور سامراج

جماعت اسلامی کے "عظیم عالم" مودودی صاحب اپنی کتاب "خلافت اور ملوکیت" میں ملوکیت کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں لیکن زمانہ حال میں سعودی عرب میں ملوکیت کے نظام کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دربار سے عزت و جاہ اور دولت حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔ مودودی صاحب ترجمان القرآن نومبر ۱۹۶۳ء میں یہ لکھتے ہیں کہ "خدا کا شکر ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو حالات کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر نہ صرف حال بلکہ ماضی کو بھی تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہم اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیم ملک کی جنگ سے ہم غیر متعلق رہے ہیں...... اس میدان میں کسی حصے کا اپنے آپ کو دعویدار نہیں سمجھتے"۔ لیکن آج جماعت اسلامی کے سربراہ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کا نظریہ ہی قائداعظم کو مودودی نے دیا تھا۔ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب نے یہ لکھا کہ پاکستان کی پیدائش ایک درندے کی پیدائش تھی۔ لیکن آج یہ کہتے نہیں تھکتے کہ پاکستان بنا ہی اسلام کے نفاذ کے لئے تھا۔ صالحین کے یہ عظیم عالم اس قدر جھوٹ بول کر بھی اصلاح معاشرہ کی مہم چلاتے ہیں۔ تو اس کے نتائج کسی صورت میں بھی مثبت نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حالات میں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پاکستانی قوم کا اخلاق بلند ہو رہا ہے اور معاشرے کی اصلاح ہو رہی ہے تو وہ احمقوں کی جنت میں بستا ہے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم نیکی کا پرچار کرتے ہیں لیکن ہر چہار طرف بدی ہی بدی پھیلتی اور پھلتی پھولتی نظر آتی ہے۔ وہ کونسی طاقت ہے جو ہمارے نیک بننے کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے۔ اور پچھلے بتیس سال کے وعظ اور دعائیں پاکستانی عوام کو نیک اور صالح بنانے میں کیونکر ناکام رہے ہیں۔ جب تک ہم اس طاقتور بھیانک طاقت کی نشاندہی نہیں کریں گے اور اسے جڑ سے اکھاڑ نہیں پھینکیں گے۔ ہم معاشرے کی اصلاح نہیں کر سکتے اور موجودہ نظام میں جتنی سماجی ترقی ہوگی اتنی ہی سماج بیمار ہوتی چلی جائے گی۔ اور زندگی کی تمام اچھی قدریں ختم ہوتی چلی جائیں گی۔ جب تک یہ واعظ اس طاقت کی پشت پناہی کرتے رہیں گے اور اس کی نشوونما کے لئے مذہب کو استعمال کرتے رہیں گے۔ وہ شعوری اور یا غیر شعوری طور پر بدی کو فروغ دیتے رہیں گے۔

ام الخبائث

دراصل موجودہ ترقی یافتہ دور میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت ام الخبائث ہے اور وہ ہر

www.bhutto.org

لحظہ سے تمام بدیوں کو جنم دیتی ہے۔ اور انہیں سماج کے کونے کونے میں پھیلاتی ہے۔ یہ کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے کہ ہمارے عالم اور رہنما ایک طرف تو ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کو مذہب کی ڈھال سے بچاتے رہیں اور دوسری طرف اصلاح معاشرہ بھی کرتے رہیں۔

ذرائع پیداوار پر نجی ملکیت کا نظام منافع اور مزید منافع کے اصولوں پر قائم ہے۔ اس نظام کی ہر شخص زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ نفع کمانے کے لئے مزدوروں کو کم سے کم اجرت دی جاتی ہے لیکن کام زیادہ سے زیادہ لیا جاتا ہے' ٹیکس بچانے کے لئے دوہرے حسابات رکھے جاتے ہیں۔ افسران متعلقہ کو ہزاروں روپے رشوت دی جاتی ہے۔ بلیک اور سمگلنگ کی جاتی ہے غرضیکہ اس سماج میں فرد منافع کمانے کے لئے سولی پر بھی چڑھنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر دولت بڑھے گی اسی قدر عزت بڑھے گی۔ اسی قدر زندگی کی آسائشیں حاصل ہوں گی۔ اس منڈی میں جہاں اشیاء استعمال کے لئے نہیں بلکہ صرف منافع کے لئے پیدا کی جاتی ہیں۔ علم و دانش اور نیکی' شرافت کی کوئی قیمت وصول نہیں ہوتی۔ اور ایسے لوگ جو ان قدوروں پر یقین رکھتے ہیں بڑے بڑے گرگوں کی نظر میں احمق ہوتے ہیں اس لئے موجودہ سماج میں اصلاح معاشرہ کی مہم کو دم توڑنا ہی تھا۔ ہمارے علماء کا المیہ ہی یہ ہے کہ وہ اونٹ کی جگہ ہوائی جہاز' کیکر کی مسواک کی جگہ برش' مٹی کے ڈھیلہ کی جگہ فلش سسٹم تو قبول کرتے ہیں۔ لیکن نئی پیداواری قوتوں اور ان کے لئے پیداواری تعلقات کے نئے قوانین کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ سماجی تبدیلی کے قوانین سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور وہ اس بات کو سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کرتے کہ نئے نئے خیالات کو کونسی قوتیں جنم دیتی ہیں۔ غرضیکہ وہ ہر لحظہ تبدیل ہوتی ہوئی دنیا کو حرکت میں دیکھنے کی صلاحیت ہی پیدا نہیں کرتے۔ اجتہاد کا نعرہ ضرور لگاتے ہیں لیکن اجتہاد کو بھی اپنی عقل کے محدود کوزے میں بند رکھنے پر تلے ہوئے ہیں اور اگر انہوں نے ذہنی طور پر کچھ ترقی کی ہے تو وہ بھی سرمایہ داری نظام کے قوانین کو اپنانے تک۔ کیونکہ ان کے مربی اور محسن بڑے لوگ ہیں اور ان بڑوں کی دولت اور جائیداد کو بچانا ان کا فرض ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سماجی بہبود کے لیے جو کوئی ذرائع پیداوار کو نجی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت میں دینے کی بات کرتا ہے دہریہ اور لادین کہلاتا ہے۔ ان کی نظر میں ہر سوشلسٹ قابل گردن زنی ہے۔ کیونکہ ان کی کوتاہ بینی اور ذاتی مفادات انہیں ہر سوشلسٹ

www.bhutto.org

کو دہریہ قرار دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان نام نہاد نظریہ سازوں کی تہی دامنی قابل دید ہے۔ وہ سوشلزم کو کفر قرار دیتے ہیں لیکن سوشلسٹ چین کو عظیم دوست کہتے نہیں تھکتے۔ وہ اجتماعیت کو اسلام کی ضد قرار دیتے ہیں لیکن سوشلسٹ چین کی سماج کو اسلامی روح سے منور بتاتے ہیں۔ اور چینی سماج کی اخلاقی قدروں کا ورد کرتے نظر آتے ہیں ان کا یہ نظریاتی دوغلہ پن ان کی سطحی سوچ اور ذہنی پسماندگی کا مظہر ہے۔

پرانے وعدے اور نئے خطرات

ہم نے موجودہ حکومت کی سیاسی' معاشی اور ثقافتی پالیسیوں اور اس کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے ہم برملا کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ حکومت اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ہر میدان میں ناکام ہو چکی ہے۔ اور اس ناکامی پر ۱۲ ربیع الاول کے اعلانات اور قوانین بھی پردہ نہیں ڈال سکتے۔

موجودہ حکومت جس اعلان کے ساتھ برسراقتدار آئی تھی ہم پھر اسی کو دہراتے ہیں۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے اعلان میں کہا گیا تھا کہ " میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اسلام کے ایک سپاہی کے طور پر کیا۔ پاکستان میں ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی ہے اور ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کروانے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دوں گا۔ اور اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ انتخاب کے طریق کار کا جلد اعلان کر دیا جائے گا۔ اور تین ماہ میں انتخابات پر ہی توجہ مرکوز کروں گا۔"

اس اعلان کو ایک سال آٹھ ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ آئین میں مارشل لاء احکام کے ذریعے کئی بنیادی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ بے شمار نئے قوانین بنا دیے گئے ہیں۔ اور یہ تمام کاروائیاں عوام کی شرکت کے بغیر کی گئی ہیں اور اب حکومت کا خزانہ سابقہ حکومت کی بدعنوانیوں اور ناکامیوں کو اجاگر کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے اور موجودہ حکومت کی ناکامیوں اور بدعنوانیوں پر دبیز پردے ڈالے جا رہے ہیں۔ نئے قوانین کے مطابق ووٹروں کی فہرستیں تیار کی جا رہی ہیں لیکن انتخابات کی حتمی تاریخ کا اعلان نہیں کیا جاتا۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انتخابات کروانے کا حتمی اعلان کرنے کے بعد انتخابات غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کیے جا سکتے ہیں تو محض ووٹروں کی فہرستیں تیار کرانے سے انتخابات کروانے کی کیسے گارنٹی دی جا سکتی ہے۔

www.bhutto.org

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ایک بیرونی اخبار کو جامع انٹرویو سے یہ بات اچھی طرح مترشح ہے کہ نہ صرف انتخابات اس سال ہونے کی کوئی امید نہیں بلکہ پاکستانی عوام نئے خطرات سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اس انٹرویو میں انہوں نے فرمایا ہے کہ پہلے بلدیاتی انتخابات ہوں تو بہتر ہے۔ اس تجویز کی حمایت میں سیاست دانوں سے بیانات حاصل کئے جا رہے ہیں۔ دوسرے انہوں نے یہ کہا ہے ان کی دلی خواہش ہے کہ پاکستان میں صدارتی نظام قائم ہو۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حکومت کے حواری یہ بات ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام کے مطابق صدارتی نظام ہی قائم ہو سکتا ہے۔ تیسرے انہوں نے یہ کہا ہے کہ فوجی سربراہوں کو آئینی اختیار ہونا چاہئے کہ وہ جب مناسب سمجھیں حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیں۔ گویا کہ منتخب حکومت کے سر پر ہمیشہ مارشل لاء کی تلوار لٹکتی رہے۔ یہ تمام تجاویز پاکستانی عوام کی خواہشات کی بالکل نفی کرتی ہیں۔

ان خطرات سے مقابلہ کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف بائیں بازو کی جماعتیں اور کارکن متحد ہو کر جدوجہد کریں۔ بلکہ ان تمام جماعتوں اور افراد سے بھی جو حکومت سے باہر ہیں اور مارشل لاء کے خاتمے اور حقیقی جمہوریت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں اتحاد کیا جائے۔ جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے اور سیاسی جماعتیں ان خطرات کو بھانپ رہی ہیں۔ موجودہ سیاسی گھٹن کھوکھلے نعروں، جھوٹے وعدوں، روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی بلیک مارکیٹ، رشوت خوری اور کنبہ پروری کے خلاف دھیرے دھیرے جذبات ابھر رہے ہیں اور عوام کے مختلف حلقے اپنے اپنے مفادات کے لئے جدوجہد کے راستے پر چلنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ وکلاء، طلبا اور محنت کش طبقے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں آمریت اور رجعت پسندی سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں حکمران جماعتوں میں مزید انتشار پھیل رہا ہے اور ملک کے معاشی حالات ان کی گرفت سے باہر ہو رہے ہیں، ارباب اقتدار ایک آتش فشاں کی پرورش کر رہے ہیں اور اس کے دھانے پر بیٹھے خیالی خوشحالی، اصلاح معاشرہ کی بانجھ تحریک کے گیت الاپ رہے ہیں لیکن عنقریب یہ گیت سسکیوں اور آہ و بکا میں تبدیل ہونے والے ہیں۔

نجی ملکیت کے تقدس اور موجودہ غیر جمہوری حکومت کا سب سے بڑا علمبردار اور محافظ روز نامہ نوائے وقت بھی روز بروز دگرگوں ہوتے ہوئے معاشی حالات سے پیدا ہونے والے نتائج کانپ اٹھا ہے اور یکم فروری ۱۹۷۹ء کے اداریہ میں موجودہ صورت حال کو

"اجتماعی خود کشی کا راستہ" قرار دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اداریہ کے مطابق حکومت پاکستان کی طرف سے ملک کی اقتصادی صورت حالات کے متعلق جو تخمینے عالمی بنک کو پیش کئے گئے ہیں ان کے مطابق رواں مالی سال میں بیرونی تجارت میں پاکستان کو بیس ارب روپے کے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ برآمدات سے مجموعی آمدنی ساڑھے پندرہ ارب روپے کے مقابلے میں درآمدت کے مالیت ساڑھے ۳۶ ارب روپے ہو گی۔ اگرچہ بیرونی ملکوں میں مقیم پاکستانی باشندے تیرہ ارب روپے کے لگ بھگ زرمبادلہ بھجوائیں گے۔ لیکن غیر ملکی قرضوں کی اقساط سود وغیرہ کے سلسلے میں بھی کم و بیش اتنی ہی رقم ادا کرنی پڑے گی ...... عالمی بنک کو جو تخمینے پیش کئے گئے ہیں ان میں خسارے کی سرمایہ کاری کا بھی اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ بات ایک ہولناک ستم ظریفی سے کم نہیں ہے..... یہ بات قوم سے ایک بہت بڑا مذاق ہے کہ ایک طرف یہی ماہرین اس بات کو سابق حکمرانوں کے خلاف مالی بے تدبیریوں کا الزام لگانے کیلئے استعمال کرتے ہیں اور دوسری طرف خود بھی خسارے کی سرمایہ کاری کے بدستور مرتکب ہو رہے ہیں موجودہ لیل و نہار سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم انفرادی حیثیت سے کوتاہ اندیشی اور خود غرضی سے کام لے کر اجتماعی خود کشی پر تلے ہوئے ہیں....."

موجودہ نظام کے سرخیل کے یہ خیالات کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔ خطرے کی گھنٹیوں نے خطرات کو جنم دینے اور ان کی نشوونما کرنے والوں کو بھی چونکا دیا ہے لیکن ان حالات سے یہ سمجھنا کہ قوم خودکشی کے راستے پر چل رہی ہے کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔ دراصل ساری قوم اور بچے کھچے پاکستان کو نوائے وقت اور جماعت اسلامی اپنے گھسے پٹے تجربات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے بھیانک عزائم کی تکمیل کے راستے ہیں بے شمار ایسی رکاوٹیں ہیں جنہیں دور کرنا ان کے بس کی بات نہیں بلکہ سب سے بڑی رکاوٹ تو خود پاکستانی عوام ہیں جن کا شعور اپنے تجربات کی بھٹی میں جلایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ رجعت پسند رہنما ضرور اجتماعی خود کشی کے راستے پر چل رہے ہیں اور ان کی خودکشی عوام کو نئی زندگی بخشنے والی ہے۔

جوں جوں سپریم کورٹ میں بھٹو کی اپیل کے فیصلہ کا وقت قریب آتا گیا ان ہولناک معاشی حالات کو چھپانے اور بھٹو کی رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے میدان ہموار کیا جانے لگا۔ پہلے قرطاس ابیض شائع کئے گئے اور انہیں ریڈیو' ٹیلی ویژن اور سرکاری اخبارات میں الف لیلوی کہانیوں کی طرح نشر کیا جانے لگا پھر ٹیلی ویژن پر داستان ظلم کی تصویریں پیش کی

جانے لگیں اور اس فلم کو رنگین بنانے کے لئے یہ اعلانات کئے جانے لگے کہ ۱۲ ربیع الاول (۱۰ فروری ۱۹۷۹ء) کو پاکستان میں نظام اسلام نافذ کر دیا جائے گا اور اس طرح جس نصب العین کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا پورا ہو جائے گا (حالانکہ نصب العین پورا ہونے سے پہلے پاکستان آدھے سے بھی کم رہ گیا ہے(۔)

آخر ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو بھٹو کے تاریخی مقدمہ میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے فیصلہ سنا دیا اور بھٹو کی پھانسی کی سزا بحال رکھنے کا اعلان کر دیا گیا لیکن اس بار فیصلہ متفقہ نہ تھا۔ یہ تاریخی فیصلہ چار اور تین کی نسبت سے ہوا۔ سپریم کورٹ کی اس تقسیم نے ایک نئی تقسیم کی لکیر کھینچ دی ہے اور پاکستان کے مستقبل پر پرچھائیاں ڈال دی ہیں۔

ابھی اس کے متعلق کچھ نہیں کہ جا سکتا کہ بھٹو زندہ رہے گا یا اسے ختم کر دیا جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ معاشی اور معاشرتی بحران گہرا اور شدید ہو رہا ہے ملک کو درپیش قومی مسائل مزید پیچیدہ ہو رہے ہیں پاکستان کے گردو نواح میں زبردست تبدیلیاں آ رہی ہیں اور ۱۹۷۳ء کا آئین خلا میں معلق ہے اور مارشل لا کی عمر بڑھائی جا رہی ہے۔ بھٹو کے متعلق خواہ فیصلہ کچھ بھی ہو اس کے دور رس نتائج مرتب ہوں گے۔ لیکن یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس قسم کے مثبت نتائج نہیں ہوں گے جنہیں حاصل کرنے کے لئے موجودہ حکمران منصوبے بنا رہے ہیں۔

انہی نتائج کو حاصل کرنے کے لئے ۱۲ ربیع الاول کو چند اسلامی قوانین نافذ کرنے کا اعلان کیا گیا۔ یہ قوانین دو قسم کے ہیں اول اسلامی ٹیکسوں کے نظام کے متعلق اور دوسرے جرائم کے سدباب کے لئے۔ اعلان تو یہ کیا گیا تھا کہ ان اسلامی قوانین کو تمام مکاتیب فکر کے علماء کی اشیرباد حاصل ہے لیکن چند روز بعد ہی شیعہ رہنما مفتی جعفر حسین صاحب نے یہ بیان دے دیا کہ انہوں نے ان قوانین سے اتفاق نہیں کیا اور یہ ان کے مسلک کے خلاف ہیں۔

اول الذکر کے تحت زکوۃ اور عشر کی وصولی کا اعلان کیا گیا ہے جبکہ موجودہ ٹیکسوں کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ پراپیگنڈہ اور جذبات کے پردوں کو ذرا اٹھا دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ٹیکسوں کا بوجھ بڑھ جائے گا۔ جبکہ حاصل شدہ سرمایہ محض خیراتی کاموں پر لگایا جائے گا اور پیداواری قوتوں کو بڑھانے اور نئی ملازمتیں مہیا کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یقیناً یہ لائحہ عمل اختیار کرنے سے منفی نتائج برآمد ہوں گے۔

جرائم کی روک تھام کے لئے جو قوانین نافذ کئے گئے ہیں وہ بھی کوئی بنیادی تبدیلی

www.bhutto.org

نہیں سکیں گے۔ اول تو ان قوانین کا دائرہ اس قدر محدود ہے کہ وہ آبادی کے بہت تھوڑے حصے پر لاگو ہوں گے۔ دوسرے آج کے پیچیدہ سماج میں محض تعزیراتی سختی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو پائے گا کیونکہ پرانا سماجی اور معاشی ڈھانچہ اب بھی قائم ہے اور اسی کے بطن کے اندر نیا سرمایہ داری نظام بیرونی قرضوں کی مدد سے نشوونما پا رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پرانا نظام قائم رہے۔ ان کے ٹیکس بھی قائم رہیں۔ پرانے سماجی رشتے بھی قائم رہیں۔ بھوک اور بیروزگاری بھی قائم رہے لیکن اسلام کے نام پر ان کے ساتھ ساتھ نئے ٹیکس اور نئی سزائیں بھی نافذ کی دی جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشی حالات کی روز بروز بڑھتی ہوئی ابتری کے پیش نظر نئے ٹیکسوں کی ضرورت تھی اور ٹیکسوں کو اسلام کے غلاف میں چھپا کر عوام کے کندھوں پر لادنے کی کوشش کی جا رہی ہے عوام کی کمر پرانے ٹیکسوں کے بوجھ تلے پہلے ہی ٹوٹی جا رہی ہے وہ مزید بوجھ کسی صورت برداشت نہ کر پائے گی لوگ آج یہ سوال کر رہے ہیں کہ کیا اسلام کے نظام کا مطلب صرف ٹیکسوں اور تعزیرات تک ہی محدود ہے؟ وہ تو ساری عمر یہی سمجھتے رہے ہیں اور اسی آگہی سے سرشار رہے ہیں کہ اسلامی نظام میں ایک عام آدمی بھی وقت کے خلیفہ سے پوچھ سکتا ہے کہ اس کر کرتہ کیسے بنا جبکہ دوسروں کے کرتے نہیں بن سکے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام میں خلیفہ خود آٹا کندھے پر اٹھائے بھوکوں کے گھر لے جاتا ہے یعنی یہ فریضہ ریاست کا ہے کہ لوگوں کے روٹی' روزگار کا بندوبست کرے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام کی عظیم ترین ہستی جب پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت ایک ارفع چیز ہے اور محنت کرنے والے لوگ عظیم ہیں وہ تو جاننے کے لئے بیقرار تھے کہ آج کے مجتہد موجودہ حالات میں ان عظیم اصولوں کو کیسے عمل میں لاتے ہیں لیکن اس اعلان نے ان کی بے قراری کو مایوسی میں بدل دیا ہے۔ یہ مایوسی روز بروز بڑھتی جائے گی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ نئے قوانین نافذ کرنے والوں کو خود اپنے کھوکھلے پن کا احساس ہونے لگے گا اور زندگی کے تلخ حقائق ان پر واضح کر دیں گے کہ ان کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکے۔

ارباب اختیار اور خاص طور پر جماعت اسلامی اور مفتی محمود صاحب جدید علوم کے تمام سرچشموں کو بند کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اسلام کے نام پر ایک ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں عدل و انصاف کی بجائے بلا شہادت فوجی فیصلے ہیں۔ بات بات پر کوڑوں کی سزائیں ہیں۔ بلا مقدمہ چلائے نظر بندیاں ہیں۔ جمہوریت کی بجائے آمریت ہے۔ صوبائی خود مختاری کی بجائے مرکزیت ہے۔ محرومیاں ہیں' بے بسیاں ہیں'

www.bhutto.org

زبان بندیاں ہیں' سنسر ہے' خوف دہراس ہے اور ملکی یک جہتی کی چولیں ہل رہی ہیں اور ہر پاکستان کے ہونٹوں پر یہ سوال ہے کہ کیا پاکستانی قائم رہے گا؟

دراصل یہ تمام حالات اسی نظام کے پیدا کردہ ہیں جو انگریز سے ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ ہم آج بھی سامراج کے معاشی ' سیاسی اور سماجی شکنجوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہر قدم پر اپنی حفاظت اور اپنی ترقی کے لئے سامراج کی امداد کے منتظر رہتے ہیں ہم نے باوجود زرعی اصلاحات کے آج بھی جاگیرداری نظام کے پرانے ملکیتی رشتے قائم رکھے ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں ہماری صنعتی ترقی کا دم گھٹ رہا ہے اور دیہات کے کروڑوں عوام پس ماندگی' غربت اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس نظام کی وجہ سے بار بار ملک پر کسی نہ کسی قسم کی آمریت مسلط ہو جاتی ہے۔ جب تک سامراجی شکنجوں سے آزادی حاصل نہیں کی جاتی اور پرانا جاگیرداری نظام جڑ سے نہیں اکھیڑ دیا جاتا پاکستان ہمیشہ بحرانوں میں گھرا رہے گا اور اس کی آزادی اور سالمیت خطرے میں گھری رہے گی۔

آج ایک بار پھر ملک میں آمریت قائم ہو گئی ہے اور ٹوٹی پھوٹی پارلیمانی جمہوریت میں جو حقوق عوام نے حاصل کئے تھے وہ بھی مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں اس لئے ایک بالکل نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ سامراجی شکنجوں سے نجات حاصل کرنے اور جاگیرداری نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد اولیت اختیار کر گئی ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ نہ صرف بائیں بازو کی جماعتیں' گروہ اور افراد متحد ہو کر جدوجہد کریں بلکہ ان تمام جماعتوں' گروہوں اور افراد کو آمریت کے خاتمے اور جمہوریت کی بحالی کے لئے متحد کرنا چاہئے۔ جنہیں متحد کیا جا سکتا ہے اور ایک عظیم عوامی تحریک کو منظم کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔

آج بائیں بازو کے چند گروہ جو حقیقت میں دائیں بازو کی سیاست رکھتے ہیں براہ راست سوشلزم کا نعرہ لگانے میں معروف ہیں اور جمہوریت کی جدوجہد کی پھبتی اڑاتے ہیں جو سوشلزم کے لئے کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان حالات میں جمہوریت کے لئے جدوجہد سوشلزم کی جدوجہد کا ایک حصہ ہے اور اسے اولیت حاصل ہے۔ انقلاب کے ان عویداروں کی پالیسیاں موقع پرستی پر مبنی ہیں اور مارشل لا پارٹی کی حمایت میں جاتی ہیں۔ براہ راست سوشلزم لانے کا نعرہ دراصل اس لئے لگایا جاتا ہے کہ موجودہ رجعت پسند آمریت کے خلاف جدوجہد نہ کی جائے اور اسی جدوجہد کو منظم کرنے کے لئے عوام کے

www.bhutto.org

وسیع حلقے جو مختلف پارٹیوں کی رہنمائی قبول کیے ہوئے ہیں ان کے ساتھ متحدہ محاذ نہ بنایا جائے۔ وہ بشارت دے رہے ہیں کہ فوجی حکومت زرعی اصلاحات کرنے والی ہے اور ۱۹۸۰ء میں انقلاب برپا ہونا والا ہے ۔ اس لئے سٹڈی سرکل اور اخبارات کے ذریعے انہیں محض سوشلزم کا پرچار کرتے رہنا چاہئے۔ یہ لائحہ عمل پہلے ہی بائیں بازو کو عوام سے الگ تھلگ کر چکا ہے اور آج بھی عوام سے دور لے جائے گا۔

جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے عوام اور بائیں بازو کے مختلف گروہ اور جمہوری طاقتیں ان خطرات کو بھانپ رہی ہیں جو ملک و قوم کو درپیش ہیں۔ موجودہ سیاسی گھٹن' کھوکھلے نعروں' جھوٹے وعدوں' روز بروز بڑھتی ہوئی منہگائی' بلیک مارکیٹ ' رشوت خوری اورکنبہ پروری کے خلاف دھیرے دھیرے جذبات ابھر رہے ہیں۔ وکلاء طلبا اور محنت کش طبقے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں۔ آمریت اور رجعت پسندی سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ حکمران جماعتوں میں مزید انتشار پھیل رہا ہے اور ملک کے معاشی اور سیاسی حالات ان کی گرفت سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ ارباب اختیار ایک آتش فشاں کی پرورش کر رہے ہیں اور اس کے دھانے پر بیٹھے خیالی خوشحالی اور اصلاح معاشرہ کی بانجھ تحریک کے گیت الاپ رہے ہیں لیکن عنقریب آتش فشاں پھٹنے والا ہے اور یہ گیت سسکیوں اور آہ و بکا میں بدلنے والے ہیں۔

بائیں بازو کا فرض ہے کہ وہ ان حالات میں آگے بڑھے اور بڑھ کر عوامی تحریک کی رہنمائی حاصل کرے اور اپنے آپ کو عوام سے علیحدہ رکھنے اور کنارے پر کھڑے ہو کر موجوں کا نظارہ کرنے کی پالیسی کو ترک کر دے۔ کیونکہ اصل انقلابی سیاست محض خیالات کی تاویلیں پیش کرنا نہیں ہے بلکہ تبدیلی کے عمل میں حصہ لے کر عوام کی رہنمائی حاصل کرنا ہے تاکہ عوام کی حقیقی حاکیت کو نافذ کیا جا سکے۔

www.bhutto.org

ایک المیہ۔ ایک سبق

پاکستان مزدور کسان پارٹی کی طرف سے یہ دوسرا کتابچہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے پارٹی کے جنرل سیکرٹری سردار شوکت علی کا پمفلٹ "اجتماعی خودکشی کا راستہ" شروع مارشل لا سے لے کر فروری ۱۹۷۹ء تک کے سیاسی' معاشی اور سماجی حالات کے تجزیے پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ملکی سیاست میں ایک نہایت اہم واقعہ رونما ہوا یعنی پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو حکومت کی طرف سے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔

یہ واقعہ اس لحاظ سے بھی ایک گھمبیر المیہ ہے کہ پاکستان میں سب سے بڑی پارٹی کے چیئرمین اور کروڑوں لوگوں کے رہنما کو موت سے ہمکنار کر دیا گیا مگر اس پارٹی کے وہ بے شمار کارکن جو اپنی جانیں بھی نچھاور کر سکتے ہیں اور انہوں نے کیں بھی' وہ اپنے قائد کو اس جال سے کیوں نہ بچا سکے اور اتنی بڑی سیاسی پارٹی اپنے سربراہ کے لئے وہ کچھ کیوں نہ کر سکی' جس کی توقع کی جانی چاہئے اس کے علاوہ پیپلزپارٹی کے دور حکومت میں اور پھر فوجی حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد ملک کی معیشت اور سیاست میں ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات اور نتائج کیا اور کس طرح واقعہ ہوئے اس مختصر کتاب میں انہی باتوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ بلا شبہ ایسی فضا میں جب کہ عوام کی اکثریت ابھی تک جذباتی انداز سے ہی سوچ رہی ہو اور وہ صرف اپنے جذبات سے ہم آہنگ باتیں ہی سننا پسند کرتے ہوں ایسی تنقیدی کتاب لوگوں کے سامنے پیش کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن سائنسی اور حقیقی نکتہ نظر سے لکھنے والا مورخ اپنے قلم کو عوام کی رہنمائی کے لئے ضرور استعمال کرتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ بائیں بازو کے کارکنوں کے لئے حالات حاضرہ پر یہ کتاب ایک اچھا اضافہ ہو گی اور پیپلزپارٹی کے باشعور کارکن اس کتاب کے مندرجات کو سامنے رکھ کر اپنی سیاسی اور تنظیمی پالیسیوں کا جائزہ لے کر سبق حاصل کر سکیں گے۔

پرویز فرہاد

۳/۷/۷۹

www.bhutto.org

آخر مارشل لا اور قومی اتحاد کی حکومت نے ۴ اپریل کی رات کے اندھیروں میں زبردست حفاظتی انتظامات کے جلو میں چپکے سے پاکستان کے سابق وزیر اعظم صدر اور اسلامی سربراہی کانفرنس کے صدر کو محمد احمد خاں کے مقدمہ قتل میں پھانسی پر لٹکا دیا اور اس کی نعش کو نوڈیرو میں فوجی پہرے داروں کی حفاظت میں دفن کر دیا گیا۔ پھانسی دینے سے چند روز پہلے میاں طفیل محمد (جماعت اسلامی) نے شاہ خالد سے ملاقات کی اور ریاض سے واپسی پر صدر ضیاء الحق سے ملے۔ قومی اتحاد کے سربراہ مفتی محمود اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما ولی خاں بھی صدر سے ملاقات کی۔ نوائے وقت کے ایڈیٹر مجید نظامی کو بھی انہی دنوں صدرِ مملکت سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور جمی کارٹر صدر امریکہ نے صدر پاکستان سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا۔ ان اہم ملاقاتوں اور اہم ترین ٹیلیفون کے بعد بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بعد قومی اتحاد کے اکثر رہنماؤں ریٹائرڈ ججوں اور اونچے کاروباری لوگوں نے کہا کہ بھٹو کو پھانسی دے کر پاکستان میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو گیا ہے اور عدلیہ کے وقار کو چار چاند لگ گئے ہیں۔

سپریم کورٹ میں بھٹو کی اپیل نو ججوں نے سننی شروع کی تھی لیکن حکومت نے دو ججوں کو انصاف کے تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے فیصلے سے پہلے ہی ریٹائرڈ کر دیا اور تین ججوں نے نہایت موثر انداز میں بھٹو کو بے گناہ قرار دیا اور باقی چار ججوں نے لاہور ہائی کورٹ کے دیئے ہوئے سزائے موت کے فیصلے پر مہر تائید ثبت کر دی۔ بھٹو نے خود رحم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس کی پارٹی' بڑی بہن اور چند دوسرے افراد نے رحم کی اپیل کر دی۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کے سیاست دانوں اور قومی رہنماؤں اور حکومتی سربراہوں نے بھٹو کی جان بخشی کے لئے بار بار اپیلیں کیں لیکن ان اپیلوں کو مسترد کر دیا گیا کہ وہ سیاست دانوں کی ٹریڈیونینوں کی اپیلیں ہیں۔ ان سیاسی ٹریڈ یونین رہنماؤں میں روس' چین' برطانیہ' فرانس' جرمنی' آسٹریلیا' کینیڈا اور شاہ خالد سمیت تمام اسلامی ممالک کے رہنما (سوائے اردن کے) شامل تھے۔ پھانسی کی سزا کے عملدرآمد کے بعد دنیا بھر کے رہنماؤں نے سخت افسوس کا اظہار کیا۔ لیبیا میں تو تمام مساجد میں بھٹو کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔ ہندوستانی کشمیر میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور جماعت اسلامی کے دفتروں کو جلایا گیا۔ حتیٰ کہ کھٹمنڈو میں پانچ صد طلبہ اور برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں نے بار بار مظاہرے کئے۔

پاکستان کے اندر محنت کش عوام نچلے اور درمیانے طبقے' خواتین اور ترقی پسند

www.bhutto.org

دانشوروں میں غم و غصہ کی لہر ڈور گئی جگہ جگہ نماز جنازہ پڑھائی گئی کئی بڑے شہروں میں بپھرے ہوئے نوجوانوں نے مارشل لا کے تمام ضابطوں اور پولیس کے بھاری انتظامات کے باوجود سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا اور کئی جگہ پر پولیس کا مقابلہ کیا۔ چند دنوں میں ہزاروں لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمات چلا کر قید اور کوڑوں کی سزائیں سنا دی گئیں۔ حالانکہ ۴ اپریل سے پہلے ہی ہزاروں سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کو جیلوں میں بند کیا جا چکا تھا۔ چنانچہ عدل و انصاف کا بول بالا کرنے اور عدلیہ کے وقار کی مزید نشوونما کے لئے قدم قدم پر پولیس کے پہرے بٹھا دیئے گئے اور سرسری فوجی عدالتوں اور امتناعی نظربندی کے قانون کو خوب خوب استعمال کیا گیا۔ عدلیہ کے وقار کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لئے عادلوں کو پولیس کے پہروں میں محفوظ کر دیا گیا۔ اسلامی انصاف کا بول بالا کرنے کے لئے شاید یہ بھی ضروری تھا کہ چار اور تین کی نسبت سے ہونے والے فیصلہ پر تو نہایت عجلت سے عملدرآمد کیا جائے لیکن برطانوی سرکار کے کاسہ لیس اور پاکستانی عوام کے دشمن شخص کے جن تین ملزموں نے اقبال جرم کیا اور جن کی سزائے موت کی سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر توثیق کی تھی ان کی پھانسی کو کسی نہ کسی بہانے روک دیا گیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں گے کہ اصل قاتلوں کو کبھی تختہ دار پر چڑھانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

جماعت اسلامی کا کردار

اس سارے مقدمے کا ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ تین اقبالی ملزموں کی طرف سے سرکاری خرچ پر جماعت اسلامی کے ایک شخص ارشاد قریشی کو وکیل مقرر کیا گیا جس نے زندگی میں شائد ہی قتل کا کوئی مقدمہ کیا ہو۔ اسے تقریباً سوا دو لاکھ روپے فیس کے ادا کیے گئے۔ ملکی خزانے سے ادا ہونے والی اس رقم کے عوض صالحین کے عظیم گروہ کے اس فرد نے اپنے پیشہ وارانہ فرائض اتنے احسن طریقے سے ادا کیے کہ ملزموں کو پورا پورا یقین دلا دیا کہ ان کی جان بخشی صرف اور صرف اسی میں ہے کہ وہ اقبال جرم کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اقبال جرم کر لیا اور سزائے موت پائی۔ ان سے اقبال جرم صرف اسی لئے کرایا گیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو سارا مقدمہ دھڑام سے نیچے آ گرتا اور کسی ملزم کو سزا ہونے کا رتی بھر بھی جواز نہ رہتا اور ذوالفقار علی بھٹو کو بھی سزا نہ ہو سکتی جس سے سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ چنانچہ ان حالات کے پیش نظر سپریم کورٹ کے ایک جج نے اپنے اختلافی فیصلہ میں

www.bhutto.org

سازش در سازش کی طرف بھی اشارہ کیا۔

اسلامی نظام کا بول بالا

ان حلقوں کی طرف سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ پھانسی کے اس فیصلے پر عملدر آمد سے اسلامی نظام کا بول بالا ہوا ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پاکستان میں چھوٹے اور بڑے سبھی اسلامی انصاف کے ایک ہی ترازو میں تولے جاتے ہیں۔ شاید اسی مفروضے کو درست ثابت کرنے کے لئے "اسلامی نظام" کا نفاذ کرنے والی بے گناہ طالب علم کے قتل میں ملوث ہے (جس کی عینی شہادت بھی موجودہ ہے) وہ وزیر بھی "اسلامی نظام" کے نفاذ کے لئے رات دن ایک کر رہا ہے اس کے علاوہ ایک اور عجب ستم ظریفی ہے کہ جس قانون کے تحت مقدمہ چلا اور سزا دی گئی وہ تو برطانوی غلامی کے دور کی یاد گار ہے اور قانون شہادت جس کے تحت شہادتیں ہوئیں) وہ بھی سامراجی حاکموں کا بنایا ہوا ہے لیکن سزا دینے ور اس پر عملدر آمد سے بول بالا اسلامی نظام کا ہو گیا ہے اسلامی نظام اور اسلامی انصاف کا بول بالا کرنے کے لئے شاید یہ بھی ضروری تھا کہ جس شخص کو پھانسی دی جانی تھی اس کی بیوی اور لڑکی کو بلا مقدمہ چلائے نظر بند کر دیا جائے اور مرحوم کے جسد خاکی کو لحد میں اتارتے وقت انہیں موقعہ ہی نہ دیا جائے کہ وہ آخری بار اس کا منہ دیکھ سکیں اور تین دن بعد انہیں مٹی کے ڈھیر پر بے ہوش ہونے کے لئے خاص طیارے کے ذریعے نوڈیرو پہنچایا جائے اور اسلامی انصاف کا شاید یہ تقاضا پورا کرنا بھی ضروری ہے کہ جس قبرستان میں بھٹو کو دفن کیا گیا اس پر کئی روز تک فوجی پہرہ بٹھا دیا جائے اور دعائے مغفرت کہنے والوں کو قبر کے نزدیک بھی بھٹکنے نہ دیا جائے۔

بھٹو کی متنازعہ شخصیت

بھٹو کی شخصیت نہایت ہی متنازعہ بن چکی ہے۔ ایک طرف جماعت اسلامی اور دوسرے کٹر مذہبی جنونی بڑے بڑے بلیک مار کیٹئے اور دوہرے حسابات رکھنے والے بڑے بڑے دوکاندار اور تجارت پیشہ لوگ' سرمایہ دار' جاگیردار اور نوکر شاہی کے رجعت پسند حلقے اور قومی اتحاد کے رہنما ہیں۔ جنہوں نے بھٹو کی موت کو خس کم جہاں پاک کہہ کر لبیک کہا ہے اور خوشیاں منائی ہیں چراغاں کیا ہے۔ مٹھائیاں تقسیم کی ہیں اور لڈو بانٹے ہیں۔ وہ مطمئن ہیں کہ پاکستان کو ایک اژدھے سے نجات مل گئی ہے پاکستان اور بھٹو دو متضاد چیزیں

تھیں۔ لہٰذا بھٹو کا خاتمہ پاکستان کی زندگی ہے چنانچہ نوائے وقت کے ایڈیٹر اور ہر حکومت کے کرائے کے مضمون نگار مسٹر سلہری ان موضوعات پر صفحے پر صفحے سیاہ کر رہے ہیں اور یہ مژدہ سنا رہے ہیں کہ بھٹو کے خاتمے کے بعد اب پاکستان کی رکی ہوئی ترقی پھر سے رواں دواں ہو گی اور پاکستان میں اسلامی نظام کی کامیابی کے تمام راستے کھل جائیں گے۔

دوسری طرف لاکھوں محنت کش، نوجوان، بوڑھے مرد اور عورتیں اور درمیانہ طبقہ کے لوگ اور ترقی پسند دانشوروں کی اکثریت ہے جو بھٹو کی موت کو ایک المیہ قرار دے رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بھٹو کی موت دراصل ترقی پسند قوتوں پر ایک کاری ضرب ہے رجعت پسندوں کی فتح ہے۔ بھٹو کی موت سے حکمران رجعتی ٹولے نے ہر قسم کی ترقی پسندی کے خاتمہ کے لئے راستہ ہموار کیا ہے اور محنت کشوں کو کچلنے کے لئے راہ ہموار کی ہے اور عام لوگ گلی محلوں اور بستیوں میں نوحہ کناں ہیں۔ ان پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ گھر گھر میں سوگ ہے جیسے ہر گھر کا لخت جگر ان سے چھین لیا گیا ہو۔ بھٹو کے چالیسواں پر ۱۱ مئی کو لاکھوں عوام کا جم غفیر بھٹو کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے نوڈیرو پر ملک کے کونے کونے سے امڈ آیا۔ لوگ بھٹو کی قبر کی مٹی کو آنکھوں سے لگا رہے ہیں اور ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے یاد کر رہے ہیں۔ جیسے ان کا واحد محسن اس جہاں سے اٹھ گیا ہو۔

اس متضاد ردعمل کے ماحول میں کئی سوالات ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں لوگ پوچھتے ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو جس کی ہر دلعزیزی بے پایاں تھی جس کی آواز پر لاکھوں لوگ لبیک کہتے تھے جس کو بچانے کے لئے ہزاروں نوجوانوں نے کوڑے کھائے اور زندگی کے نذرانے پیش کئے اسے موجودہ حکمران کیونکر پھانسی دینے میں کامیاب ہو گئے۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بھٹو کو ایک ایسے شخص کے قتل کے الزام میں پھانسی دے دی گئی جو برطانوی سرکار کا کاسہ لیس تھا اور جو مرتے دم تک انگریز بہادر کی تنظیموں کے غلامانہ گیت الاپتا نہیں تھکتا تھا اور جس کے خاندان نے پاکستان کی مخالف میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اور اگر محض اس شخص کے قتل کے جرم میں پھانسی دے دی گئی ہے تو تین حقیقی قاتلوں کو جنہوں نے اقبال جرم کیا اور سزائے موت سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر بحال رکھی انہیں پھانسی کیوں نہیں دی گئی۔ اور ان کی زندگیوں کو لمبا کرنے کے لئے کیوں مختلف بچگانہ جواز ڈھونڈے جا رہے ہیں؟

یہ اور ایسے ہی کئی اور سوالات ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم بھٹو کی اچھائیوں اور برائیوں' اس کی کامیابیوں ناکامیوں اس کی سیاست کے روشن اور سیاہ پہلوؤں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا اس نے پاکستانی سماج کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کی یا اس کی ترقی کے آگے بند باندھے۔ اس نے پاکستانی عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی یا اسے اندھیروں میں ڈبو دیا۔ اس نے پاکستان کے بین الاقوامی وقار کو بڑھایا یا اسے بٹہ لگایا۔ اس نے پاکستان کی آزادی کو مستحکم کرنے کی جدوجہد کی یا اسے کھوکھلا کرتا رہا۔

اور پھر سب سوالوں کا یہ سوال ہے کہ بھٹو کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ کیا بھٹو کو پھانسی دے کر پاکستان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا گیا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو سندھ کے بڑے جاگیردارانہ گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس نے تعلیم مغرب کی جدید یونیورسٹیوں میں پائی تھی اور جدید معاشرتی علوم سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ چنانچہ جاگیری' سماجی پس منظر کے ساتھ ساتھ جدید سماجی تبدیلی کے نظریات سے بھی بہرہ ور تھا۔ وہ نہایت ذہین' فطین اور زیرک ہونے کے علاوہ محنتی' نڈر اور بے باک تھا۔ ایک طرف تو وہ جدید انقلابی علوم اور جدید دنیا کے سائنسی تجربات اور عمل کے گہرے ادراک کی وجہ سے سماجی تبدیلی کے لئے عوام کی بے پایاں طاقت کو نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ اسے استعمال کرنا بھی جانتا تھا۔ لیکن دوسری طرف جاگیری پس منظر کے باعث وہ اپنے آپ کو ان سماجی قوانین سے بالاتر اور مافوق الفطرت سمجھتا تھا - اور اپنے قریب ترین دوستوں کو بھی اختیارات میں حصہ دار بنانے کو تیار نہ تھا اسی خصوصیت کی بنا پر وہ اپنے اور عوام کے درمیان کسی طاقت کو حائل نہیں ہونے دیتا تھا - حتیٰ کہ عوام سے منظم اور بار آور رابطے کا جدید ذریعہ - سیاسی پارٹی کو بھی منظم اور متحد دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا کیونکہ اسے بے جا اندیشہ تھا کہ ایک مضبوط اور منظم سیاسی پارٹی اس کی ذات کی مقناطیسی طاقت اور اثر و رسوخ کی آبیاری سے اس سے بھی زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہو جائے گی۔

بھٹو صاحب اپنے فیوڈل پس منظر اور اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہونے کی وجہ سے کسی سیاسی پارٹی میں کام کر کے نیچے سے اوپر جانے کی بجائے ایوب خان کے مارشل لاء کے پہلے کابینہ میں براہ راست وزیر بن گئے - اور ایک اہم قلمدان وزارت ان کے سپرد کر دیا گیا - وہ کافی عرصہ تک ایک عام ایوبی وزیر کی طرح کام کرتے رہے لیکن ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران جبکہ ہر پاکستانی کا کان ٹرانسسٹر سے لگا ہوا تھا۔ اور خواندہ آبادی اخبارات

کی طرف رجوع کر رہی تھی' اور جنگ کے بعد جب ایوب خاں نے اپنے کابینہ میں توازن قائم رکھنے کے لئے امریکہ کے منظور نظر شعیب قریشی کو چھٹی دے دی تو کابینہ میں توازن قائم رکھنے کے لئے اس کے مد مقابل بھٹو کو بھی کابینہ سے نکال دیا گیا۔

بھٹو صاحب کے سامنے اس وقت دو راستے تھے۔ ایوب خاں کے مشورہ کے مطابق سیاست سے دستبردار ہو جانا۔ دوئم عوامی سیاست' جس میں عنقریب جوار بھاٹا اٹھنے والا تھا'میں حصہ لینا۔ بھٹو نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور چند ماہ بیرون ملک رہ کر آتے ہی اس عوامی جوار بھاٹا میں کود پڑا۔ اس نے محنت کشوں کا وہ نعرہ اپنا لیا جو ۱۹۵۰ء سے رائج تھا لیکن جسے عوامی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اور گلی گلی میں "روٹی' کپڑا اور مکان" کا نعرہ گونجنے لگا۔ اس نے نہایت سوچ سمجھ کر پاکستانی عوام کے مزاج اور سماجی ماحول اور زمانے کی ضرورت کے مطابق اپنی پالیسی کے تین بنیادی ستون چنے۔ یعنی اسلام ہمارا دین ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے۔"

بھٹو صاحب ۱۹۶۹ء میں ہی روندے' کچلے' بے بس اور مقہور عوام کے خیالات اور امیدوں کا محور بن چکے تھے۔ عوام انہیں اپنا نجات دہندہ تصور کرنے لگے تھے اور خاص طور پر پنجاب میں انہیں روائتی ہیرو کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ وہ ہر دکھ' تکلیف اور مصیبت کا تریاق بن کر لٹے پٹے عوام کے خون کو گرمانے لگے۔ تلوار کا نشان تھامے پیپلز پارٹی کے امیدواران اسمبلی نے بھٹو کی قیادت میں شعلے برسانے والی تقریروں سے غریب اور مفلس عوام کی صدیوں کی بے بسی اور مایوسیوں کو ختم کر دیا۔ اور ان کے سامنے اک نئی دنیا کے دروا کر دیئے۔ پرانے نظام کے جورو ستم اور پولیس کے ناجائز تشدد اور ظلم اور افسرشاہی کے حاکمانہ اور حقارت آمیز رویے اور رشوت خوری کے خلاف گاؤں گاؤں' گلی گلی میں نعروں کا طوفان اٹھائے۔ مودودی نے نعرہ بلند کیا کہ سوشلسٹوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لیں۔ لیکن پیپلز پارٹی کی نچلی صفوں کے جذباتیت سے بھرپور کارکنوں نے بائیں بازو کے چند گروہوں کے ساتھ مل کر دیہاتی محنت کشوں کی امنگوں اور امیدوں کو "جیہڑا واہوے او ہوای کھاوے" کے گھمبیر نعرہ میں سمو دیا۔ اور اسمبلی کے امیدواران نے قرآن ہاتھ میں لے کر بے زمین کسانوں میں ساڑھے بارہ ایکڑ اراضی دینے کا وعدہ کیا۔ بلکہ بعض علاقوں میں ساڑھے بارہ ایکڑ اراضی کے لئے پرچیاں تقسیم کر دیں۔ جنہیں دیہاتی عوام نے اپنی عزیز ترین متاع سمجھ کر اپنے پلے باندھ لیا۔

جماعت اسلامی' جمعیت العلمائے پاکستان' اہل حدیث اور دوسرے علماء نے ان نعروں

کو شکست دینے کے لئے فتووں کا مینہ برسا دیا۔

لیکن ۷؍ دسمبر ۱۹۷۰ء کی شام کو جب ریڈیو پر انتخابات کے نتائج کا اعلان ہونا شروع ہوا تو تمام فتوے خاک میں پڑے تڑپتے نظر آئے۔ جاگیری نظام کے علمبرداروں اور پرانے رجعت پسندوں کے جادو ٹونے ٹوٹ گئے اور فیوڈل سوشلزم میں لپٹی ہوئی نئے نو آبادیاتی نظام کی نئی سرمایہ داری کے نمائندے اسلامی سوشلزم اور مساواتِ محمدیؐ کے جھنڈے اٹھائے مغربی پاکستان کے دو بڑے صوبوں پر چھا گئے۔

یحییٰ خاں نے مزید ایک سال کے لئے مارشل لا کی سیاہ رات پاکستان پر مسلط کر دی۔ اور آخر پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور مغربی پاکستان میں اقتدار صدر بھٹو کو منتقل ہو گیا۔

بھٹو کے عہد کی اصلاحات

چنانچہ بھٹو صاحب نے اقتدار سنبھالنے کے چند ماہ بعد پہلی مارچ ۱۹۷۲ء کو زرعی اصلاحات کا نفاذ ان الفاظ میں کیا۔

ہم وطنو' مزارعو۔ ہاریو!

آج کی رات تمہاری رات ہے۔ میں تم سے زرعی اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرنے والا ہوں۔ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے وہ ظالمانہ اور غیرمنصفانہ زرعی نظام بدل دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جن کو تم صدیوں سے خاموشی کے ساتھ برداشت کر رہے تھے.... آج کا دن عہد آفریں دن ہے کیونکہ ہم نے ایک ہی ضرب میں وہ روگ جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے جس نے اس ارضِ حسین کا چہرہ صدیوں سے مسخ کر رکھا ہے۔ ہم نے اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے لئے ایک جرات آزما نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ہم نے اپنی نسلوں کا مستقبل محفوظ کر دیا ہے میں خدا اور اس کے بندوں کے سامنے سرخرو ہو رہا ہوں۔ آج کے دن پاکستان کو ایک نئے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ تاریخ میں کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے۔ اس لئے کتاب آزادی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ زنجیریں کٹ رہی ہیں۔ آؤ ہم سب مل کر جشن منائیں......"

مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد آج تک کسی پاکستانی رہنما نے عوام کو ان الفاظ سے مخاطب نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہیں مل کر جشن منانے کی دعوت دی تھی۔ بھٹو صاحب کی زرعی اصلاحات کے عملی نتائج خواہ کچھ ہی ہوں یہ ہمدردانہ اور دوستانہ الفاظ مظلوم و مقہور عوام کے دلوں میں اترتے چلے گئے۔ ان کی نظر میں صدیوں بعد اس خطہ زمین پر ایسا

www.bhutto.org

رہنما پیدا ہوا تھا جو ان کے دکھ درد بانٹنے کے لئے آواز دے رہا تھا۔ اور ان کے شانہ بشانہ جشن منانے کی دعوت دے رہا تھا۔

☆ پہلی مارچ ۱۹۷۲ء کے اعلان کے مطابق کوئی شخص ڈیڑھ صد ایکڑ نہری یا چاہی اور ۳۰۰ ایکڑ بارانی زمین یا پندرہ ہزار یونٹوں سے زائد زمین ایک وقت میں اپنے پاس نہ رکھ سکتا تھا۔

☆ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے پہلے جس نے دس ہارس پاور کا ٹیوب ویل لگا رکھا تھا یا ٹریکٹر خرید رکھا تھا اسے اٹھارہ ہزار یونٹوں کی زمین رکھنے کی اجازت تھی۔

☆ پہلی جنوری ۱۹۵۹ء کے بعد اگر کسی افسر نے ۴ مربعہ سے زائد زمین حاصل کر رکھی تھی وہ خواہ کسی کو منتقل ہی کیوں نہ کی گئی ہو۔ بلا معاوضہ ضبط کر لی جائیں گی۔

☆ گھوڑی پال اور گائے پال مربعے بلا معاوضہ ضبط کر لئے جائیں گے اور حکومت کی ملکیت بن جائیں گے۔

☆ تمام شکارگاہیں حکومت کی ملکیت بن جائیں گی۔

☆ آبیانہ اور دوسرے تمام ٹیکس اراضی کے مالک کو ادا کرنے ہوں گے۔ نیز بیج کے اخراجات بھی مالک کو ادا کرنے ہوں گے۔ کھاد اور کیڑے مار ادویات وغیرہ کا خرچ مالک اور مزارع کے ذمہ نصف نصف ہو گا۔

☆ مزارع کا حق شفع سب سے فائق ہو گا۔

☆ پٹ فیڈر (بلوچستان) کی چھ لاکھ ایکڑ اراضی بلا معاوضہ حاصل کر کے بے زمین کاشت کاروں میں یا کم زمین کے مالکان میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا۔

☆ حکومت کی زمینیں پاکستانی افواج کے لئے بھی ریزرو کی گئیں۔

یہ بھی اعلان کیا گیا کہ زرعی اصلاحات سے حاصل ہونے والی تمام زمینیں بلا معاوضہ لی جائیں گی اور بلا معاوضہ کاشت کاروں کو دی جائیں گی۔

پہلے اعلان کے مطابق جب گوشوارے حاصل کئے گئے تو تقسیم کے لئے زمینیں میسر نہ آ سکیں۔ چنانچہ پہلے حکم میں ترمیم کر کے ۱۲ ہزار یونٹوں کی حد مقرر کی گئی اور ٹیوب ویل اور ٹریکٹر رکھنے والے کو مزید ۲ ہزار یونٹ رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

ان زرعی اصلاحات کے تحت پنجاب میں دو لاکھ چالیس ہزار ایکڑ' سندھ میں دو لاکھ اکیاون ہزار ایکڑ اور صوبہ سرحد میں اٹھارہ ہزار سات سو ایکڑ اراضی دستیاب ہوئی لیکن زمینداروں نے سب سے نکمی اراضی حکومت کے حوالے کی۔

www.bhutto.org

انتخابات کے موقع پر جنوری ۱۹۷۷ء میں نئی زرعی اصلاحات کا اعلان کیا گیا اور حد ملکیت چار مربع یا ۸ ہزار یونٹ مقرر کی گئی۔ ان زرعی اصلاحات سے حاصل شدہ اراضی مزارعین میں بلا معاوضہ تقسیم کر دی گئی۔

مزارعین کے لئے آبیانہ اور بیج کے قانون کے نتیجے میں ساڑھے بارہ ایکڑ نہری اراضی کاشت کرنے والے مزارعہ کو تقریباً سوا تین صد روپیہ سالانہ کی بچت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ دیہات کے بے گھر لوگوں کے لئے ۵ مرلہ سکیم رائج کی گئی۔ اس سکیم کے مطابق مالکان اراضی سے اراضی لے کر پانچ پانچ مرلہ اراضی تمام ان خاندانوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جن کے پاس اپنے گھر نہیں ہیں۔

مزارعین کی بے دخلی کے متعلق قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن سے مزارعین کو پہلے سے زیادہ تحفظ حاصل ہوا۔ ان زرعی اصلاحات کے نتیجے میں تقریباً پچاس ساٹھ ہزار بے زمین یا کم زمین والے کاشت کاروں کو اراضی دستیاب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ جس ملک کی ۷۵ فیصد آبادی دیہات میں بسی ہو ان کی زندگی میں قومی بنیادوں پر کوئی بڑی تبدیلی واقع نہ ہو سکی۔ لیکن بلا قیمت مزارعین کو زمین تقسیم کرنے کے اصول نے بے زمین لوگوں اور گذارہ یونٹ سے کم اراضی کے مالکان میں امید کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔

دراصل ایوب خاں کی زرعی اصلاحات کے بعد زمینداروں کی اکثریت نے اپنی اراضیات اپنے خاندان کے مختلف افراد میں اس طرح تقسیم کر دی تھیں کہ زرعی اصلاحات اگر ہوں تو ان کی زد میں نہ آسکیں۔ چنانچہ وہی ہوا۔

اسی طرح آبیانہ اور بیج کے متعلق اصلاحات سے جو فائدہ غریب کاشت کاروں کو پہنچنا چاہئے تھا وہ بھی نہ پہنچ سکا۔ دیہاتی محنت کشوں اور مزارعین کی کوئی باثر تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ اصلاحات محض زینت بن کر رہ گئیں۔ بلکہ زرعی اصلاحات نافذ کرنے والی پارٹی کے رکن کسی زمیندار نے بھی ان اصلاحات پر عمل نہ کرتے ہوئے نہ تو آبیانہ ہی ادا کیا اور نہ بیج کی قیمت ادا کی۔

ان حقائق کے پیش نظر اس خیال کا عام طور پر اظہار کیا گیا کہ بھٹو صاحب نے تو غریبوں کے لئے بہت کچھ کیا ہے لیکن اس کی پارٹی کے اندر گھسے ہوئے مفاد پرست اس کا بس نہیں چلنے دیتے۔

زرعی اصلاحات سے بھی قبل پہلی جنوری ۱۹۷۲ء کے معاشی اصلاحات کے حکم کے تحت بھٹو حکومت نے ۳۲ صنعتی اداروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ان میں حسب ذیل

www.bhutto.org

صنعتیں شامل تھیں۔

(۱) لوہے اور فولاد کی صنعتیں (۲) بنیادی دھاتوں کی صنعتیں (۳) بھاری انجینئرنگ کی صنعتیں (۴) بجلی کی بھاری صنعتیں (۵) موٹروں کی تیاری اور جوڑنے کے کارخانے (۶) ٹریکٹروں کے جوڑنے اور تیاری کے کارخانے (۷) بھاری اور بنیادی کی کیمیکل صنعتیں (۸) پیٹرو کیمیکل کی صنعتیں (۹) سیمنٹ کی صنعتیں (۱۰) پبلک ضروریات کے ادارے (۱۱) بجلی پیدا کرنے اور تقسیم کرنے کی صنعتیں (۱۲) گیس اور تیل صاف کرنے کے کارخانے۔

ان صنعتوں کو قبضے میں لینے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ ہر شہری کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایسی بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔ جس کے بغیر صحیح معنوں میں ترقی نہیں ہو سکتی۔

○ اگست ۱۹۷۳ء میں ایسے قوانین وضع کئے گئے جن کے تحت معاوضے کی ادائیگی کی بنیادوں پر ان صنعتوں کے حصص خریدے جا سکتے تھے۔ مارچ ۱۹۷۴ء میں منڈی کے بھاؤ کے مطابق ان کے مالکان کو معاوضہ ادا کرنے کے متعلق قوانین بنائے گئے۔

○ مینجنگ ایجنسیوں کا نظام ختم کر دیا گیا اس نظام کے ذریعے ہی چند گھرانے صنعتی سیکٹر اور ملک کے ۸۰ فیصد اثاثوں پر قابض ہو گئے تھے۔

○ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء کو بناسپتی گھی پیدا کرنے والے ۲۶ صنعتی یونٹوں کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ ان میں سے ۱۴ پنجاب اور ۱۲ سندھ میں تھے۔

○ جنوری ۱۹۷۴ء میں ایک قانون کے ذریعے جہاز تیار کرنے کی صنعت کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

○ اس کے بعد فلور ملوں، دھان چھڑنے کے کارخانوں اور جننگ فیکٹریوں کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

○ مزدوروں کے لئے ٹریڈ یونین قوانین بنائے گئے جن کے تحت انہیں کچھ حد تک ملازمت کے تحفظ کا حق دیا گیا۔

○ بین الاقوامی سامراجی دباؤ اور ملکی حالات کے پیش نظر روپے کی قیمت میں بہت زیادہ کمی کر دی گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوبارہ محنت کشوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔

○ تمام سکولوں اور کالجوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

○ پرانی نوکر شاہی کی طاقت میں کمی کرنے کے لئے نئی نوکر شاہی وجود میں لائی گئی اور براہ راست بھرتی کا سلسلہ رائج کیا گیا۔

www.bhutto.org

اصلاحات پر ایک تنقیدی نظر

بھٹو دور کی اصلاحات کے خلاف ایک طرف بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور اسے سوشلسٹ معیشت کے نام سے موسوم کرنے لگے اور دوسری طرف بائیں بازو نے بجا طور پر یہ کہا کہ ان اصلاحات سے مسائل حل نہ ہوں گے۔ گو ان اصلاحات سے سماجی ترقی کی شاہراہ پر ایک قدم آگے کی طرف اٹھایا گیا ہے۔

کیا ان اصلاحات سے سوشلسٹ نظام برپا کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ کسی کارخانے کو محض قومی ملکیت میں لے لی لینا اور پبلک سیکٹر قائم کرنے سے سوشلزم قائم نہیں ہوتا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ملک کی سب سے بڑی صنعت ریلوے حکومت کی ملکیت میں تھی تو کیا برطانوی سامراج پاکستان میں سوشلزم لانے کے لئے اقدامات کر رہا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ برطانوی سامراجی ضروریات کے لئے ریلوے کی صنعت حکومتی ملکیت میں رکھی گئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء۔۷۱ کے حالات کے پیش نظر جبکہ ملک دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔ اور نو آبادیاتی معاشی ریاستی ڈھانچہ زیادہ بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا تبدیلی کے عمل سے دو چار فیوڈل اور نو آبادیاتی سرمایہ دارانہ ریاست کو مضبوط کرنے کے لئے ان تمام صنعتوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ سرمایہ دارانہ ترقی کے راستے پر یقیناً یہ قدم آگے کی طرف تھا۔ بلکہ آخری قدم تھا۔ کیونکہ ریاستی سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اور انقلاب کے بعد محنت کشوں کی حکومت کو ملکیتی رشتے میں تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ صرف پرانی انتظامیہ کو بدل کر محنت کشوں کی نئی انتظامیہ کو لانا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سامراج کے طفیلی سرمایہ داری نظام کے اندر محنت کشوں کو نجی اداروں سے یقیناً بہتر شرائط ملازمت میسر آتی ہیں۔

سرمایہ داروں نے اس زاویہ سے بھی ان اصلاحات کے خلاف پراپیگنڈہ کھول دیا کہ ان کے گاڑھے پسینے اور بے انداز قربانیوں سے قائم شدہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے کر مزید سرمایہ کاری کے راستے مسدود کر دیے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یہ صنعتیں سامراجی سرمائے (جو حکومت کے قرضوں کی شکل میں وصول ہوئے اور جن کی بدولت پاکستان آج ۱۰۰۔ ارب روپے کا مقروض ہے اور کئی ارب روپیہ اسے ہر سال اصل و سود کے طور ادا کرنا ہوتا ہے) پاکستانی عوام کے بنکوں میں جمع شدہ روپے سے وجود میں آئی تھیں۔ بلکہ بیرونی قرضوں سے ہزار حیلوں سے ان گماشتہ سرمایہ داروں نے زرمبادلہ کے ناجائز استعمال سے بیرون ملک اپنے اثاثے بنا لئے اور دوسری

www.bhutto.org

طرف اندرون ملک پرمٹ لائسنس اور تحفظات کے ذریعے پاکستانی عوام کو خوب خوب لوٹا۔ چنانچہ ان حالات میں ایسی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے کر پاکستانی معیشت کو بائیس گھرانوں کے چنگل سے نہ صرف آزاد کروانا ضروری تھا۔ بلکہ قومی مفادات کے عین مطابق تھا اور سرمایہ داروں کو کسی قسم کا نقصان نہ تھا۔ کیونکہ یہ ساری کی ساری صنعتیں قرضوں کے بل بوتے پر چل رہی تھیں۔ اور گماشتے سرمایہ دار قوم کے روپے سے گلچھرے اڑا رہے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قومی ملکیت میں آنے کے بعد نوکر شاہی نے بھی ان صنعتوں کا خوب تیاپانچا کیا لیکن محض بدانتظامی کی وجہ سے اس بنیادی تبدیلی کا رخ پیچھے کی طرف نہیں موڑا جا سکتا۔

زرعی شعبے میں بھی جو اصلاحات کی گئیں وہ بھی کسی طور پر سوشلزم کے زمرے میں نہیں آتیں۔ زرعی اصلاحات دراصل سرمایہ داری نظام کی نشوونما کے لئے ضروری تھیں۔ کیونکہ ان اصلاحات کے لئے ہی اندرونی منڈی کو وسعت دی جا سکتی تھی اور دیہات کے محنت کشوں کو جاگیری رشتوں سے آزاد کروا کر اجرتی مزدور بنایا جا سکتا تھا۔ تاکہ وہ کارخانوں اور فیکٹریوں میں جا کر اپنی محنت کو آزادنہ طریقے سے بیچ سکیں۔ یہ عمل ایوب خاں کے دور حکومت کی زرعی اصلاحات نے جاری کیا تھا اور ابھی تک جاری ہے ایک طرف زرعی اصلاحات اور دوسری طرف سامراجی امداد کے ذریعے صنعتی ترقی اس عمل کو تیز کر رہی ہے۔ گو پس ماندہ ممالک میں جس ڈھنگ سے صنعتی ترقی کی جا رہی ہے اسے پسماندگی کی ترقی کہا گیا ہے ہماری سماج کا یہ بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ سرمایہ داروں نے برطانیہ اور فرانس کے سرمایہ داوں کی طرح انقلابی عمل سے جاگیری پیداواری رشتوں کو نہیں توڑا اور نہ ہی آج کی دنیا میں تاریخی طور پر وہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ آج کے حالات میں سامراجی ممالک کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لئے ترقی پذیر پس ماندہ ممالک میں سرمایہ داری کا طفیلی نظام قائم کرنا ضروری سمجھا گیا۔ ایسا نظام جس میں ترقی یافتہ سامراجی ملکوں کی مصنوعات کی کھپت بڑھ سکے اور وہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔ چنانچہ ترقی کے اس راستہ پر چلتے ہوئے پاکستان میں سامراجی اثرات کے تحت بنیادی اور بھاری صنعتیں لگانے کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے جس کے نتیجہ میں ملک فولاد اور مشین سازی میں خود کفیل نہیں ہو سکا۔ اور اپنی تمام تر ضروریات سامراجی ملکوں سے درآمد کرنے پر مجبور ہے آج ہمارا ملک ٹریکٹر' ٹرک' موٹریں اور ہر قسم کی مشینری اور فالتو پرزے سامراجی ممالک سے نہایت ہی مہنگے داموں درآمد کررہا ہے۔ پاکستانی منڈی ملٹی نیشنلز کی

www.bhutto.org

مصنوعات کے لئے کھول دی گئی ہے اور کوکا کولا ' سگریٹ ' چائے ' ڈیزل ' پٹرول اور بے شمار دوسری اشیاء کی کھپت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور سامراجی سرمایہ داروں کی تجوریاں برابر بھری جا رہی ہیں۔ بھٹو صاحب کے عہد میں بھی جو زرعی اصلاحات ہوئیں اور صنعتی ترقی کا جو راستہ اختیار کیا گیا وہ بھی پرانے راستہ سے کوئی زیادہ مختلف نہ تھا۔ لیکن بھٹو صاحب اپنے تجربات کی روشنی میں اس راستہ کے خطرات سے آگاہ ہو رہے تھے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی معاشی حکمت عملی میں کچھ تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ بھٹو کے عہد میں پہلی بار سویت یونین کی مدد سے پپری (کراچی) میں فولاد کا کارخانہ لگانے کا کام سنجیدگی سے شروع کیا گیا جو یقیناً سامراجی طاقتوں کو پسند نہ تھا۔ پسماندہ ممالک کی سامراجی لوٹ اور پسماندگی کی ترقی کے متعلق بھٹو صاحب نے زور دار طریقے سے نشاندہی کی۔ گو وہ سامراجی زنجیروں کو انقلابی عمل کے ذریعے ختم کرنے کے داعی نہیں تھے۔ لیکن امریکی سامراج کو ان مسائل کی نشاندہی اور سوشلسٹ ممالک کی مدد سے ان مسائل کے حل کے لئے چھوٹا سا قدم اٹھانا بھی گوارا نہ تھا۔ لیبیا کی امداد سے ملک میں ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ لگانے کی تگ ودو نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس لئے امریکی سامراج نے جب یہ دیکھا کہ بھٹو بے قابو ہوئے جا رہے ہیں تو اس نے اپنے رجعتی حواریوں اور ایجنٹوں کے ذریعے انہیں ختم کرنے کا منصوبہ بنایا جسے بھٹو نے راولپنڈی کے بازاروں میں ننگا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ کیونکہ پانی سر سے گزر چکا تھا اور اس ظالم ' شاطر اور جابر طاقت کا مقابلہ محض نعرہ بازی اور چیخ و پکار سے ہونا ناممکن تھا۔

تیسری دنیا کو جگانے' اسلامی ممالک کو اپنے مسائل کے حل کے لئے متحد کرنے اور فلسطینی حریت پسند کی حمایت کے سلسلہ میں بھی بھٹو نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیپلزپارٹی کے عہد میں سامراجی' معاشی اور سیاسی شکنجے بھی ویسے ہی پاکستان کو جکڑے رہے جیسے بھٹو کے عہد سے پہلے جکڑے ہوئے تھے اور جاگیری نظام کے ملکیتی رشتے بھی قائم رہے اور وسیع پیمانے پر پیداواری رشتوں میں بنیادی تبدیلیاں وقوع پذیر نہیں ہوئیں تو وہ کونسی خصوصیت تھی جس کے ذریعے بھٹو دیہاتی اور شہری محنت کشوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے؟

بھٹو کی مقبولیت کی وجوہات

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان وجود میں آیا اس کی معیشت نہایت ہی پسماندہ تھی اور پرانے

www.bhutto.org

جاگیری اور قبائلی پیداواری تعلقات جو صدیوں سے قائم چلے آ رہے تھے پاکستانی عوام کی سماجی اور سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے تھے اور عوام کے ذہن اسی فلسفے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے جس کے مطابق ان کے آباؤ اجداد سے لے کر آج تک زندگی جیسے چلی آ رہی تھی۔ یہ ویسے ہی رہے گی اور اس میں تبدیلی اک ان ہونی بات ہے۔ اور تبدیلی کا نعرہ محض مجذوب کی بڑ ہے۔

گو نئے تجارتی سرمایہ دار پرانے پیداواری تعلقات کو انقلابی عمل کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے قابل نہیں تھے۔ لیکن وہ بدلتی ہوئی بین الاقوامی صورت حال میں سامراجی سرمایہ داری نظام کی نئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اور ان کی مدد سے ایک طفیلی سرمایہ داری نظام کی آبیاری کی راہ پر چل رہے تھے اور ملک کے اندر سامراجی قرضوں اور امداد کے ذریعے دھیرے دھیرے پیداواری تعلقات میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی تھیں اور نئے طبقات جنم لے رہے تھے۔ اور پرانے طبقات کی حاکیت کو چیلنج کر رہے تھے ایوب خاں کی دس سالہ حکمرانی کے دور میں پرانے پیداواری تعلقات کی سماج کے بطن میں جس قدر سرمایہ دارانہ ترقی ہو سکتی تھی وہ ہو چکی تھی اور سماج کے پرانے بخیے پھٹنے کو تیار تھے بے زبانوں کو زبان مل رہی تھی۔ مایوس اور بے نور آنکھوں کو روشنی کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ عین اس وقت ایوب خاں نے بھٹو صاحب کو دھکیل کر پاکستان کی سیاسی سٹیج کے وسط میں لا کھڑا کیا۔ تاریخ کے ہردور میں سماجی حالات اپنے پیروکار یا ہیرو کو خود جنم دیتے ہیں بھٹو صاحب نے جو ۸ سال تک ایوب حکومت کے نہایت ہی وفادار نمائندے کا کردار ادا کرتے رہے تھے یک لخت اپنے آپ کو اس پرجوش عوامی تحریک کے رہنماؤں میں پایا جن کے نعرے تھے "ایوب حکومت ہائے ہائے" "لاٹھی گولی کی سرکار نہیں چلے گی" دو تین ماہ تک یو۔ ڈی ایف اصغر خاں اور بھٹو صاحب میں اس عظیم عوامی تحریک کی رہنمایانہ بغاوت کے لئے گلیوں' بازاروں اور جلسہ گاہوں میں کش مکش چلتی رہی۔ آخر کار بھٹو صاحب اس تحریک کے بلا شرکت غیرے ہیرو بن گئے۔ باوجود کہ وہ ایوب خاں کی حکومت کا ایک حصہ رہتے اور تمام ان پالیسیوں کی تشکیل میں ان کا حصہ تھا جن کے خلاف عوام سڑکوں پر نکل آئے تھے وہ اس تحریک کی رہنمائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ کوئی دوسرا شخص عوام کے ابلتے ہوئے اور کھولتے ہوئے جذبات کی عکاسی ان سے بہتر نہیں کر سکتا تھا اور عوام کی امنگوں' نعروں اور خواہشات کو تند و تیز نعروں میں نہیں سمو سکتا تھا اور مستقبل کی امیدوں سے بھرپور دنیا کی تصویر میں ان سے بہتر کوئی رنگ نہ بھر

سکتا تھا۔ اس کردار کے لئے انہیں ہر قسم کے وسائل میسر تھے۔ انہوں نے ان تمام وسائل کو نہایت ہی والہانہ اور جارحانہ انداز سے صرف کیا اور مغربی پاکستان کے سیاسی افق پر ایک چندھیا دینے والی روشنی سے بھرپور ستارے کی طرح نمودار ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے صدیوں سے محروم اور بے بس انسانوں کے ذہن میں جنم لیتی ہوئی تبدیلی کی امید کی ننھی سی کرن کو ایک شعلہ میں تبدیل کر دیا۔ بے زبانوں کو زبان دی اور جنم جنم سے شکست خوردہ انسانوں کو مستقبل میں فتح کی بشارت دی۔

لیکن بھٹو صاحب کی مقبولیت کی وجہ سے محض یہی نہیں ہے صرف اسی بات کو بھٹو صاحب کی مقبولیت کی وجہ قرار دینا ان کی سماجی تبدیلیوں پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہو گا جو انہوں نے اپنے دور حکومت میں برپا کیں۔ ان کی زرعی اور صنعتی میدان میں اصلاحات نے محنت کشوں کے وسیع حلقوں کے ذہنوں میں مثبت اثرات مرتب کئے۔ بڑے زمینداروں کی بلا معاوضہ اراضی لے کر بے زمین کاشت کاروں میں بلاقیمت وصول کئے۔ تقسیم کرنے کے اصول اور گماشتہ بڑے سرمایہ داروں کی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کے اقدام نے ایک طرف عوام کو ان کا شیدائی بنایا اور دوسری طرف استحصالی طبقوں کو ان کا دشمن بنا دیا۔ حالانکہ وہ برابر یہ نظریہ پیش کرتے رہے کہ ان کی پالیسیوں نے ہی وقتی طور پر انقلاب کو روکا ہوا ہے رجعت پسند اور استحصالی طبقوں کی طرف سے شدید مخالفت بھی محنت کشوں اور نچلے درمیانہ طبقہ میں ان کی مقبولیت کی وجہ بنی۔

۶۹-۱۹۶۸ء کی عظیم عوامی تحریک کے جلو میں دور دراز علاقوں میں غریب لوگوں نے اپنی پہل قدمی اور بغیر کسی امداد کے پیپلزپارٹی کی تنظیمیں قائم کیں۔ اور پیپلزپارٹی کی حکومت بننے کے بعد یہ تنظیمیں نہایت ہی بے باکی کے ساتھ تھانوں' تحصیلوں اور حکومتی لیبل کی وجہ سے اکثر ان کی پزیرائی ہوتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات نے بے شمار بے راہ رویوں کو جنم دیا۔ لیکن محنت کش طبقے کے مثبت کردار اور سماجی زندگی میں ان کے نئے مقام کے مثبت پہلوؤں سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ حکومت کے ان اداروں میں جہاں بڑے زمیندار اور صاحب ثروت لوگ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے اور ڈالی پیش کئے بغیر جہاں کسی کی شنوائی نہ ہوتی تھی وہاں وہ لوگ جو کل تک بے زبان تھے بے دھڑک براجمان نظر آنے لگے۔ اقتدار ملنے سے پہلے پیپلزپارٹی میں اکثر غریب لوگ شامل ہوئے تھے اور بڑے لوگ خال خال تھے۔ چنانچہ عیسائی اور معلی' دیندار اور دوسرے غریب نچلے اور درمیانہ طبقہ کے لوگ بیشمار مقامی یونٹوں میں پیپلزپارٹی

کے عہدیدار بن گئے اور تھانیداروں اور تحصیلداروں کے برابر کرسیوں پر بیٹھنے لگے پرانی قدروں کے امین بڑے لوگوں کے لئے یہ صورت حال قیامت سے کم نہ تھی لیکن غریبوں کے لئے ریاستی اقتدار کی طاقت کا یہ مزہ انہیں للکار رہا تھا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ لاہور کے نزدیک ایک بہت بڑے گاؤں کے روایتی چوہدری جب تھانہ میں پہنچے تو انہوں نے مقامی پیپلزپارٹی کے غریب عیسائی چیئرمین کو تھانیدار کے سامنے کرسی پر متمکن پایا۔ اور واپس لوٹ آئے کیونکہ ان کی رگ حمیت تھانیدار کے سامنے گاؤں کے ایک غریب عیسائی کے جو ان کی جوتیاں سیدھی کرنے والا تھا برابر بیٹھنا گوارا نہ کر سکتی تھی' ان غریب لوگوں کو جب ایک بار پھر گندی نالیوں میں دھکیل دیا گیا اور نام مصطفےٰ کے نام پر استحصالی لوگ پھر "مونڈھا" مار کر صف اول میں آ گئے تو لازمی تھا کہ غریبوں میں بھٹو کی مقبولیت اور بھی بڑھ جاتی باجودیکہ پیپلزپارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد ان استحصالی لوگوں کے کافی بڑے حصوں نے خود پیپلزپارٹی کے جھنڈے تھام لئے اور آہستہ آہستہ کارکنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ جس کی وجہ سے پیپلزپارٹی کے اندر شدید انتشار پھیلا اور اب بھی اس طبقاتی تفاوت کی چنگاریاں ہرسو سلگ رہی ہیں۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ بھٹو نے تو انہیں جگایا' بیدار کیا اور ان کے حقوق دینے کی کوشش کی لیکن ان بے ایمان بڑے بڑے لوگوں نے اپنے حلوے مانڈے کی خاطر بھٹو کے ساتھ غداری کی ہے۔

دائیں بازو کے ایک اخبار نویس عبدالقادر حسن کے ہفتہ وار اخبار "افریشیا" میں رفعت صاحبہ کی چھپنے والی ایک رپورٹ "زیر لب" میں دیہات کی چالیس فیصد عورتوں میں بھٹو کی مقبولیت کی یوں تصویر کشی کی گئی ہے۔

"وت بھٹو دا کی کیتا ہے؟"

بھٹو بھٹو صاحب کو پھانسی ہو گئی ہے اور بس۔ خواتین کے چہرے زیادہ گمبھیر ہو جاتے اور ایک پراسرار سا تاثر ان کے چہرے اور آنکھوں سے اچانک چمک اٹھتا اور وہ سرگوشی کے انداز میں کہتیں۔ اساں سنیا اے بھٹو پھاہ نہیں لگا۔ اہنوں تاں لیبیا دے تخت والا جہاز وچہ پاکے لے گیا اے۔

دوسری کہتی تارا مسیح نے پھاہ نہیں لایا۔ اہنوں تاں بجلی ناں ساڑ بھن چھڈیا اے۔

نئیں تیسری کہتی۔ بھٹو مرا نہیں۔ اوس نوں تاں عرفات بادشاہ کھن لے گیا اے۔

پھر ایک دن انہوں نے مجھے بتایا کہ شہر سے ایک مسافر ریت کا سودا کرنے یہاں آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ بھٹو کی قبر میں کفن پڑا ہوا ہے مگر میت غائب ہے اور اب

وہاں فوج کا پہرہ ہے تب میں نے سوچا بھٹو زندہ تھا تو دعوے کرتا تھا پاکستان کی عورت میرے ہاتھ میں ہے اب مرگیا ہے تو عورتیں اس کی باتیں کرتی ہیں۔ آخر کیوں؟ اس پتھریلے علاقے میں صدیوں سے اسلام کا نام لیا جا رہا ہے۔ یہاں کی عورتیں جن کی آن اور عزت مردوں نے ختم کر دی ہے اور جو آنکھیں بند کر کے اپنے مرد کے پیچھے چلنا اپنا فرض سمجھتی ہے اس میں یہ جرات کہاں سے پیدا ہوئی کہ وہ بھٹو کو اپنا ہیرو تصور کرنے لگی ہے۔ بھٹو پیر نہیں کہ گاؤں کی عورت کسی تعویذ کے بہانے اس کا نام لے بھٹو کوئی بزرگ نہیں کہ عورت اس کی بزرگی کی قائل ہو جائے اور پھر بھٹو نے بھی اس عورت کی انا اور عزت نفس کو محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ بھی تو اختیار نہیں کیا تو پھر یہ بھٹو کی قائل کیوں ہے؟...

میں نے اپنے آپ میں سوچا کہ بھٹو اس بارانی علاقے میں عین اس وقت پر مینہ بن کر برسا کہ وہ فصل کی جڑ میں اتر گیا۔ اسی لئے میں نے ان سے پوچھا۔ بھٹو نے کیا دیا؟

چند خواتین نے مجھے بتایا "ہم مدت سے صدیوں سے یہاں رہتی ہیں ہمارے یہاں ملکوں ملکانیوں کی زمینیں حد نگاہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں ایسی زمینیں بھی ہیں جو غیر آباد ہو چکی ہیں مگر ان لوگوں نے کبھی ہمیں ان غیر آباد زمینوں پر سر چھپانے کی جگہ نہیں دی۔ ایک تنوروالی نے کہا دیکھئے جی میں تنور لگاتی ہوں تو گرمیوں میں یہ لوگ چھٹیاں گذارنے آئیں تو مجھے چھپر تلے جگہ دے دیں ڈنگروں کے ساتھ میں روٹیاں بھی لگاؤں۔ ان کا پانی بھی بھروں۔ مگر جب ان کی حویلیاں بند ہوں تو میں دوسرا ٹھکانہ ڈھونڈتی پھروں۔ اب بھٹو نے ہمیں پانچ پانچ مرلے زمین دی ہے۔ اور ہم اپنے کوٹھے کی چھت پر بیٹھ گئے ہیں"

ایک خاتون نے بتایا یہاں کے بڑے لوگ یہاں سکول نہیں کھولتے تھے کہ یہاں کے بچے پڑھ گئے تو ہمارا کمی کون بنے گا۔ مگر بھٹو نے یہاں سب غریبوں کے لئے سکول کھول ڈلاے اور اب یہاں ہر بچہ پڑھ رہا ہے"

دراصل پاکستان کی انتہائی پسماندہ جاگیری معیشت کے اندر چھوٹی سی تبدیلی بھی صدیوں سر سے روندے 'کچلے' بے بس انسانوں کے لئے بہت بڑی تبدیلی تھی اور دیہات کے وہ لوگ جو اپنی بھینس کا گوبر بھی زمیندار کی مرضی کے بغیر نہ بیچ سکتے تھے جن کے سروں پر ہر وقت گھروں سے بے دخلی کی تلوار لٹکتی رہتی تھی انہیں جب ۵ مرلہ سکیم کے تحت تحفظ ملا یا کم از کم تحفظ کا اعلان ہوا تو وہ بے اختیار بھٹو کے گرویدہ ہو گئے۔

امیر طبقوں کے وہ رہنما جن کے ایک غسلخانہ کی قیمت سے غریبوں کے رہنے کے پانچ پانچ گھر تعمیر ہو سکتے تھے بھلا اس حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لئے وہ اکثر کہتے ہیں کہ

آخر بھٹو نے غریبوں کو کیا --- دیا ہے؟

بھٹو کے زوال کے اسباب

قیام پاکستان کے بعد سیاست کے افق پر بھٹو سے زیادہ درخشاں ستارہ نمودار نہ ہوا تھا۔ روندے کچلے عوام میں اس کی ہر دلعزیزی بے پایاں تھی اور لوگ والہانہ انداز سے اس سے گرویدہ تھے۔ اس لئے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بھٹو کی مخالف طاقتیں بھٹو حکومت کو غیر جمہوری طریقے سے اقتدار سے علیحدہ کرنے اور انہیں تختہ دار تک پہنچانے میں کیونکر کامیاب ہو گئیں؟ اس سوال کا صحیح جواب تلاش کرنا نہ صرف ان لوگوں کے لئے ضروری ہے جو پیپلزپارٹی کی صفوں سے باہر ہیں اور عوامی راج کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں بلکہ پیپلزپارٹی کے ان جیالے کارکنوں کے لئے بھی ضروری ہے جنہوں نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور آج قربان ہونے اور مرمٹنے کے انداز سے "بھٹو کی تصویر۔ بے نظیر بے نظیر" کے نعرے لگا رہے ہیں ان کے اس جوش اور جذبہ اور جدوجہد کو ہزار سلام۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ وہ اپنے محبوب رہنما کی جان کیوں نہ بچا سکے اور ان کی ساری قربانیاں ساری جدوجہد کیوں رنگ نہ لا سکی؟ اور وہ کون سے معروضی حالات تھے جنہوں نے ان طاقتوں کو جنم دیا' پروان چڑھایا اور اس قدر مضبوط کر دیا کہ انہوں نے نہایت بیباکی اور ہٹ دھرمی سے ساری دنیا کے مدبرین اور رہنماؤں اور پاکستانی عوام کی بہت بڑی اکثریت کی خواہشات اورجذبات کو رد کرتے ہوئے بھٹو صاحب کو تختہ دار پر لٹکا دیا اور اک اشک ندامت بھی انکی آنکھوں سے نہ ٹپکا اگر انہوں نے ان حالات اور پس منظر کو سمجھنے کی کوشش نہ کی اور نہایت سنجیدگی سے پچھلے سات سال کی تاریخ کا جائزہ نہ لیا اور اسی طرح محض نعروں کے سمندر میں غوطہ زن رہے توانہیں جان لینا چاہئے کہ ان کی ساری قربانیاں' ان کی تمام جدوجہد پاکستان کے مفلس اور مقہور عوام کے گوناگوں مسائل حل نہ کر پائے گی اور وہ جس حسیں صبح کے لئے پھر سے جدوجہد کی آگ میں کودنے کے لئے تیار ہیں وہ کبھی طلوع نہ ہو گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھٹو کی شہادت کے بعد سارا ماحول جذبات سے معمور ہے اور تلخ سچائیوں کو دیکھنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ وہی عوام سرخرو ہوتے ہیں جو اپنے شہیدوں کو سلام کہتے ہوئے اپنے پرچم سرنگوں کرتے ہیں لیکن

www.bhutto.org

اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور کج رویوں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں اور اپنا دامن ان سے بچاتے ہیں اور آنے والی جدوجہد کے لئے اپنی حکمت عملی اور طریق کار کو درست کر کے نئے سرے سے اپنی صف بندی کرتے ہیں۔

اس سانحہ کی اصل وجہ پالیسی ہے جو پیپلزپارٹی نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی ترقی کے لئے اختیار کی۔ اس پالیسی کا بنیادی پتھر بھی سامراج کے نظام کی نشوونما کرنا تھا۔ چنانچہ جب صنعتوں اور بنکوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا تو سامراجی بنکوں اور سامراجی سرمائے سے لگی ہوئی صنعتوں کو اس پالیسی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اور انہیں اپنا منافع بھی بیرون ملک لے جانے کی سہولیتں دی گئیں۔ ان بین الاقوامی سامراجی اداروں نے جن سے پاکستان قرضے حاصل کر کے ترقی کی راہ پر گامزن رہنا چاہتا تھا پاکستان کو اپنے روپے کی قیمت بے حد کم کرنے پر مجبور کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیرونی قرضوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور اقساط اور سود کی رقم بھی بڑھ گئی لیکن پاکستانی معیشت کو سہارا بھی نہ مل سکا سامراجی مشروط قرضوں اور امداد سے اس عرصہ میں بھی کوئی بنیادی اور بھاری صنعت نہ لگ سکی اور پاکستان ہر قسم کی مشینیں، ٹرک، ٹریکٹر اور پرزے وغیرہ درآمد کرنے کے سلسلہ میں بالکل محتاج ہو کر رہ گیا۔ یہ پالیسی اب بھی اسی طرح جاری ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ۱۹۷۸ء کے آخر تک پاکستان صرف امریکہ کا اڑھائی ملین ڈالر کا مقروض ہے اور اس سال ہمیں صرف امریکہ کو ایک ارب روپیہ سود اور قسط کے طور پر ادا کرنا ہے یہ رقم اس رقم سے بیس کروڑ روپیہ زیادہ ہے جو ہمیں امریکہ سے گندم اور خوردنی تیل کی شکل میں ملنے والی ہے۔ یہ رقم جولائی ۱۹۷۹ء سے ایک ارب تیس کروڑ بیس لاکھ روپے ہونے والی ہے جس کی ادائیگی نہایت مشکل ہو گی۔ اسی طرح ہم نے فرانس، جرمنی اور جاپان کو ایک ارب چالیس کروڑ روپیہ سالانہ قسط ادا کرنی ہے۔ یہ رقم ان قرضوں کا ۴۷ فیصد ہے جو پاکستان نے لے رکھے ہیں اور کنسورشیم کے ممالک کے کل قرضوں کا ۸۰ فیصد ہیں۔ تازہ ترین اندازے کے مطابق پاکستان کو کل ۱۷ ارب روپے سالانہ اقساط و سود اور اصل کے طور پر ادا کرنے ہوں گے۔ اس پالیسی کو چلانے والے سامراجی طاقتوں کے پرانے نمک خوار افسر شاہی میں بر دھان رہے ہیں اور قرضے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں یعنی وہ پاکستان کی معیشت کو گروی رکھنے کے ماہر ہیں۔ بھٹو دور کی تمام مالیاتی پالیسیاں بھی بنانے میں وہ پیش پیش تھے اور وہی گماشتے آج بھی پاکستان کی ”اسلامی معیشت“ کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

بھٹو صاحب نے ملکی معیشت کی ناگفتہ بہ حالت کی بہتر بنانے اور بپھرے ہوئے عوام کی تسلی کے لئے بڑی بڑی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا اور اس طرح ریاستی سرمایہ داری کو تو مضبوط کیا لیکن ان صنعتوں کا انتظام کرپٹ انتظامیہ کے سپرد کر دیا گیا جنہوں نے صنعتوں کو جی بھر کر لوٹا بھٹو صاحب نے پبلک سیکٹر کو بڑھانے اور سامراجی سرمائے کی گرفت کو کمزور کرنے کے لئے سوویت یونین سے بھی بگڑے ہوئے تعلقات کو از سر نو استوار کیا اور اس کی مدد سے پپری میں فولاد کے کارخانہ پر کام جاری کروایا۔ لیکن یہ پالیسی بالکل محدود تھی اور ملکی معیشت کو زیادہ متاثر نہ کر سکتی تھی۔

ہم نے پہلے یہ لکھا ہے کہ کس طرح فیوڈل گھرانے کا ایک خوش پوش جدید تعلیم سے آراستہ نوجوان پاکستانی سیاست کے تھپیڑوں سے ناآشنا اچانک ایوب خاں کی کابینہ میں پہنچ گیا اور ۹ سال تک متواتر اپنی صلاحیتوں کو اس حکومت کی آبیاری کے لئے بروئے کار لاتا رہا۔ جو امریکی سامراج کی مرہون منت تھی اور جو سامراج کی ماتحتی میں اس کے مشروط قرضوں کے ذریعے پاکستان میں ایک طفیلی سرمایہ داری نظام کی نشوونما کر رہی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں جب اس کو کابینہ سے نکالا گیا تو اس نے اپنے آپ کو ان نئے طبقات کے مرکز میں پایا جو اس طفیلی سرمایہ داری نظام کی نشوونما اور ترقی کی وجہ سے ظہور میں آئے تھے۔ یہ طبقات اس وقت بے چینی کی لہر کی لپیٹ میں تھے' ان کی آواز میں نئی گھن گرج تھی۔ وہ اس نظام کو گرانا چاہتے تھے جس نے انہیں جنم دیا تھا۔ شعور دیا تھا' آگہی دی تھی۔ جس نظام نے پاکستان کے بائیس گھرانوں کو توسیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا لیکن انہیں زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے محروم رکھا تھا۔ بھٹو کی زیرک نگاہیں اور سیاسی چابک دستی نے اسے اس بے قابو ہوتے ہوئے جم غفیر کا سرخیل بنا دیا۔ اور بھٹو مزید نو سال تک ان کی والہانہ محبت' اتھاہ چاہت اور ابلتی ہوئی گرم جوشی کا محور بنے رہے۔ حتی کہ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران بھٹو نے ایک دن ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا۔ "اگرچہ میں کمزور ہوں لیکن جس کرسی پر میں متمکن ہوں وہ مضبوط ہے۔" حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی۔ اس وقت بھی بھٹو کی کرسی کمزور تھی اور وہ خود مضبوط تھا لیکن اس کی کمزوری یہ تھی کہ اس کا اعتماد عوام پر متزلزل ہو چکا تھا کیونکہ وہ کرسی اقتدار پر براجمان تھا۔ اور اس کرسی پر رہتے ہوئے عوام کی بے پناہ طاقت کو استعمال کرنے سے صورت حال اس کے قابو سے باہر ہو سکتی تھی اس لئے وہ عوامی جدوجہد کا ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے کرسی کی طاقت استعمال کرنا چاہتا تھا اور وہ اپنی اور اپنی حکومت کی بقا کے لئے زیادہ سے زیادہ انحصار اس

www.bhutto.org

کرسی کی طاقت پر کر رہا تھا جس کی ڈوری سمندر پار سی آئی اے کی پاس تھی اور آخر ایک دن بھٹو پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا تو وہ نہایت بے بسی کے عالم میں بدمست ہاتھی کی کرتوتوں کے متعلق کاغذ کا ایک پرزہ تھامے راولپنڈی کے بازاروں میں مجمع لگانے کے لئے مجبور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر پیپلزپارٹی کے دوسرے راہنما بھی نشاندہی کرنے لگے کہ امریکی سامراج ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکی سامراج کے اس ہاتھی کی نشاندہی محض واہمہ نہ تھی وہ ایک حقیقت بن چکی تھی اور امریکی سامراج کے مشروط قرضوں اور امداد سے پاکستان کی معاشی ترقی کا راستہ اختیار کرنے کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھی۔

جاگیرداری' پیداواری تعلقات

دوسرے باوجودیکہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء کو زرعی اصلاحات کا اعلان کرتے وقت بھٹو صاحب نے نہایت خوبصورت اور زور دار الفاظ میں دیہاتی عوام کو غلامی کی زنجیروں کٹ جانے کا مژدہ سنایا تھا۔ اور انہیں جشن منانے کی دعوت دی تھی۔ لیکن زرعی اصلاحات دیہی معیشت میں کوئی بنیادی تبدیلیاں نہ لا سکیں۔ ان اصلاحات نے اس عمل کو ذرا اور تیز کر دیا جو ایوب خاں کے دور حکومت سے جاری تھا۔ یعنی زرعی معیشت میں سرمایہ دارانہ ترقی کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ جس کی بدولت ملک میں ہر سال چودہ پندرہ ہزار ٹریکٹر در آمد ہونے لگے۔ مصنوعی کھاد' ٹیوب ویل' ٹریکٹر' تھریشر وغیرہ کا استعمال بڑھ گیا حکومت کی طرف سے کروڑوں روپے کے قرضے زمینداروں یا امیر کسانوں کے حصہ میں آئے اور دیہات کے اندر نئے سرمایہ دار کاشت کاروں کو جنم دینے لگے۔ جنہوں نے وسیع پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاشت کاری شروع کی اجرتی مزدوروں کی اجرتیں نسبتاً کم تھیں اس لئے دیہاتی مزدوروں نے شہروں کا رخ اختیار کیا۔ چونکہ شہروں میں بھی فیکٹریاں اور کارخانے ملازمتیں مہیا نہ کرسکتے تھے اور جو ملازمتیں مہیا بھی کی گئیں تو ان کی اجرتیں بہت کم تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نوجوان کاریگر' نیم کاریگروں اور عام مزدوروں کے غول در غول شہروں کے چوراہوں میں نظر آنے لگے اور خطرناک بے چینی کو جنم دینے لگے۔ معروضی حالات کا تقاضا تھا کہ پرانے پیداواری رشتوں اور زمینی ملکیتی رشتوں کو توڑ دیا جائے لیکن انقلابی تبدیلیوں کی راہ پر گامزن ہونے کی بجائے محنت کشوں اور کاریگروں کو ملک سے باہر ملازمتیں ڈھونڈنے کے لئے ترغیب دی جانے لگی جن کی وجہ سے لاکھوں محنت کش پاکستان کی سرزمین کو خیرباد کہہ

www.bhutto.org

کر مشرق وسطی اور یورپین ممالک میں چلے گئے جو آج تیرہ ارب روپے کے قریب زرمبادلہ کما رہے ہیں اور بظاہر پاکستانی معیشت کو سہارا دیئے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ پاکستانی معیشت کو کاریگروں اور محنت کشوں سے خالی کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ وہ بے شمار سماجی مسائل کو جنم دے رہے ہیں۔ یہ راستہ موجودہ حکومت نے بھی اسی شدومد سے اختیار کر رکھا ہے۔

چونکہ پیپلزپارٹی کی قیادت پر آہستہ آہستہ بڑے بڑے زمیندار چھا گئے تھے۔ انہوں نے زرعی اصلاحات کے ان پہلوؤں کو بھی اجاگر نہ ہونے دیا جن سے عوام کی زندگی میں کچھ تھوڑی بہت تبدیلی آ سکتی تھی اور ان کی کبڑی کمر کا بوجھ قدرے ہلکا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے آبیانہ اور بیج کی قیمت کی ادائیگی کے قانون کو مختلف حیلوں بہانوں سے عمل میں ہی نہ آنے دیا اور نہ ہی پیپلزپارٹی کی قیادت نے کبھی اپنی نافذ کی ہوئی اصلاحات پر عملدرآمد کرانے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیپلزپارٹی کی مقبولیت زنگ آلود ہو گئی گو عوام پیپلزپارٹی اور بھٹو کے خاموش شیدائی ضرور بنے رہے لیکن لوگوں کے اندر منظم جدوجہد کا جذبہ نشوونما نہ پا سکا۔

سامراج اور جاگیری نظام کے متعلق اس پالیسی کی وجہ سے نہ تو سوشلزم ہماری معیشت ہے" اور نہ ہی "جمہوریت ہماری سیاست ہے" کے نعرے عمل میں آسکے لیکن "سوشلزم ہماری معیشت ہے' کی نعرہ بازی سرمایہ دار جاگیردار طبقہ کے لئے سرخ جھنڈی دکھانے کے مترادف ثابت ہوئی اور وہ اپنے ہی طبقہ کی ایک روشن خیال شخصیت کی جان کے در پے ہوگئے کیونکہ وہ کوئی ایسی چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے جس سے محنت کشوں کی جھوٹی سچی تسلی ہو۔ اور ان کی صدیوں سے گنگ زبان کو آواز ملے۔ اس بیداری اور اس نئی آواز سے ان کی نیندیں حرام تھیں اور انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔

پیپلزپارٹی کے عہد میں جن پرانی خرابیوں کو تقویت ملی۔ اور جن نئی خرابیوں نے جنم لیا اس کی وجہ انہی دو طاقتوں کی موجودگی تھی۔ان دو عوام دشمن طاقتوں کے ہوتے ہوئے نہ تو عوام کی بہتری اور بہبود کے لئے بنائی ہوئی کوئی معاشی پالیسی ہی کامیاب ہوسکتی تھی۔ اور نہ ہی کرپشن' بلیک' منافع خوری' سفارش جیسی بیماریوں کا قلع قمع ہوسکتا تھا بلکہ ان کی موجودگی تو اس گندے جوہڑ کے مانند تھی جس میں مچھروں اور بیماریوں کی پیدائش لازمی ہے۔

www.bhutto.org

جمہوریت ہماری سیاست ہے

پیپلزپارٹی کا دوسرا بڑا نعرہ "جمہوریت ہماری سیاست ہے۔" ایوب حکومت کے خلاف عوامی تحریک کے دوران نہایت ہی درست اور مقبول عام نعرہ تھا۔ ایک طرف تو ان معروضی حالات کا یہ تقاضا تھا جو سرمایہ داری کی نشوونما کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف عوام دس سالہ گھٹن کے طویل دور کے خاتمہ کے لئے آگے بڑھ رہے تھے اور نیا درمیانہ طبقہ اور محنت کش اور پیٹی بورژوا عناصر ان خیالات اور جذبات کا اظہار کرنے کے لئے تڑپ رہے تھے اور ان کے ذہنوں میں معروضی حالات کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے پیداواری اوزار بدل رہے تھے' پیداواری تعلقات بدل رہے تھے اور یہ بدلتے ہوئے پیداواری اوزار اور تعلقات انسانوں کے ذہن بھی بدل رہے تھے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر امریکی سامراج کی ویت نام میں پے در پے شکستیں' چین میں ثقافتی انقلاب کے نعرے (چین کے ان نعروں کا اثر اندرون چین خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو' پاکستانی عوام کو جدوجہد کے راستہ پر ڈالنے میں ممد معاون ضرور ثابت ہوئے) فلسطینی عوام کی سامراج کے خلاف بہادرانہ جدوجہد بھی پاکستانی سماج کے نئے اور پرانے طبقوں کے ذہنوں میں تبدیلیاں لا رہی تھی۔ بھٹو صاحب خود انہی حالات کی پیداوار تھے۔ انہوں نے ان منتشر خیالات اور افکار کو جن نعروں میں سمو کر عوام کو لوٹایا ان میں "جمہوریت ہماری سیاست ہے۔" کا نعرہ بھی ایک بنیادی نعرہ تھا۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بھٹو صاحب اپنے سارے دور حکومت میں اس نعرہ کو بھی عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اس سارے دور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ پاکستان بھر میں اور خصوصاً پنجاب اور کراچی میں مسلسل دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کو توڑتے ہوئے عوام کے جمہوری حقوق واپس لوٹانے کے نعرے لگاتے رہے تھے۔ انہوں نے برسراقتدار آنے کے بعد اقتدار کی کرسی پر قبضہ رکھنے کے لئے عوام کے بجائے افسر شاہی کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ دراصل وہ ملک کی معیشت میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر جمہوریت قائم ہی نہیں کر سکتے تھے۔ سامراج اور فیوڈل ازم جمہوریت کی ضد ہیں۔ چنانچہ سامراجی مشروط قرضوں سے چلنے والی معیشت اور فیوڈل نظام کو تھوڑی بہت قطع و برید کے ساتھ قائم رکھنے کی پالیسی کا جمہوری آدرشوں اور نظریات سے ٹکرانا ضروری تھا۔ اگر ان دو بیماریوں کو جڑ سے اکھاڑا ہوتا تو دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اپنے سیاسی حریفوں کے جلسوں کو

درہم برہم کرنے کی نوبت نہ آتی۔ راولپنڈی کے لیاقت باغ اور لاہور کے تاجپورہ کے جلسوں میں کھلبلی مچانے اور انہیں افسرشاہی کی مدد سے فیل کرنے کی پالیسی اختیار نہ کی جاتی۔ دلائی کیمپ بھی نہ ہوتے اور نہ ہی سیاسی رہنماؤں پر (خواہ وہ کتنے ہی گئے گذرے کیوں نہ ہوں بھینسوں کی چوری کے مقدمات بنانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بلکہ سامراجی مفادات اور فیوڈل ازم کے خلاف یلغار عوام کی ایسی بے پناہ طاقتوں کو میدان عمل میں لے آتی کہ ان کے سیل رواں کو کوئی طاقت نہ روک سکی۔ اور رجعت پسند طبقے اپنی کمین گاہوں سے محروم ہو کر اور بھی کمزور ہو جاتے۔ ایسے حالات میں محنت کش طبقے سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ ان کے پاس نہ تو اپنے جذبات کے اظہار کے لئے اخبارات ہیں اور نہ ہی مساجد اور جب جلسوں جلوسوں پر مسلسل پابندیاں قائم رکھی جائیں تو ان کے اندر بے چینی اور نفرت کا پھیلنا ضروری ہے۔ ان طبقوں کے علاوہ درمیانہ طبقہ' دانشور اور طلباء بھی اس سیاسی گھٹن کی فضا کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یہ طبقے موجودہ تاریخی دور میں ترقی پذیر پس ماندہ ملکوں میں سیاسی تحریکوں کے روح رواں بنے ہوئے ہیں۔ یہی عناصر ایوب کے خلاف تحریک میں پیش پیش تھے۔ اور انہی عناصر نے نو سال بعد حکومت کے خلاف جدوجہد کو تقویت بخشی اور پھر سے جمہوریت کی بحالی کا علم اٹھایا اور نہایت ہی رجعت پسند آمریت کے قیام کیلئے راستہ ہموار کرنے کا موجب بنے۔

عدم جمہوریت کی وجہ سے صوبائی خود مختاری کے تحفظات کو جو ۱۹۷۳ کے آئین کی زینت بنائے گئے تھے ایک ایک کر کے غیر آئینی طریقوں سے مسمار کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ بلوچستان کی صوبائی حکومت کے خاتمہ' سرحد کی حکومت کے استعفیٰ اور پھر فوجی ایکشن کی صورت میں نکلا۔ اور فوجی جرنیلوں کا سیاست میں براہ راست عمل دخل بڑھ گیا۔ اس فوجی ایکشن کے دوران ایک طرف تو بلوچستان کے عوام پر مظالم ڈھائے گئے۔ حتیٰ کہ عطاء اللہ مینگل کے نوجوان فرزند کو شہید کر دیا گیا اور دوسری طرف پاکستان میں بسنے والی مختلف قومیتوں کے درمیان نفرت کا زہر گھول دیا گیا۔ اور چھوٹے صوبوں کے رہنماؤں کے خلاف مقدمہ بنا کر حیدر آباد ٹریبونل قائم کر دیا گیا اور وہاں ایک طویل مقدمہ جاری ہوگیا۔ اس افسوسناک پالیسی نے پیپلزپارٹی کے قدرتی حلیفوں کو رجعت پسندوں کے کیمپ میں دھکیل دیا اور چھوٹے صوبوں کے رہنماؤں اور پیپلزپارٹی کے درمیان نفرت کی مستقل خلیج حائل کر دی جسے پاٹنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

بائیں بازو کی طرف رویہ

تیسرے بھٹو جدید علوم سے بہرہ ور روشن خیال سیاستدان ضرور تھے لیکن وہ اپنے جاگیری پس منظر کی وجہ سے سامراج اور جاگیری نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے نہ تو قائل تھے اور نہ ہی اکیلے اتنی طاقت رکھتے تھے۔ لیکن وہ اس نظام کی حدود کے اندر سرمایہ دارانہ ترقی کی وجہ سے پیدا ہونے والے نئے طبقات کی آواز کی طاقت کو اقتدار حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے کا ملکہ ضرور رکھتے تھے۔ چنانچہ ۷۱-۱۹۶۸ء میں انہوں نے لاکھوں محنت کشوں اور پٹی بورژوا طبقات کی زوردار طریقہ سے ترجمانی کی اور انہیں اپنی مقناطیسی شخصیت کے گرد جمع کر لیا۔ وہ بائیں بازو کے کئی گروہوں اور پٹی بورژوا جذباتی سوشلسٹوں اور افراد کو بھی اپنی شخصی رہنمائی کے چھپر تلے اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان گروہوں اور افراد نے ترقی پسند اور انقلابی نعروں کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے شب و روز ایک کر دیا۔ ان گروہوں اور افراد کے اطمینان کے لئے بھٹو صاحب نے ایک نوجوان رہنما معراج محمد خاں کو مصطفیٰ کھر کے ساتھ اپنے جاں نشین مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ بائیں بازو اور دائیں بازو' ترقی پسندوں اور رجعت پسندوں' استحصالی طبقوں اور انقلابیوں کا بھٹو کی عظیم شخصیت کے تحت جوان طبقات سے بالاتر سمجھی جاتی تھی' اتحاد کی پر خطر کوشش تھی۔ اس پالیسی کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ پالیسی ۷۰-۱۹۶۸ میں اختیار کی گئی جبکہ اس پالیسی کا عظیم ترین معمار اور بھٹو کا جگری دوست سوئیکار نو تین سال قبل اسی پالیسی کی بدولت امریکی سامراج کی مدد سے انڈونیشی فوج کے رجعت پسندوں سے نہ صرف شکست کھا چکا تھا بلکہ نہایت ہی گمنامی اور اہانت کے عالم میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا تھا اور اسی پالیسی کی وجہ سے انڈونیشیاء کے ۱۰ لاکھ فرزندوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ اور مزید ۱۰ لاکھ کیمپوں اور جیلوں میں بلا مقدمہ چلائے بند کر دیے گئے تھے۔

بھٹو صاحب اپنے طبقہ کی نظریاتی گرفت کی وجہ سے اپنی تمام زیرکی اور دانشمندی کے باوجود اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کا نعرہ اپناتے ہوئے نہ تو امریکی سامراج سے گہری دوستی ہو سکتی ہے اور نہ ہی فیوڈل ملکیتی رشتوں کو قائم رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس نعرہ بازی کے ہوتے ہوئے امریکی سامراج زیادہ دیر قرضے وغیرہ دیتا ہے۔ اور اگر دیتا ہے تو اس قسم کے رہنماؤں کو ختم کرنے کے حالات پیدا کرنے کے لئے دیتا ہے۔ "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرہ کے ساتھ فیوڈل ملکیتی رشتے بھی قائم نہیں رکھے جا سکتے اور اگر انہیں قائم رکھنے کے لئے کوئی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو وہ نہ صرف فیل ہو جاتی ہیں بلکہ ایسی پالیسیوں کے نافذ کرنے والوں کے گلے میں پھندا ڈالنے کے

www.bhutto.org

حالات پیدا کردیتی ہیں۔ لیکن بھٹو صاحب نے بدقسمتی سے مرتے دم تک اس پالیسی کو خیرباد نہ کہا۔ حتیٰ کہ جب وہ جیل میں تھے اور ان پر قتل کا مقدمہ چل رہا تھا تو افغانستان میں انقلاب برپا ہوا تو انہوں نے حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور یہ پراپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر جو تشویش ناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس سے صرف بھٹو صاحب ہی نپٹ سکتے ہیں۔ امریکہ کے مفادات کی حفاظت کے لئے بھٹو صاحب کی شخصیت کا ہونا ضروری ہے لیکن آخر اس پالیسی کا بھی تباہ کن دیوالیہ پن ظاہر ہوگیا۔

۱۹۷۲ء میں ہی محنت کش طبقوں کے ساتھ بھٹو صاحب کا تضاد ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ محنت کش طبقہ ۷۱-۱۹۶۸ء کے دوران "سوشلزم آوے ای آوے" کے نعرہ سے سرشار تھا۔ وہ کارخانوں اور فیکٹریوں پر قبضہ کر کے عملی طور پر پیداواری عمل کی رہنمائی کے تجربات بھی کر رہا تھا۔ جونہی پیپلز پارٹی کی حکومت برسراقتدار آئی بائیں بازو کے پٹی بورژا انقلابیوں نے یہ سمجھا کہ وہ انقلاب کو آگے بڑھا سکتے ہیں اور بھٹو کی رہنمائی میں "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرے کو عملی شکل دے سکتے ہیں لیکن جلد ہی انہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہوگیا جب کراچی میں مزدوروں کی بھٹو حکومت سے سیدھی ٹکر ہوگئی اور سینکڑوں مزدور شہید ہو گئے۔ ٹریڈ یونینیں شجر ممنوعہ بن کر رہ گئیں۔ اور امن عامہ قائم کرنے کے نام پر بھٹو حکومت نے تشدد کے ذریعے ان کی اس آواز کو بند کر دیا جسے انہوں نے خود کبھی تقویت دی تھی اور اقتدار تک پہنچنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ چنانچہ پیپلز پارٹی کے اندر دائیں اور بائیں بازو کا جو توازن اقتدار سنبھالنے سے پہلے قائم تھا۔ وہ درہم برہم ہوگیا اور بائیں بازو کے ساتھ اتحاد کی بجائے ٹکر کی پالیسی نشوونما پانے لگی مودودی اور دائیں بازو کے دوسرے راہنماؤں کے ساتھ گفت و شنید جاری کر دی گئی۔ اور مزدور طبقے کی تنظیموں کو کمزور کرنے کے لیے مختلف حربے سوچی سمجھی تدبیر کے تحت استعمال کیے جانے لگے۔ متوازی یونینیں بنانے کا کام شدومد سے شروع کیا گیا۔ بائیں بازو کی راہنمائی میں چلنے والی یونینوں کو اندرونی انتشار میں مبتلا کرنے کے ہتھکنڈے استعمال کیے جانے لگے۔ کوٹ لکھپت کے انقلابی محنت کشوں کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے لیے یہ پالسی نہایت ہی کامیاب رہی۔ آہستہ آہستہ بائیں بازو کے بیشتر گروہ محض اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے پیپلز پارٹی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور بھٹو حکومت کے اقتدار کے خاتمہ تک محنت کشوں کا پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ تضاد قائم رہا۔ گو وہ ووٹ کی حد تک اب بھی پیپلز

www.bhutto.org

پارٹی کے ساتھ تھے کیونکہ ان کے سامنے کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا۔ لیکن وہ پیپلز پارٹی کی بحالی اور بھٹو کی رہائی کے لیے پہل قدمی کر کے اکیلے میدان میں آنے کے لیے تیار نہ تھا۔

بائیں بازو کے ساتھ اسی تضاد کی وجہ سے قومی اتحاد کی تحریک کے دوران بھٹو صاحب رجعت پسندوں کے مذہبی نعروں کے سامنے جھکتے چلے گئے۔ تحریک سے پہلے احمدیوں کو اقلیت قرار دے کر انہوں نے یہ سمجھا کہ عالم اسلام میں انہوں نے بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہے اور اب وہ دینی رہنماورں کے بھی ہیرو بن گئے ہیں۔ تحریک کے دوران شراب اور گھڑ دوڑ وغیرہ پر پابندیاں عائد کر کے انہوں نے یہ خیال کیا کہ مذہبی عوام کے جذبات کی انہوں نے تسکین کر دی ہے۔ لیکن وہ یہ نہ سوچ سکے کہ نظام مصطفےٰؐ کا نعرہ محض ایک بھگوے "جسے شکاری تیتر وغیرہ کا شکار کرنے کے لیے انہیں دھوکہ دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں" کی طرح استعمال کیا جا رہا ہے، اور اس تحریک کے حقیقی مقاصد قومیائی ہوئی صنعتوں اور بنکوں کو نجی ملکیت میں واپس دینا' محنت کشوں کے شعور کو کند کرنا' ان کی زبانیں بند کر کے استحصالی طبقوں کو لوٹ مار کی کھلی چھٹی دینا ہے۔ چنانچہ اس یلغار کا مقابلہ دائیں بازو کے رہنماؤں کے سامنے قدم قدم پر جھکنے کی بجائے محنت کشوں اور بائیں بازو کے گروہوں اور پارٹیوں سے متحدہ محاذ بنا کر ان پر حملہ آور ہو کر ہی ہو سکتا ہے لیکن بھٹو صاحب نے آخر دم تک یہ راستہ اختیار کرنے سے گریز کیا۔ اور بائیں بازو کی مختلف پارٹیوں اور گروہوں کو بالکل ہیچ سمجھ کر انہوں نے اپنی بے پناہ مقبولیت اور طاقت کے گھمنڈ کے نشہ میں اس سمت ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔ حالانکہ اس دور میں بائیں بازو کی کئی پارٹیوں اور گروہوں نے بدلے ہوئے حالات میں پیپلز پارٹی کے ساتھ تضاد کی پالیسی کو خیرباد کہہ کر تعاون اور اتحاد کا ہاتھ کئی بار بڑھایا۔ لیکن انہیں ہمیشہ مایوسی ہوئی۔

پیپلز پارٹی کی تنظیمی صورت حال

ان معاشی اور سیاسی پالیسیوں کے علاوہ جو پالیسی مہلک ثابت ہوئی وہ پارٹی تنظیم کے متعلق لیڈر شپ کا رویہ تھا۔ یہ رویہ بھی دراصل انہی پالیسیوں کی تنظیمی سطح پر عکاسی کرتا تھا۔

پیپلز پارٹی اس وقت وجود میں آئی جب ایوب حکومت کا سنگھاسن ڈول رہا تھا۔ ایوب حکومت کے نو سالہ دور میں جاگیری نظام کے پہلو بہ پہلو سامراجی ماتحتی میں سرمایہ داری

www.bhutto.org

نظام کی نشوونما کے لیے محدود پیمانے پر جو پیداواری اوزار بدلنے کی کوشش کی گئی- ان کے نتیجے میں اب مزید ترقی پرانے پیداواری تعلقات کے چوکھٹے کے اندر نشوونما نہ پاسکتی تھی اور جن نئے طبقات نے اس زمانہ میں جنم لیا تھا وہ بالغ ہو رہے تھے- ان طبقات کی پیدائش ایسے عہد میں ہوئی تھی جب عالمی سطح پر قومیں آزادی مانگ رہی تھیں- عوام مساوات کے لئے جدوجہد کر رہے تھے اور اپنی صدیوں کی کھوئی ہوئی انسانیت واپس مانگ رہے تھے- قدرتی طور پر پاکستانی عوام بھی محض کولہو کا بیل بنے رہنے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ فیوڈل پیداواری تعلقات کے پرانے بندھنوں کو توڑنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے- ان حالات میں ایجی ٹیشن اور جدوجہد کے در کھلنے والے تھے- چنانچہ جب مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب حکومت کو للکارا تو یہ للکار آناً فاناً ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر محلے' ہر گاؤں میں خودرو طریقے سے پیپلز پارٹی کے دفاتر کھلنے لگے اور یہ دفاتر ان لوگوں نے کھولے جن کے لئے سیاست شجر ممنوع تھی- جنہیں ملک کی سماجی زندگی میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی- کچی آبادیوں' جھگیوں' درختوں اور کھوکھوں پر پیپلز پارٹی کے جھنڈے جھلا کر بے نام لوگوں اور پیٹی بورژوا جذبات سے معمور عناصر نے اپنے تشخص کو ابھارنا شروع کیا- برصغیر کی ساری تاریخ میں ایسی صورتحال پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی- مسلم لیگ کی تنظیم بھی ہمہ گیر تھی لیکن وہ کئی سالوں کی جدوجہد اور کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد وجود میں آئی تھی اور اپنی ہر دلعزیزی کے شباب کے وقت بھی دیہات میں جاگیرداروں' زمینداروں اور شہروں میں تجارتی سرمایہ داروں کی رہنمائی کی مرہون منت تھی لیکن اس کے برعکس پیپلز پارٹی سیلاب کے ریلے کی طرح ہر سو پھیل گئی تھی- شروع شروع میں غریب محنت کش اور پیٹی بورژوا عناصر ہر جگہ اس کی عنان سنبھالے ہوئے تھے- وہ کسی تحصیل یا ضلع کے مرکز میں متحد نہ تھے لیکن وہ تمام کے تمام ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کے گرد متحد ضرور تھے- ۱۹۶۷ء میں پارٹی کی تنظیم کا اعلان کیا گیا اور ۱۹۶۸ء میں عوامی تحریک پھوٹ پڑی- اور بھٹو جیل چلے گئے- یہ ایجی ٹیشن اور نعرے بازی اور پکڑ دھکڑ کا زمانہ تھا- ایوب حکومت اس تحریک کا نشانہ تھی- ایوب حکومت پر دائیں اور بائیں دونوں اطراف سے برابر حملے ہو رہے تھے- اس زمانہ میں کسی پارٹی کی تنظیم کی طرف توجہ دینا مشکل تھا- لیکن مارچ ۱۹۶۹ء میں یحییٰ خاں کا مارشل لاء نافذ ہوگیا اور ۱۹۷۰ء اکتوبر میں انتخابات ہو گئے لیکن اقتدار منتقل نہ ہوا- اس زمانہ میں یقیناً پارٹی کی تنظیم کی جا سکتی تھی- اس وقت تک پارٹی کا اثر و رسوخ ہر طرف پھیل چکا تھا اور ہزاروں نوجوان

وفاداری سے سرشار پارٹی کو پھیلانے اور بڑھانے کے لئے شب و روز کام کر رہے تھے۔ پارٹی کے پاس کارکن تھے' فنڈ تھے اور بے پناہ اثر و رسوخ تھا۔ اور لوگوں نے اپنی پہل قدمی سے قریہ قریہ بستی بستی پیپلزپارٹی کے دفاتر قائم کر دیئے تھے لیکن کسی عہدیدار کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ وہ کب تک اس عہدہ پر فائز ہے۔ کیونکہ ساری تنظیم نامزدگیوں کے سہارے چل رہی تھی۔ چنانچہ جب انتخابات کے بعد ایم این اے اور ایم پی اے وجود میں آ گئے اور یہ نظر آنے لگا کہ پارٹی کسی نہ کسی صورت میں اقتدار حاصل کرے گی تو عہدوں کے لئے ایک دوڑ چل نکلی اور عہدے بکنے لگے۔ چھوٹے قصبوں اور دیہات میں پارٹی کے عہدوں کے لئے نامزدگی کرنے کے لئے روپے وصول کئے جانے لگے اور کئی پیداگیر لیڈروں نے لاکھوں روپے لوگوں سے اینٹھ لیے جن لوگوں نے عہدے خریدے تھے انہوں نے اپنے عہدوں کا ناجائز استعمال کرنا شروع کر دیا چنانچہ پارٹی صفوں میں نہایت ہی شدید انتشاری کیفیت طاری ہو گئی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھلانے کے لئے لڑائیاں' جھگڑے دن بدن بڑھنے لگے اور بعض علاقوں میں پارٹی رہنماؤں نے اس صورت حال کو درست کرنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا۔ دراصل وہ کوئی قدم اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ عہدیدار ضرور تھے لیکن وہ تنظیمی امور میں اپنے عہدے کا استعمال نہیں کر سکتے تھے اور اگر کبھی کرتے تھے تو فیصلہ جن کے خلاف ہوتا وہ سیدھے بھٹو صاحب کے پاس جاتے۔ چنانچہ پارٹی کے اندر کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ تھی اور ہر بات بھٹو صاحب کے اشارے کی مرہون منت ہوتی تھی چنانچہ کرسی اقتدار سنبھالنے کے بعد بھٹو صاحب نے اپنے دوروں کے دوران پارٹی کارکنوں کی جو میٹنگیں بلائیں اول تو وہ افسر شاہی کے ذریعے بلائی گئیں دوسرے ان میٹنگوں میں بھٹو صاحب کی موجودگی میں مختلف گروہوں نے ایک دوسرے پر خوب خوب کیچڑ اچھالا۔ لیکن ہر گروہ نے بھٹو صاحب کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ ان حالات میں بھٹو صاحب بالکل مطمئن تھے اور بجا طور پر۔ وہ جدید علوم سے لیس اور روشن خیال ضرور تھے لیکن جاگیری پس منظر کی وجہ سے تنظیمی امور میں آمرانہ خیالات رکھتے تھے اور وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص پیپلزپارٹی کے اندر اس قدر قد و قامت بڑھائے کہ ان کی رہنمایانہ حیثیت کو چیلنج کرنے کے قابل ہو جائے (حالانکہ ایسی صورت میں قرین قیاس نہیں تھی) چنانچہ جس کسی نے ذرا بھر سر اٹھایا اور آزاد خیالی کا مظاہرہ کیا اسے پارٹی صفوں سے نکال دیا گیا۔ جے۔ اے رحیم' معراج محمد خاں' خورشید حسن میر' مصطفےٰ کھر' حنیف رامے کا پارٹی سے اخراج انہی وجوہات کی بنا پر ہوا۔

اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی پارٹی کے انتخابات کروا کر اس کی تنظیم کو جمہوری بنیادوں پر استوار نہ کیا گیا اور اقتدار کی کشتی میں سوار پیپلزپارٹی کے مختلف گروہ آپس میں دست و گریباں' اقتدار کے نشے میں مست' تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے سمندر میں تند و تیز لہروں کے تھپیڑوں سے ٹکراتے ہوئے محو سفر رہے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا بھٹو ایک ماورائی شخصیت (MYTH) بنتا گیا اور چاپلوسوں' موقعہ پرستوں اور گھٹیا قسم کے عیش پرستوں نے اس (MYTH) کی نشوونما میں دن رات ایک کر دیا اور پارٹی کے ہر کارکن کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی کہ اس کی ہستی اس کا وجود اور شخصیت محض بھٹو کی وجہ سے قائم ہے اگر بھٹو نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پارٹیوں کی نشوونما میں شخصیت پرستی بھی اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن معروضی حالات کے ادراک کے بغیر محض شخصیت کو دوام بخش سکتی ہے۔

عوام کی پہل قدمی' حرکت اور والہانہ انداز نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ایسے نتائج برآمد کیے کہ پیپلزپارٹی کے رہنما اور خود بھٹو صاحب چونک گئے تھے۔ اور ان دنوں "عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں کا نعرہ بہت ہر دلعزیزی حاصل کرنے لگا تھا۔ لیکن اقتدار حاصل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ طاقت کے اس سرچشمے کو یہ بتایا جانے لگا کہ بھٹو صاحب ہر فن مولا ہیں اور وہی سب دکھوں کے مشکل کشا ہیں اور وہ مافوق الفطرت انسان ہیں اور بڑے سے بڑے الجھے ہوئے مسائل حل کرنے میں یکتا ہیں۔ وہ بحرانوں کے آدمی ہیں اور بحرانوں میں ان کی اڑان اور بھی اونچی ہو جاتی ہے وہ سیاست کی شطرنج کے بہترین کھلاڑی ہیں اور کوئی دوسرا ان سے بہتر چال نہیں چل سکتا۔ چنانچہ پیپلزپارٹی کے عوام اور کارکن آخر دم تک یہی سمجھتے رہے کہ بھٹو صاحب اپنی ذہانت' اپنی ڈپلومیسی اور گفت و شنید اور جوڑ توڑ سے اس بحران پر بھی قابو پا لیں گے حتیٰ کہ وہ تختہ دار پر لٹک گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں بھٹو صاحب ایک عظیم سیاستدان تھے۔ وہ جوش وولولہ اور ادراک اور فہم سے لیس تھے لیکن وہ ان سب باتوں کے باوجود سماجی حالات کو سمجھ نہ سکے کیونکہ ان کا فہم و ادراک ان کی طبقاتی حدود کو عبور نہ کر سکا اور وہ آخر دم تک انہی طبقاتی حدود میں مقید رہے جن میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں کے نعرے کو ہر دلعزیز بنانے کے باوجود اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عوام دشمن طبقات کے نمائندوں کے خلاف جدوجہد کی بجائے مفاہمت کی پالیسی اختیار کی اور عوام پر انحصار کرنے کی بجائے افسر شاہی اور کرسی کی طاقت پر انحصار کیا اس بات کا

www.bhutto.org

اظہار انہوں نے قومی اتحاد کی تحریک کے دوران کھلے بندوں کیا اس سے پہلے مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے لئے اپنی پارٹی کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے پارٹی اور کارکنوں کی بجائے ڈپٹی کمشنروں اور سی' آئی' ڈی کی رپورٹوں پر تکیہ کیا۔ یہ پیپلزپارٹی کا المیہ تھا کہ اس قدر ہر دلعزیز اور ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی پارٹی افسر شاہی کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا راستہ اختیار کر رہی تھی۔ یہ عجب ستم ظریفی تھی کہ حکومت پیپلزپارٹی کی تھی لیکن افسر شاہی پیپلزپارٹی کے جیتنے والے امیدواروں کی رپورٹ کرنے کے لئے امیدواروں سے رشوت وصول کر رہی تھی اور امیدوار رشوت دے کر پارٹی کی ٹکٹیں حاصل کرنے کو عار نہ سمجھتے تھے۔ یوں تو جب پیپلزپارٹی برسراقتدار آئی تھی اس وقت بڑے بڑے زمیندار' لیٹرے اور بدمعاش جو نعرہ بازی کی وجہ سے انتخابات سے پہلے پیپلزپارٹی میں شامل نہ ہو سکے تھے جوق در جوق پیپلزپارٹی میں شامل ہو گئے تھے اور اونی کارکنوں کو موہڈا مار کر آگے نکل گئے تھے۔ ان میں ایسے ممبران اسمبلی بھی شامل تھے جنہوں نے انتخابات کے دوران پیپلزپارٹی کے خلاف ہر قسم کے حربے استعمال کئے تھے اور بھٹو صاحب اور پیپلزپارٹی کے خلاف آمریت اور کفر کے فتوے داغے تھے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو گئے تھے۔ ایسے موقعہ پرستوں اور عوام دشمن عناصر نے جب دیکھا کہ پیپلزپارٹی کی مخالف صفوں میں رہ کر وہ اپنی لوٹ مار' مار دھاڑ اور ظلم و ستم جاری نہیں رکھ سکیں گے تو انہوں نے جھٹ پینترا بدل لیا اور مصطفےٰ کھر کے ذریعے پنجاب کی پارٹی میں ان جیالے کارکنوں کے سینوں کو روندتے ہوئے داخل ہو گئے جو ان کے عتاب کا نشانہ رہے پیپلزپارٹی کی پنجاب اسمبلی میں اتنی بڑی اکثریت تھی کہ اسے ایسے بددیانت اور رجعت پسندوں کو اپنی صفوں میں داخل کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن لیڈر شپ نے تمام اصولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں پیپلزپارٹی میں داخل کر لیا اور وہ ممبران اسمبلی ہونے کی وجہ سے لیڈر شپ میں شامل ہو گئے۔ لیکن رہی سہی کسر ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے لئے امیدواروں کے چناؤ کے طریق کار نے نکال دی۔

باوجود اپنی تمام کوتاہیوں' موقعہ پرستیوں اور کمزوریوں کے پیپلزپارٹی ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں بھی بھاری اکثریت سے جیت جاتی لیکن رجعت پسند عناصر اور بڑے بڑے امیدواروں نے اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے افسر شاہی کو رشوت دے کر کئی حلقوں میں لامحدود دھاندلیاں کیں اور ایسے حلقوں میں انتخابات کو مذاق بنا کر رکھ دیا۔ ان حالات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور قومی اتحاد کی تحریک کے لئے ایندھن مہیا کر دیا۔

www.bhutto.org

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب نہایت کایاں اور کامیاب منصوبہ بندی کے بعد فوجی جرنیلوں نے پیپلزپارٹی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تو صورت حال یہ تھی کہ تمام صوبوں میں گورنر اور وزراء اعظم رجعت پسند اور دقیانوسی طبقوں سے تعلق رکھنے والے تھے اور مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر بھی موقعہ پرستوں اور بڑے زمینداروں میں سے تھے جو فوجی جرنیلوں کو دیکھتے ہی دم دبا کر کونے کھدروں میں چھپ گئے۔ اور کسی نہ کسی شکل میں اسی رجعت پسند سازش میں شامل ہو گئے جو ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تیار کی گئی تھی۔

سیاسی اور تنظیمی دیوالیہ پن

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب فوجی جرنیلوں نے بھٹو حکومت کو اقتدار سے علیحدہ کر کے یہ اعلان کیا کہ ان کا کوئی سیاسی مقصد نہیں اور ۹۰ دن کے اندر اندر عام انتخابات کروانا ہی ان کا واحد مقصد ہے تو پیپلزپارٹی کے رہنما بالکل بھو نچکے رہ گئے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ فوجی سربراہ ان کا پروردہ ہے اس لئے وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب یہ سانحہ حقیقت بن گیا تو اکثریت نے یہ باور کر لیا کہ یہ تبدیلی پیپلزپارٹی کی حکومت کو قومی اتحاد کی تحریک بچانے کے لئے وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات ہوں گے اور وہ پھر بھاری اکثریت کے بل بوتے پر مسند اقتدار پر پہنچ جائیں گے۔ شاطر فوجی جرنیلوں نے اس خیال کو تقویت دینے کے لئے اول تو دونوں طاقتوں قومی اتحاد اور پیپلزپارٹی کے رہنماؤں کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور دوسرے مصنوعی مسکراہٹوں کے جھرمٹ میں بھٹو صاحب سے مری میں ملاقات کی گئی اور ملاقات کے بعد ان کی ذہانت اور عقل و دانش کے قصیدے نشر کئے گئے پیپلزپارٹی کے رہنما یہ بھول گئے کہ ان کے بنائے ہوئے آئین میں یہ شق موجود ہے کہ آئین سے غداری کرنے والے کی سزا موت ہے اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ برطرف کیا جانے والا وزیر اعظم نہ تو فیروز خان نون ہے اور نہ ہی اسکندر مرزا وہ تو ذوالفقار علی بھٹو ہے جو عوام میں ہر دلعزیز ہے اور اس کی سیاسی طاقت موجود ہے۔

چنانچہ وہ اسی سوچ کے زیر اثر آنے والے انتخابات کی تیاری میں لگ گئے بھٹو صاحب نے جب عوام سے رابطہ مہم شروع کی تو ہزاروں عقیدت مندوں نے ان کا استقبال کیا۔ فوجی حکومت نے ان کے ٹرین کے ذریعے سفر کرنے پر پابندی لگا دی لیکن پیپلزپارٹی کے رہنما پھر بھی نہ سمجھ سکے۔ اس دوران ان میں بے پناہ عوامی مقبولیت کے مظاہرے نے ان

www.bhutto.org

کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اگر الیکشن نہ کرائے گئے تو وہ اسی عوامی طاقت کے ذریعے آن واحد میں فوجی حکومت کا تیاپانچا کر کے رکھ دیں گے۔ جب بھٹو صاحب ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور پہنچے اور محنت کش عوام نے نہایت ہی والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا تو پیپلزپارٹی کے رہنماؤں کی خود اعتمادی اور بھی بڑھ گئی۔ اس عرصہ میں فوجی حکومت محمد احمد خان کے قتل کے دفن شدہ مقدمہ کی فائلیں کھنگال چکی تھی اور انہیں ایسے گواہ فراہم ہو چکے تھے جو قتل کامقدمہ کھڑا کرنے کے لئے کافی تھے چنانچہ انہوں نے نہایت معصومانہ انداز میں بھٹو صاحب کو قتل کے مقدمہ میں گرفتار کر لیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ یہ سیاسی گرفتاری نہیں ہے اور ملک کے عام قانون کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اور تمام پاکستانی قانون کی نظر میں برابر ہیں اور پہلے احتساب اور پھر انتخاب کا شوشہ چھوڑ دیا۔ حیرت ہے کہ اس مرحلہ پر پیپلزپارٹی کے رہنما اور خود بھٹو صاحب اس خوفناک صورت حال کو نہ سمجھ سکے۔ جو مستقبل کی نشاندہی کر رہی تھی جسٹس صمدانی صاحب نے بھٹو صاحب کی قتل کے مقدمہ میں ضمانت کر کے انہیں ایک اور نایاب موقعہ فراہم کر دیا تھا لیکن انہوں نے فوجی جرنیلوں کی طاقت کو کم اور اپنی عوامی طاقت کو زیادہ سمجھتے ہوئے ایک بار پھر اس موقعہ کو کھو دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مرحلہ پر مارشل لا حکومت کو جس نے سوچی سمجھی تدبیر کے تحت اپنے مفادات کے لئے اسلام کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا قومی اتحاد کی مکمل حمائت حاصل تھی جو تھوڑا عرصہ پہلے بھٹو حکومت کے خلاف ملک کے ایک حصہ کی متشددانہ کامیاب تحریک کی رہنمائی کر چکا تھا تنظیم سے عاری انفرادیت پر مبنی پیپلزپارٹی جو ایک غیر منظم جذباتی جم غفیر کی رہنمائی کا دم بھرتی تھی فوری طور پر مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

جدوجہد طویل اور کٹھن تھی۔ بھٹو کی گرفتاری سے پارٹی کا مرکز ختم ہو چکا تھا اور کسی کی اتنی بصیرت نہ تھی کہ کیا کرنا ہے تحریک چلانی ہے تو کیسے چلانی ہے؟ اس تحریک کی نوعیت کیا ہو گی۔ طریقہ کار کیا ہو گا نیا مرکز کیسے قائم کیا جائے گا؟ زیر زمین اور کھلی سیاسی سرگرمیوں کو کیسے مربوط کیا جائے گا؟ پارٹی رہنماؤں کو ان کٹھن مراحل کا ادراک ہی نہ تھا۔ ان میں سے جو رہنما کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے تھے انہیں بھی علم نہ تھا کہ کیا کرنا ہے چنانچہ سوائے چند ایک کے وہ محض جیل جانا ہی اپنے فرض کی ادائیگی کی معراج سمجھتے تھے۔ بہت بڑی اکثریت نوگوشہ عافیت اختیار کر چکی تھی اور پہلے احتساب اور پھر انتخاب کے نعرہ کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی اور جان کی امان مانگ رہی تھی۔

www.bhutto.org

ایسے حالات میں بیگم بھٹو کو مرکز بنایا گیا لیکن وہ جلد ہی نظر بند کر دی گئیں۔ اور دھیرے دھیرے نہایت چا بکدستی سے پیپلزپارٹی کی دوسری لیڈر شپ کو جیلوں میں ڈال کر بے دست و پا کر دیا گیا بوکھلاہٹ کے عالم میں پیپلزپارٹی کے نوجوان جیالے کارکنوں نے اپنے طور پر اکا دکا غیر مربوط مدافعتی ایکشن شروع کر دیے کسی گروپ نے خود سوزی کا راستہ اختیار کیا تو کسی نے بم مارنے کا۔ اس سارے دور میں سیاست کو پس پشت ڈال کر محض انتقامی کاروائیوں پر زور دیا جانے لگا اور ہزاروں نوجوانو نے قید وبند کی بار بار صعوبتیں جھیلیں اور اپنے جوان جسموں پر ان گنت کوڑے کھائے۔ حکومت نے تشدد کی پالیسی کے ساتھ ساتھ پیپلزپارٹی کے اندر بھی نقب لگائی کچھ رہنماؤں کو گوشہ عافیت میں چلے جانے کی ترغیب دی گئی بھٹو خاندان کی لیڈر شپ پر اجارہ داری کے خلاف اعلان کروائے جانے لگے اور موقعہ پرستی کے مجسمہ کوثر نیازی نے پروگریسو پیپلزپارٹی بنانے کا اعلان کر دیا۔ اسی کوثر نیازی کی خاطر بائیں بازو کی شخصیتوں کو چلتا کیا گیا تھا لیکن یہ حضرت نقارے کی پہلی ضرب پر بوریا بستر لپیٹ کر پیپلزپارٹی کی صفوں سے باہر ہو گئے شاید وہ اپنے آقاؤں کا کام نہایت احسن طریقے سے انجام دے چکے تھے اور اب مزید اس میدان میں ان کی خدمات کی ضرورت نہ رہی تھی۔

ایسے دور میں جبکہ پیپلزپارٹی نہایت ہی طاقت ور رجعتی گٹھ جوڑ سے نبرد آزما تھی لیڈر شپ نے سیاسی بالغ نظری کا ثبوت فراہم نہ کیا اور پرانی ہچوما دیگرے نسبت والی ڈگر پر چلتی رہی۔ ایسے حالات میں تو پیپلزپارٹی کو قطرے قطرے اور ذرے ذرے کی حمایت کی ضرورت تھی بائیں بازو کے وہ گروہ جو پیپلزپارٹی کے زمانہ میں اقتدار میں اس کے تشدد کا نشانہ بنے رہے تھے اور اس کے خلاف محنت کشوں کی جدوجہد کو منظم کرتے رہے تھے وہ نئے حکمرانوں کے نہایت ہی رجعتی گٹھ جوڑ کو بھانپ کر پرانی عداوتوں اور نفرتوں کو بھول کر اتحاد کی طرف قدم بڑھا رہے تھے لیکن پیپلزپارٹی کی طرف سے اس وسیع تر اتحاد کے لئے کبھی پہل نہ کی گئی اور وہ انہیں برابر حقیر اور رینگتی ہوئی چیونٹیاں ہی سمجھتی رہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو ساری بہادرانہ تحریک اور ان گنت قربانیاں محض انتقامی نعرہ بازی کی نذر ہو گئیں اور دوسری طرف ساری ہمدردیوں کے باوجود نہ تو محنت کش ہی میدان میں نکلے اور نہ ہی دوسرے عوام کو پوری طرح حرکت میں لایا جا سکا۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا لیکن جنرل ضیاء الحق کی طرح پیپلزپارٹی بھی کوئی مثبت نتائج حاصل نہ کر سکی۔ اور اب جب تحریک اپنے مقاصد میں فیل ہو گئی ہے تو ہر طرف آہیں ہیں آنسو ہیں اور تلخیاں ہی تلخیاں ہیں۔ کہیں

www.bhutto.org

لیڈر شپ کے خلاف گالی گلوچ اور بے تکی نکتہ چینی ہے تو کہیں ایک دوسرے کے عیب گنوائے جا رہے ہیں۔ ہر کسی کے خلاف روپیہ ڈکارنے کے الزامات لگائے جا رہے ہیں حتیٰ کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ بھٹو کو پھانسی لگوانے میں اس کے رفقاء کا بھی ہاتھ ہے کیونکہ ان کی لیڈر شپ بھٹو کی موت پر ہی چمک سکتی تھی اور اب وہ بھٹو کی قبر کے مجاور بننے کے لئے جوڑ توڑ کر رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تحریکیں فیل ہو جاتی ہیں تو ایسی صورت حال کا پیدا ہونا لازمی ہے لیکن ان سب حالات کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ابھی تک لیڈر شپ کی طرف سے سنجیدگی سے اس بات کا جائزہ ہی نہیں لیا گیا کہ وہ کونسی سیاسی، معاشی اور تنظیمی کمزوریاں تھیں جنہوں نے اس عظیم المیہ کی بنیادیں فراہم کیں افراد اور شخصیتوں کی کوتاہیاں اور نااہلیاں یقیناً گنوائی جا سکتی ہیں لیکن یہ سارے معاملہ کا حقیر سا پہلو ہے ناکامی کی اصل وجوہات ان سیاسی، معاشی تنظیمی پالیسیوں میں مضمر ہیں جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے۔

مستقبل کا راستہ

ہم نے پیپلزپارٹی اور بھٹو حکومت کے اقتدار کے ساڑھے پانچسالہ دور اور اس کے بعد ۴ اپریل ۱۹۷۹ء تک پیپلزپارٹی کی کارکردگی کا جائزہ لیا ہے اور پاکستان کے معروضی حالات میں پیپلزپارٹی کی کامیابیوں اور ناکامیوں، اچھائیوں اور برائیوں اس کی طاقت اور کمزوریوں کو بے لاگ طریقے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے گو آج کے حالات میں جبکہ فضا نہایت ہی تندو تیز متضاد ردعمل سے معمور ہے حقائق کا جانچنا اور پرکھنا آسان کام نہیں لیکن پھر بھی بھٹو کی شخصیت اور پیپلزپارٹی اور بھٹو حکومت کے کردار پر روشنی ڈالنا ضروری تھا۔ اول تو یہ ایک خالص پاکستانی تجربہ ہے دوئم پیپلزپارٹی اور بھٹو کی شخصیت پچھلے دس سال میں پاکستان کی سیاسی اور سماجی زندگی پر نہایت ہی ہمہ گیر اور گہرے طریقے سے اثر انداز ہوئی ہے اور اس نے پاکستانی سیاست پر اتنے گہرے نقوش کندہ کئے ہیں کہ اس سے پہلو تہی کرنا پاکستان کے معروضی حالات سے منہ موڑنے کے مترادف ہو گا یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ مستقبل قریب میں پیپلزپارٹی اور بھٹو کی پرچھائیاں پاکستانی سیاست میں اور بھی اہم کردار ادا کرنے والی ہیں۔ پاکستان کے تمام مسائل خواہ وہ سامراجی شکنجوں سے آزادی ہو یا جاگیرداری نظام کا خاتمہ جمہوریت کا قیام اور قومی مسئلہ ہو یا بھوک، بے روزگاری کا خاتمہ جائزہ لینا اس لئے بھی ضروری تھا کہ آج بھی پیپلزپارٹی کی صفوں میں جی دار اور سرکھف

www.bhutto.org

نوجوان موجود ہیں جو اپنے آپ کو ترقی پسند اور انقلابی سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستانی سیاست میں جدوجہد اور قربانیوں کے نئے باب رقم کئے ہیں اور پاکستان کی سماجی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں ان نوجوانوں کے سیاسی کردار نے جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت ہے کے نعروں کے درمیان جنم لیا ہے اور انہیں نعروں کے درمیان وہ پروان چڑھ رہے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلزپارٹی کے کردار کا جائزہ لیں یہ ضروری ہے کہ موجودہ سیاسی معاشی اور سماجی منظر پر ایک نظر ڈال لیں۔

۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو پاکستانی سیاست کے کھیل کے غیر جانبدار ریفری نے زندہ بھٹو کو میدان سیاست سے ہمیشہ کے لئے یہ کہہ کر بے دخل کر دیا کہ اسے ایک قتل کے جرم میں ملک کی عدالت عالیہ نے مجرم گردانا تھا اور عدلیہ کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے بھٹو کو تختہ دار پر لٹکانا ضروری تھی اور اس کے چند روز بعد قومی اتحاد کے وزیروں کو بھی حکومت سے چلتا کیا گیا کیونکہ بھٹو کے خاتمہ کے بعد ان کی ضرورت نہ رہی تھی اور ملکی سیاست میں غیر جانبداری کے بھرم کو از سرنو قائم کرنا بھی ضروری تھا۔

اور وہ حکومت جس کے کوئی سیاسی عزائم نہ تھے اور جس نے ۹۰ دن کے اندر اندر غیر جانبدارانہ اور منصفانہ قومی انتخابات کروا کر جمہوریت کے قیام کی خاطر اقتدار اعلی منتخب شدہ نمائندوں کو سپرد کر کے اپنے دفاعی فرائض کی ادائیگی کے لئے واپس بیرکوں میں چلے جانا تھا اب اعلان کر رہی ہے کہ پہلے بلدیاتی انتخابات کروائے جائیں گے اور بعد میں قومی انتخابات ہوں گے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا جا رہا ہے کہ آئین میں مزید تبدیلیاں کی جائیں گی اور فوجی سربراہ کو یہ آئینی اختیار دیا جائے گا کہ وہ جب سمجھے کہ حالات دگرگوں ہو رہے ہیں حکومت پر قابض ہو جائے اور حالات کو سدھار کر پھر اقتدار منتخب نمائندوں کو سونپ دے۔ گویا کہ آئین میں ایسی تبدیلیاں کرنے کا بندوبست کیا جا رہا ہے کہ ملک میں بار بار مارشل لا لگانے کی زحمت نہ کرنی پڑے بلکہ آئین ہی مارشل لائی بنایا جائے اور منتخب حکومت محض فوجی سربراہ کی خوشنودی سے ہی برسراقتدار رہ سکے اور یہ سب کچھ اسلام کی سربلندی کے نام پر کیا جا رہا ہے اور تاریخی حقائق کو مسخ کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اسلامی حکومت ہمیشہ فوجی سربراہوں کی مرضی کے مطابق ہی قائم ہوتی ہے۔

جداگانہ انتخابات کی ترمیم کے بعد ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ دوسری بڑی تبدیلی ہے۔

www.bhutto.org

ان ہر دو ترمیمات سے ۱۹۷۳ء کے آئین کی روح کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے اور اس طرح طے شدہ مسائل کو پھر سے متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس صوبائی خودمختاری کے سوال پر اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ یہ طے شدہ مسئلہ ہے اور اسے ہرگز ہرگز نہ چھیڑا جائے کیونکہ طے شدہ مسائل کو چھیڑنے سے ہزارہا نئے فتنے سر اٹھائیں گے۔ اس طرح یہ دوہرے معیار اور دوغلی باتیں حکمرانوں کے عزائم کو مشکوک کیے جا رہی ہیں قومی انتخابات منعقد کروانے کے بار بار اعلانات کے باوجود سارے ملک میں شک و شبہ کی فضا پیدا ہو رہی ہے مرکز میں غیر جمہوری حکومت کے قیام کو جس قدر طول دیا جائے گا صوبجاتی خود مختاری کا مسئلہ اسی قدر تند و تیز شکل میں ابھرے گا اور جمہوری حکومت کے قیام میں جتنی تاخیر ہو گی۔ اتنا ہی یہ مسئلہ خطرناک صورت اختیار کرتا جائے گا حقیقت یہ ہے کہ غیر جمہوری حکومت کو طوالت بخش کر ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگایا جا رہا ہے ایشیا کے اس علاقے اور خود پاکستان کے اندر طوفان جنم لے رہے ہیں ان کی گڑگڑاہٹ صاف سنائی دے رہی ہے جو لوگ آنکھیں بند کر کے کانوں میں روئی ٹھونسے سب اچھا کی رٹ لگا رہے ہیں وہ یقیناً بھیانک نتائج کے ذمہ دار ہوں گے۔

معاشی میدان میں حکومت کی کارکردگی

پچھلے دو سال میں فوجی اور قومی اتحاد کی حکومت کی اعلیٰ کارکردگی کے نتیجے میں ملک کو بیرونی تجارت میں ۲۰ ارب روپے کے لگ بھگ خسارہ ہو رہا ہے۔ سیمنٹ کی اس قدر قلت ہو گئی ہے کہ باوجود درآمد کرنے کے ساٹھ روپے فی بوری کھلے بندوں بک رہا ہے چینی کی پیداوار میں ۳۳ فیصد کمی واقع ہو گئی ہے۔ ڈیزل آئل مٹی کے تیل کی سپلائی میں سخت کمی کے باعث کاشت کار اور عوام سخت مشکلات سے دوچار ہیں کپاس کی پیداوار ۳۸ لاکھ گانٹھ سے کم ہوتے ہوتے اب ۱۸ لاکھ گانٹھ سالانہ پہنچ گئی ہے نجی شعبے میں پہلے صرف ٹیکسٹائل کی صنعت کو بیمار گردانا گیا تھا اب پنجاب کی سٹیل فونڈریاں بھی بند ہو رہی ہیں پچھلے ایک سال میں ملکی معیشت کو ترقی دینے کے لئے ۱۴ کروڑ روپیہ کا پان اور چھالیہ درآمد کیا گیا ہے اور کروڑوں روپے کی موٹریں جعلسازی سے ایک وزیر اور حکام کی اعانت سے درآمد کی گئیں ان موٹروں کی سرکاری نیلامی کے وقت یہ پتہ چلا کہ وہ محض ڈھانچے رہ گئے ہیں اور

www.bhutto.org

کام کے پرزے اور سامان نظام مصطفیٰ کے شیدائی تاجر پہلے ہی نکلوا کر لے گئے ہیں چنانچہ نظام مصطفیٰ کے سب سے بڑے علمبردار اخبار نوائے وقت کو بار بار "کیا ہم فراڈیوں کی قوم ہیں" کے عنوان سے اداریے لکھنے پڑے۔ اس سال گندم کی خریداری میں ایک کروڑ روپے کے غبن کا انکشاف ہو چکا ہے رشوت سماج کے ہر شعبے کو پوری طرح گرفت میں لے چکی ہے حتیٰ کہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ بھی رشوت کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔

حکومت باوجود زبردست کوششوں کے تاحال قرضوں کی ادائیگی ملتوی کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ بلکہ معیشت کا انحصار قرضوں پر اور بھی بڑھ گیا ہے۔

ضروریات زندگی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں حکومت اور نجی سرمایہ داروں نے اس تمام بحران کا بوجھ محنت کشوں کے کندھوں پر ڈالنے کے لئے یلغار شروع کر دی ہے افراط زر برابر بڑھ رہا ہے چھانٹیاں بیدخلیاں اور بے روز گاری متواتر بڑھتی رہی ہے گندم کی قیمت میں ۱۰ روپے فی من سرکاری طور پر اضافہ کیا جا چکا ہے ریلوے کے دس فیصد کے حساب سے کرائے بڑھائے جا رہے ہیں۔ کئی دوسرے ٹیکس لگائے جا رہے ہیں اور ان پرانی طرز کے ٹیکسوں کے ساتھ اسلام کے نام پر زکوٰۃ اور عشر کا نفاذ کیا جا رہا ہے۔

ان تمام وجوہات کی وجہ سے بے چینی کا پیدا ہونا لازمی ہے چنانچہ ملک کے طول و عرض میں طلبا میں بے پناہ بے چینی کی لہر دوڑ رہی ہے جامعہ کراچی پر تو کئی روز طلباء نے قبضہ کئے رکھا ہے لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، گوجرانوالہ اور کئی دوسرے شہروں میں طلبا بار بار اپنے مسائل کے بارے میں مظاہرے کر چکے ہیں کئی ماہ تک پہلے ہی حکومت نے کالج بند رکھے ہیں۔ اب طلبا کا مزید ایک اور تعلیمی سال ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

مزدور طبقے میں اس کمر توڑ مہنگائی اور چھانٹیوں کے خلاف زبردست ہیجان پیدا ہو رہا ہے لیکن انتظامیہ کا رویہ اس قدر ظالمانہ اور احمقانہ ہے کہ مزدوروں کے مسائل بجائے افہام و تفہیم سے حل کرنے کے صنعتی اداروں سے تمام مزدوروں کو نوکری سے نکال دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے جیسا کہ کراچی شپ یارڈ اور لاہور میں لیفو فیکٹری میں ہوا ہے ہڑتالی مزدوروں کے جلسے جلوسوں پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال عام ہو گیا ہے اور چن چن کر مزدور رہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کو گرفتار کر کے تشدد کے ذریعے مزدوروں کو دبایا جا رہا ہے عجب ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو اسلام کا یہ حوالہ دیا جاتا ہے کہ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے ادا کر دی جائے لیکن دوسری طرف روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی قیمت تو بڑھائی جاتی ہے لیکن جب مزدور اسی تناسب سے

www.bhutto.org

تنخواہوں میں اضافہ چاہتے ہیں یا اشیائے ضرورت کی قیمتیں کم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ لاٹھی گولی کا شکار ہوتے ہیں لیکن صورت ایسی پیدا ہو رہی ہے کہ محنت کشوں میں بے چینی اور ہیجان برابر بڑھے گا اور نچلے درمیانہ طبقے اور طلبا کے وسیع حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

عوام کے وسیع حلقوں طلبا اور مزدوروں کی بے چینی سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نپٹنے کے لئے ایک طرف تو انتظامیہ پولیس اور فوجی عدالتوں کا سہارا لے رہی ہے اور دوسری طرف اسلامی جمعیت طلبہ کے مسلح گروہ اور جماعت اسلامی کے لٹھ برداروں کو بھی استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ان عوام دشمن گروہوں نے راولپنڈی پریس کلب میں منعقد ہونے والی یوم مئی کی تقریب پر آتشیں اسلحہ سے حملہ کر کے درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد لاہور میں ریلوے مزدوروں کے رہنماؤں کے خلاف رکیک حملے کیے۔ لیکن ہر جگہ منہ کی کھائی۔

قومی اتحاد کا انجام

حکومت میں شمولیت سے پہلے ہی قومی اتحاد کی دو بڑی پارٹیاں اس اتحاد سے علیحدہ ہو گئی تھیں اور انہوں نے باقی ماندہ قومی اتحاد کو اپنی نکتہ چینی کا ہدف بنایا تھا۔ قومی اتحاد کی جو پارٹیاں حکومت میں شامل ہوئی تھیں وہ بری طرح ناکام ہوئی ہیں اور ان کے بلند بانگ دعوے بیچ چوراہوں کے پڑے تڑپ رہے ہیں اور ان کے دور حکومت کے سیاہ کارنامے منظر عام پر آ رہے ہیں اور سابق اسلامی وزرا جگہ جگہ اپنی صفائی پیش کرتے پھرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی بدعنوانی ثابت ہو تو ان کو چورا ہے میں گولی مار دی جائے عام لوگوں کا یہ تاثر بالکل درست ہے کہ قومی اتحاد کو حکومت میں محض اس لئے شامل کیا گیا تھا کہ بھٹو کو سیاست کے میدان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے۔ یہ کام سرانجام دینے کے لئے نظام مصطفےٰ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا سہارا بھی لیا گیا تھا اور تعزیرات کے قانون میں اسلامی نظریات کے مطابق کچھ تبدیلیاں بھی کی گئی تھیں اور زکوٰۃ و عشر کا قانون بھی نافذ کیا گیا ہے اور بلا سود معیشت کے قیام کے لئے سرمایہ دارانہ سماج میں اسلامی ماہرین اقتصادیات کئی ماہ سے کوئی کام چلاؤ نسخہ ڈھونڈنے کے لئے کوشاں ہیں لیکن کوئی بات بنتی نظر نہیں آتی۔ اب تک اس رنگین غبارے سے بھی ہوا نکل چکی ہے اور لوگ اپنے آپ پر سرمایہ داری کی اندھی لوٹ کی گرفت کو روز بروز مضبوط ہوتا ہوا محسوس کر رہے

ہیں۔ اس سارے دور میں حکومت کی نمایاں کامیابی لاہور میں چند خوشنما بورڈوں کا نصب کرنا ہے جن پر لکھا ہے "نماز قائم کرو" حالانکہ ان اصولوں کا پرچار تو پچھلے تئیس سال سے ہر گلی اور ہر گاؤں کی مسجد میں نصب لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے بڑے اہتمام سے ہو رہا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ قومی اتحاد کی سب سے بڑی پارٹی مسلم لیگ جو اتفاق سے پاکستان کی ٹھیکیدار بھی ہے پھر سے تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے یا کر دی گئی ہے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی بھی دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ولی خاں کی طاقت میں خاصی کمی واقع ہو گئی ہے غوث بخش بزنجو اور ان کے ساتھیوں نے نیشنل پارٹی کے نام سے علیحدہ جماعت قائم کر لی ہے۔

شیعہ سنی تفرقات بھی فضاؤں میں منڈلا رہے ہیں اور اب چند جماعتیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ مغربی طرز کی جمہوریت اسلام کے خلاف ہے اور صدارتی نظام اور اسلام کے قریب تو ہے۔

پیپلزپارٹی

ان حالات میں بیگم و بے نظیر بھٹو اور پیپلزپارٹی کے دوسرے اسیر رہنماؤں کو رہا کیا گیا ہے لیکن سوچی سمجھی سکیم کے تحت شیخ رشید کو رہا نہیں کیا گیا باوجود کہ وہ دمہ کا مریض ہے اور جیل میں اس پر بیماری کے شدید حملے ہو رہے ہیں اس کی رٹ بھی مہینوں سے ہائی کورٹ میں پیش ہے لیکن اس کا فیصلہ ہونے ہی میں نہیں آتا۔ اس کے علاوہ چند دوسرے رہنماؤں کو بھی مقدمات میں الجھا دیا گیا ہے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے فورا بعد پیپلزپارٹی کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے ایک رہنما کوثر نیازی نے علیحدہ ہو کر پیپلز پروگریسو پارٹی کے نام سے الگ پارٹی بنا لی۔ یہ اقدام حکومت کے اشارے پر پیپلزپارٹی کو کمزور کرنے اور کارکنوں کو پست ہمت کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ لیکن یہ پارٹی عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی اور جس مقصد کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا تھا وہ بھی پورا نہ ہو سکا۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے وقت تمام صوبوں کے گورنر اور وزرائے اعلیٰ جو بڑے بڑے زمیندار گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے بوریا بستر سمیٹ کر اپنے دور حکومت میں حاصل کیے گئے پرمٹوں لائسنسوں کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو محفوظ کرنے میں مصروف ہو

www.bhutto.org

گئے۔

پیپلزپارٹی کے ممبران قومی و صوبائی اسمبلی جنہیں ڈپٹی کمشنروں اور سی آئی ڈی کی رپورٹوں کی بنا پر ٹکٹ دیا گیا تھا وہ مارشل لا لگتے ہی گوشہ عافیت میں چلے گئے اور کسی نہ کسی ڈھنگ سے مارشل لا حکومت کے معاون بنے رہے۔ ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو وہ پھر سے پر تول رہے ہیں اور مختلف اضلاع میں ازسرنو اپنی لیڈر شپ جمانے کی فکر میں ہیں اور بعض کارکنوں کو لالچ اور مالی امداد دے کر اپنا ہمنوا بنا رہے ہیں اور اپنی افادیت کا یقین دلا رہے ہیں۔

چند حضرات ایسے بھی ہیں کہ جب انہیں یقین ہو گیا کہ بھٹو کا خاتمہ حتمی ہے تو وہ پیپلزپارٹی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے اور اپنے روپے کے بل بوتے پر اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔

پیپلزپارٹی کی لیڈر شپ میں اس وقت دو واضح دھڑے موجود ہیں ایک بڑے زمینداروں سابق افسران اور جرنیلوں پر مشتمل ہے اور دوسرا متوسط طبقہ کے روشن خیال رہنماؤں پر۔ گو ان دھڑوں نے ابھی تک اپنی علیحدہ گروہ بندی نہیں کی لیکن آخر کار یہ گروہ بندی وجود میں آ جائے گی۔

پیپلزپارٹی میں ایک اور واضح اور شدید قسم کی تقسیم چھوٹے درجے کے قربانیاں دینے والے کارکنوں اور صوبائی اور مرکزی لیڈروں کے درمیان موجود ہے ان کے درمیان تقسیم کی ہر میٹنگ اور جلسے میں جھلک نظر آتی ہے اس کے علاوہ ہر ضلع میں مخصوص مفادات پر مبنی پارٹی کے متحارب گروہ موجود ہیں اور وہ گروہ بندی کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً میٹنگوں اور جلسوں میں کرتے رہتے ہیں۔

پیپلز پارٹی میں مختلف صوبوں کی لیڈر شپ میں بھی اپنے قومی مسائل کے حوالے سے اختلافات موجود ہیں۔ یہ اختلافات وقتی طور پر دبے ہوئے ہیں کیونکہ پنجاب کے کارکنوں نے بے انداز قربانیاں دی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ آگ اندر ہی اندر سلگ رہی ہے اور چھوٹی قومیتوں میں پنجاب کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی ہے۔

لیڈر شپ کو اس بات کا احساس ہے کہ اگر ان حالات میں پیپلز پارٹی کے انتخابات کرائے گئے تو اس کے نتائج خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ لٰہذا پارٹی انتخابات کا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔اور نامزدگیوں کے ذریعے ہی کام چلانے کے آثار نظر آتے ہیں۔ مصطفےٰ کھر کی جگہ میلا دی کھر کی نامزدگی سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

www.bhutto.org

نچلے درجے کے تمام کارکن اور عوام بیگم اور بے نظیر بھٹو کی شخصیتوں کے گرد والہانہ انداز سے جمع ہیں۔ بڑے بڑے جگادری رہنما بھی حصول اقتدار کی خاطر اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں کہ وہ موجودہ حالات میں جبکہ "بھٹو کی تصویر بے نظیر۔ بے نظیر" کے نعرے عوام میں مقبول ہیں ان کی لیڈر شپ کو تسلیم کریں۔

حکمرانوں کی کوشش یہ ہے کہ پہلے بلدیاتی انتخابات کروا کر بالواسطہ صدارتی انتخاب کے لئے راہ ہموار کی جائے اور آئین میں ایسی ترمیم کی جائے کہ فوجی سربراہ جب چاہے اقتدار اعلیٰ سنبھال لے۔

حکومت سے اپنے مرضی کے خلاف نکالے جانے کے بعد قومی اتحاد بھی ان خطرات کو بھانپ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی اتحاد کے رہنما برابر بلدیاتی انتخابات پہلے کرائے جانے کی مخالفت کر رہے ہیں اور افغانستان کے رجعت پسندوں کی حمایت کے لئے واویلا کر کے حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔

دوسری طرف حکومت پیپلز پارٹی کے معتدل رہنماؤں سے گفت وشنید کے راستے تلاش کر رہی ہے۔ امریکی سفیر بھی پیپلز پارٹی کے چند راہنماؤں سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ اخبارات کے ذریعے حکومت اور پیپلز پارٹی کے درمیان مفاہمت کی خبروں کو بھی ہوا دی جا رہی ہے۔

ان گنجلک حالات میں پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی دو میٹنگیں کر چکی ہے اور ملکی اور بین الاقوامی حالات پر کئی قرار دادیں بھی پاس کر چکی ہے۔ ان قرار دادوں کے الفاظ نہایت ہی خوبصورت اور زبردست ہیں اور سیاسی میدان میں للکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عام کارکنوں کے جذبہ حریت اور مدافعت کو مضبوط کرنے اور انہیں مزید جدوجہد کی لئے تیار کرنے کے لئے یہ قرار دادیں ضروری تھیں۔ لیکن باوجود ان تمام دل آویز قرار دادوں کے پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کوئی ایسا اعلان نہیں کر سکی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ موجودہ بیمار سیاسی و معاشی صورت حال کو درست کرنے کے لئے کونسی بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتی ہے اور موجودہ نظام کے اندر وہ کونسی طاقتیں ہیں جو اس کی جدوجہد کا نشانہ ہیں۔ آیا ان کا نشانہ محض ضیاء الحق کی شخصی حکومت ہی ہے یا جس نظام نے اس حکومت کو جنم دیا ہے اسے بدلنے کے لئے بھی ان کا کوئی پروگرام ہے۔ انہوں نے ان قرار دادوں میں ان وجوہات اور اسباب کی بھی نشاندہی نہیں کی جن کی وجہ سے پیپلز پارٹی جیسی ہر دلعزیز پارٹی پانچ سالہ دور حکومت کے

www.bhutto.org

باوجود رجعت پسند طاقتوں سے اتنی آسانی سے شکست کھا گئی۔ اور انکے بہادر اور پارٹی سے بھی زیادہ ہر دلعزیز رہنما کو تختہ دار تک پہنچا دیا۔

یہی وہ بنیادی سوالات تھے جن کا جواب پیپلز پارٹی کے جیالے اور دیانتدار کارکنوں اور عوام کو معلوم ہونا چاہیے تاکہ جب وہ پارٹی کی تنظیمی اور سیاسی جدوجہد کے میدان میں نکلیں تو وہ اچھی طرح اس بات سے آگاہ ہوں کہ ان کا نشانہ کون سی طاقتیں ہیں ان کی منزل کونسی ہے۔ ان کے دشمن کون ہیں اور دوست کون؟ انہیں کن طاقتوں کو غیر جانبدار کرنا ہے اور کن کے ساتھ اتحاد کرنا ہے۔ انہیں بین الاقوامی سطح پر بھی اپنے دوست دشمنوں میں تمیز کرنی ہو گی۔ کسی بھی سیاسی تحریک میں کارکنوں کے بھرپور اور والہانہ جذبات تحریک کا بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ لیکن آج کی گنجلک دینا میں محض والہانہ جذبات ہی کافی نہیں ہیں۔ سماجی زندگی کے گہرے ادراک کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی جذبات کی بلکہ اس سے زیادہ کیونکہ اگر سیاست کی صحیح سمت اور صحیح نصب العین متعین ہو گا تو تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔ اگر دوست دشمن کی صحیح پہچان ہو گی تو دشمن کو شکست دی جا سکے گی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اندھیروں میں ٹاک ٹوئیاں مارنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بلکہ ہر ظاہرہ کامیابی کے بعد مایوسی ان کا مقدر بن جائے گی۔

انہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا سماج طبقاتی سماج ہے اور دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف سامراج ہے اور دوسری طرف سوشلسٹ ممالک، محکوم قومیں اور عوام۔ ایک طرف جاگیردار ہیں اور دوسری طرف مزارع اور کھیت مزدور، ایک طرف سرمایہ دار ہیں اور دوسری طرف اجرتی مزدور۔۔۔۔ اور ان دو متحارب گروہوں، لوٹنے والوں کے درمیان مسلسل ایک کش مکش جا رہی ہے۔ اور ان متحارب طاقتوں کے درمیان بے شمار دوسری سماجی طاقتیں بھی ہیں جو کبھی لوٹنے والوں کا ساتھ دیتی ہیں تو کبھی لٹنے والوں کا۔ اور کبھی غیر جانبداری بھی اختیار کر لیتیں ہیں۔ انہی اصولوں کے پیش نظر پیپلز پارٹی کے ان گنت بے نام کارکنوں کو پچھلے دس سال کی تاریخ پر نظر ڈالنی چاہیے اور انہی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حال اور مستقبل کے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ اور اپنے پالیسیاں نعرے اور نصب العین مرتب کرنے چاہیں اور اپنی جدوجہد کا نشانہ متعین کرنا چاہیے۔ جو طاقتیں اور پارٹیاں اور گروہ سماجی اکھاڑے میں تگ و دو کر رہی ہیں۔ ان میں سے دشمنوں کو علیحدہ کرنا چاہیے اور دوستوں کو علیحدہ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا (جس کا کہ امکان ہے) اور محض اندھا دھند جذباتیت کا سہارا لیا گیا تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ

ایک نئے المیے سے دوچار ہوں گے۔

ہم اس مضمون کے شروع میں اس بات کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ وہ کونسی سماجی طاقتیں اور حالات تھے جو پیپلز پارٹی اور اس کے عظیم رہنما کو اس قدر دردناک المیہ سے دوچار کرنے کا سبب بنے۔ اب ہم ان طاقتوں کے متعلق تھوڑی سی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ جب تک یہ طاقتیں قائم ہیں اور تحس نحس نہیں ہو جاتیں نہ تو کسی قسم کی جمہوریت قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی سوشلزم کا راستہ ہموار ہو سکتا ہی۔ ان کی موجودگی میں پاکستان کی سماجی زندگی کو ان گو ناگوں بیماریوں سے نجات نہیں مل سکتی جن میں وہ جکڑی ہوئی ہے۔

عوام کا سب سے بڑا دشمن وہ نظام ہے جس کی بنیاد پاکستان کی صنعتی ترقی کے نام پر سامراجی حکومتوں اور ان کی ایجنسیوں سے مشروط قرضوں پر رکھی گئی ہے۔ ان قرضوں کی بدولت پاکستان آج تقریباً ۹۰ ارب روپے کا مقروض ہے اور اسے ہر سال ساڑھے تین ارب روپے سود کی قسط ادا کرنی پڑتی ہے۔ جب تک ان قرضوں کی اقساط واجب الادانہ ہوئی تھیں۔ پاکستان ترقی کی منزلیں پھلانگتا نظر آتا تھا۔ لیکن درحقیقت مشروط قرضوں کی وجہ سے ترقی کا ایسا راستہ اختیار کیا گیا تھا جس پر چل کر پاکستان کی معیشت کا مکمل انحصار سامراجی طاقتوں کے قرضوں پر ہو گیا اور خود کفالت کی منزل اور بھی دور ہو گئی۔

یہ قرضے بھی ملک میں بھاری اور بنیادی صنعتیں قائم کرنے کے لئے نہیں دیئے گئے بلکہ ایسی صنعتوں اور مشینری کے لئے دیئے گئے جن کے فاضل پرزے حاصل کرنے کا تمامتر انحصار بیرونی ملکوں پر ہے دوسرے ان سے پاکستان میں مشینری' ٹریکٹر' ٹرک وغیرہ بنانے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ تیسرے سڑکیں بنانے' ٹریکٹر خریدنے' زیادہ اناج اگانے' مصنوعی ریشم کا کپڑا تیار کرنے کے کارخانے لگانے اور اس قسم کے شعبوں کو ترقی دینے پر ساری توجہ مرکوز کرائی جاتی رہی ہے۔ ظاہری طور پر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ لیکن دراصل ہم اپنی تمام قوتیں ایک طفیلی معیشت کی نشوونما پر صرف کیے چلے جا رہے ہیں اور ہم خود اپنے بل بوتے پر مزید کارخانے لگانے کے قابل نہیں ہوتے اور نہ ہی ٹرانسپورٹ کے لئے ٹرک اور زرعی مشینری وغیرہ تیار کر سکتے ہیں۔ بتیس سال کی شاہ خرچیوں کے باوجود آج بھی ہم اس میدان میں صفر کے برابر ہیں۔ صرف سوشلسٹ ملکوں۔ سوویت یونین اور چین نے ہی ہمیں فولاد اور مشینیں بنانے کے کارخانے لگانے میں مدد دی ہے جو ابھی تک ہمارے ارباب اقتدار کی کوتاہ نظریوں اور رجعت پسندی کی وجہ سے بہت

www.bhutto.org

محدود ہے کیونکہ وہ اس طرف رجوع کرنے کے لئے تیار ہی نہیں۔

دوسرے امریکی قرضوں سے جو مال منگوایا جاتا ہے وہ لازماً امریکی جہازوں کے ذریعے لانا پڑتا ہے جن کے بار برداری کے کرائے دوسرے ملکوں سے ۵۰ فیصد زیادہ ہیں۔

تیسرے ان قرضوں کے استعمال کے لئے قرضہ دینے والے ممالک کے ماہرین ان کے استعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ انہیں اس نگرانی کے لئے ان قرضوں سے بہت بڑی تنخواہیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح وہ قرضوں کا خاصا حصہ خود کھا جاتے ہیں۔

چوتھے وہ ان قرضوں کے استعمال کی نگرانی کے بہانے ہمارے تمام ریاستی رازوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے ہمیں اکثر بلیک میل کرتے ہیں۔

اس طفیلی معیشت کی وجہ سے ہمیں فوجی معاہدوں میں بھی جکڑ لیا گیا ہے اور ہماری سیاست کو سامراجی مفادات کی زنجیریں پہنا دی گئی ہیں۔ اس طفیلی معیشت کے بل بوتے پر سامراجی طاقتیں ہمیشہ پاکستان کی حکومتوں کو بناتی اور بگاڑتی رہی ہیں۔ اس معیشت کی وجہ سے آج بھی انہیں ہمارے اندرونی اور بیرونی مسائل میں مداخلت کا موقعہ فراہم ہوتا ہے۔ جس کسی نے بھی ذرا آزاد روی اختیار کی اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ بھٹو حکومت بھی ایسی ہی سازشوں کا شکار ہوئی ہے۔

اس طفیلی معیشت نے ایسے کلچر کی نشو ونما کی ہے جو تمام انسانی قدروں کے لئے مہلک ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم فوری طور پر ان سامراجی مشروط قرضوں کے خاتمے کا اعلان کریں اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اور سوشلسٹ ممالک سے غیر مشروط امداد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

پاکستان کی معاشی اور سیاسی ترقی کے راستہ میں دوسری بڑی رکاوٹ وہ قبائلی اور جاگیری نظام ہے جو اب بھی پاکستان میں قائم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے پچیس برس میں سرمایہ دارانہ طفیلی معیشت کی ترقی کی وجہ سے جاگیری نظام کے اندر بہت تبدیلیاں آئی ہیں اور پرانی سماج کے بطن کے اندر ایک نئی سرمایہ دارانہ سماج جنم لے کر نشو و نما پا رہی ہے۔ لیکن جاگیری اور قبائلی رشتے ابھی تک قائم ہیں جنہیں زرعی اصلاحات توڑنے میں ناکام رہی ہیں۔

زرعی معیشت میں جاگیری ملکیتی رشتوں کو توڑنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ دیہات سے بندھے ہوئے کسانوں اور کھیت مزدوروں کو اس معیشت کی دقیانوسی پسماندگی کی باقیات

www.bhutto.org

کی زنجیروں سے آزاد کرایا جائے تاکہ وہ مکمل طور پر آزاد ہو کر اجرتی محنت کشوں کا کردار ادا کر سکیں۔ اس راستہ پر کافی پیش رفت ہوئی ہے لیکن اس کی رفتار نہایت ہی تکلیف دہ حد تک سست ہے۔ لیکن چونکہ موجودہ معاشی چوکھٹے کے اندر مزید صنعتی ترقی کے راستے مسدود ہو رہے ہیں۔ اور پہلے سے لگی ہوئی صنعتیں بھی انحطاط پذیر ہیں اور ایک بحران سے دوچار ہیں۔ اس لئے وقتاً فوقتاً محض زرعی اصلاحات کے ذریعے نہیں بلکہ فیوڈل ملکیتی رشتوں کو بدلنے کے لئے انقلاب کی ضرورت ہے۔ پرانے ملکیتی رشتے ختم کر کے زمین کسانوں میں تقسیم کرنی ہوگی اور حکومت کی ملکیتی اراضی بھی بجائے سول، فوجی افسران اور ریٹائرڈ ججوں کو انعام کے طور پر دینے کے کاشتکاروں کو دینی ہو گی تاکہ ملکی منڈی وسیع ہو سکے اور صنعتی ترقی کے لئے راستہ ہموار ہو سکے۔ ان اقدامات سے نہ صرف معاشی ترقی کے راستے کھلیں گے بلکہ عوامی جمہوریت کے قیام کے لئے بھی حالات سازگار ہوں گے۔ ہر سیاسی کارکن کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان عوام دشمن طاقتوں کے خاتمے کے بغیر ملک میں جمہوریت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور کسی نہ کسی شکل میں آمریت کا دور دورہ ہی رہے گا۔

تیسرے وسیع پیمانے پر بنیادی اور بھاری صنعتیں پبلک سیکٹر میں قائم کرنی ہوں گی اور ایسی تمام صنعتوں کا کنٹرول افسر شاہی کی بجائے محنت کشوں کے سپرد کرنا ہوگا۔

چونکہ آج پرانے پیداواری رشتوں کے اندر رہ کر مزید ترقی نہیں ہو سکتی اس لئے سماجی زندگی میں ایک ابال آ رہا ہے اور ہرسو بے چینی پھیل رہی ہے۔ سماجی زندگی حرکت چاہتی ہے اور راستہ کی ہر رکاوٹ کو دور کرنا چاہتی ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان کا سرمایہ دار طبقہ خود ایک طفیلی طبقہ ہے اور وہ سامراجی قرضوں کے ٹیکسوں سے پیدا ہوا ہے اور اس کی اپنی جڑیں اس دھرتی میں اتنی گہری نہیں ہیں اس لئے وہ ان حالات میں کسی انقلابی تحریک کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس انقلابی تحریک کی رہنمائی محنت کشوں کی انقلابی پارٹی یا ایسی پارٹیوں کا کوئی محاذ ہی کر سکتا ہے۔ اور چونکہ اس وقت پاکستان میں کوئی انقلابی پارٹی اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ وہ اکیلے یہ کام سرانجام دے سکے اس لئے پیپلز پارٹی کے ترقی پسند کارکنوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کے مختلف گروہوں اور پارٹیوں کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور فوری طور پر ملک کے اندر شہری آزادیوں کے بحالی، سیاسی قیدیوں کی رہائی، فوجی عدالتوں کے خاتمہ اور قومی انتخابات کے انعقاد اور ٹریڈ یونین حقوق کی واپسی کے لئے وسیع تر بنیادوں پر متحدہ محاذ قائم کرنے کی طرف قدم اٹھائیں۔ چونکہ پیپلز پارٹی سب سے بڑی اور سب سے بااثر پارٹی ہے۔ اس لئے

www.bhutto.org

اس سلسلہ میں پہل قدمی کرنا اس کا سیاسی فریضہ ہے۔

چنانچہ سامراجی شکنجوں سے مکمل آزادی، جاگیری ملکیتی رشتوں کا مکمل خاتمہ، پبلک سیکٹر میں بنیادی اور بھاری صنعتوں کا قیام اور محنت کشوں کا کنٹرول اور عوامی جمہوریت کا قیام اور بائیں بازو کے ساتھ اتحاد کے نعرے پیپلز پارٹی کے ترقی پسند کارکنوں کے جھنڈوں پر رقم ہونے چاہیں۔ پیپلز پارٹی کے اندر بڑے جاگیردار اور رجعت پسند حصول اقتدار کی خاطر ان نعروں کو اپنانے کے لئے یقیناً تیار نہیں ہوں گے۔ اور اگر اپنائیں گے تو وہ اندرون خانہ انہیں سبوتاژ کر دیں گے۔ ان کے حواری ابھی سے چپکے چپکے اور کھلے طور پر بھٹو کے قاتلوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی پیشکش کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اگر چند شخصیتیں ادھر ادھر کر دی جائیں تو ایسا سمجھوتہ آسانی سے طے ہو جائے گا اور وہ کارکنوں اور عوام کو اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کی بشارت دے کر مطمئن کر سکیں گے۔

آج کے حالات میں پیپلز پارٹی کی ترقی پسندی کو پرکھنے کا سب سے بڑا پیمانہ بائیں بازو کے ساتھ اتحاد کے متعلق رویہ ہے۔ بڑے زمیندار اور رجعت پسند تو بیشمار دلائل کے ساتھ اس اتحاد کی مخالفت کرتے ہی ہیں لیکن درمیانہ طبقہ کے بہت سے ٹٹ پونجیے رہنما بھی اس کی مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ پیپلز پارٹی ایک ہمہ گیر اور ہر دلعزیز پارٹی ہے۔ وہ اس قدر مضبوط اور فعال جماعت ہے کہ اسے کسی اتحادی کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے بائیں بازو کے مختلف گروہ بہت کمزور ہیں اور اگر ان سے اتحاد کر بھی لیں تو ان کی طاقت میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو گا۔ اس لئے اس خاردار وادی میں قدم نہیں رکھنا چاہیے۔

بظاہر ان کا یہ استدلال بہت وزنی معلوم دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اس قدر مضبوط نہیں جتنا سمجھا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر انتخابات ہوں تو وہ سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر لے گی لیکن پاکستان کی موجودہ صورت حال میں محض ووٹ حاصل کر لینا کافی نہیں ہے۔ اول تو انتخابات ہوتے نظر نہیں آتے اور اگر ہو بھی جائیں تو انتقال اقتدار تو مثبت نتائج کے بغیر ہو گا ہی نہیں اور مثبت نتائج کا مطلب یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی مخالف جماعتوں کی کامیابی ہو یا پیپلز پارٹی کے رہنما ان طاقتوں سے سمجھوتہ کریں جنہوں نے ان کے قائد کو سیاسی میدان سے خارج کیا ہے۔

پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ اگر وہ اس قدر مضبوط تھے تو ان کی حکومت اور پارٹی قومی اتحاد کی تحریک کا کیوں مقابلہ نہ کر سکی۔ اور کیونکہ فوجی

جرنیلوں اور قومی اتحاد نے نہ صرف ان کی حکومت کو ختم کردیا بلکہ ان کے رہنما کو تختہ دار پر چڑھا دیا۔ اور پیپلز پارٹی باوجود اپنی ہمہ گیر ہر دلعزیزی اور قربانیوں کے کوئی مثبت نتائج حاصل نہ کر سکی۔

پیپلز پارٹی کے اکثر رہنما یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دور میں آخر بائیں بازو نے کیا کیا ہے؟ وہ تو محض نعرے ہی لگاتے رہے اور انہوں نے عملی جدوجہد میں پیپلز پارٹی کا ساتھ نہیں دیا۔ اس سوال کا جواب انہیں اپنے دل کے اندر ٹٹولنا چاہئے۔ بایاں بازو پیپلز پارٹی کی ضیاء الحق کے خلاف جدوجہد میں حصہ کیوں لیتا؟ جبکہ پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور حکومت میں ہر قسم کا عتاب ان پر نازل ہوتا رہا۔ اور ساری نعمتیں دائیں بازو اور مودودی جماعت پر نچھاور ہوتی رہیں اور بائیں بازو کے ساتھ تصادم کی پالیسی اختیار کئے رکھی۔ لیکن اس کے باوجود آمریت کے خلاف پیپلز پارٹی کے جدوجہد کرتے ہوئے کارکنوں کی حمایت بائیں بازو نے ہی کی اور بائیں بازو کے رہنماؤں نے اس بات کا ثبوت مہیا کر دیا کہ انہوں نے پیپلز پارٹی اور بائیں بازو میں باہمی کش مکش سے پیدا شدہ حالات سے بالاتر ہوکر سوچا اور جونہی حالات بدلے انہوں نے پیپلز پارٹی کے ساتھ اپنے تضاد کو ختم کرکے اتحاد کی طرف قدم اٹھایا اور حتی المقدور جدوجہد میں حصہ لیا۔ لیکن نہ تو وہ پیپلز پارٹی کی جدوجہد میں رہنمائی کرسکتے تھے اور نہ ہی وہ عوام کو وسیع پیمانے پر سڑکوں پر لاسکتے تھے۔ پیپلز پارٹی خود اس قدر ہر دلعزیز ہونے اور روپیہ پانی کی طرح بہانے کے باوجود عوام کو پوری طرح حرکت میں نہ لا سکی۔ اپنی اس ناکامی کو بائیں بازو کے سرتھوپ کر پیپلز پارٹی کے رہنما اپنی کمزوری کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس ابتلا کے دور میں بھی بائیں بازو کو حقیر سمجھ کر پیپلز پارٹی کی طرف سے ان کی طرف دست تعاون نہیں بڑھایا گیا۔ حالانکہ پیپلز پارٹی کی یہ اپنی ضرورت تھی کہ وہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے چھوٹی سے چھوٹی طاقتوں کا تعاون بھی حاصل کرتی لیکن نتائج سے بے خبر رہنماؤں نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔ انہیں بار بار اس طرف قدم اٹھانے کے لئے کہا گیا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اور اگر ہوئے تو ان کی آزاد حیثیت ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے اور یہ کہا کہ اپنی حیثیت ختم کرکے پیپلز پارٹی میں ضم ہوجاؤ۔ جسے بایاں بازو کسی صورت میں قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ اتحاد کے لئے جو بھی کوششیں کی گئیں پیپلز پارٹی کے اندر کچھ لوگوں نے ہمیشہ انہیں سبوتاژ کیا۔ حتیٰ کہ عوامی جمہوری اتحاد کے خطوط جو اس سلسلہ میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو لکھے گئے بیگم

www.bhutto.org

بھٹو تک جان بوجھ کر نہ پہنچائے گئے۔

اس کے علاوہ اس دو سال کے عرصہ میں پیپلز پارٹی نے سوائے انتقامی نعروں کے اور کوئی پروگرام عوام کے سامنے پیش نہ کیا۔ بائیں بازو کے گروہ اور پارٹیاں خواہ کتنی بھی چھوٹی کیوں نہ ہوں وہ اپنے معاشی اور سیاسی پروگرام کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرتی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں پاکستان میں آج کے حالات میں کوئی مسئلہ بھی مثبت پروگرام کے بغیر حل نہیں ہوسکتا۔ اور پروگرام کے بغیر عوام کو حرکت میں نہیں لایا جاسکتا۔

پیپلز پارٹی آج بھی اسی ڈگر پر چل رہی ہے۔ بجائے مثبت پروگرام پیش کرنے کے وہ محض انتقامی نعرہ بازی کو ہی مقبول بنارہی ہے۔

پیپلز پارٹی کے اندر درمیانہ طبقہ اور نچلے طبقوں کے دیانتدار، مخلص اور ترقی پسند رہنما اور کارکن بائیں بازو کے ساتھ پروگرام کی بنیادوں پر اتحاد کی تاریخی اہمیت کو پہچان رہے ہیں اور اتحاد کے متعلق کوشاں ہیں۔ پنجاب پیپلز پارٹی نے اتحاد کے لئے قرارداد پاس کر کے مثبت قدم اٹھایا ہے لیکن قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے اندر رجعت پسند اس اتحاد کی کئی حیلے بہانوں سے مخالفت کر رہے ہیں اور کارکنوں کی خواہش کے پیش نظر وہ زبانی کلامی ہاں تو کرتے ہیں لیکن اتحاد کے لئے کوئی عملی قدم اٹھانے کیلئے تیار نہیں اور اس فیصلہ کو برابر التواء میں ڈال رہے ہیں

ان کی یہ ساری حکمت عملی اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ انتخابات ہوں گے اور پرامن طریقے سے انتقال اقتدار ہوجائے گا۔ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہے کہ پاکستان ایک بڑے طوفان کی زد میں آنیوالا ہے اور اس تمام علاقے میں پرانا نظام تہ وبالا ہونے والا ہے۔ ارباب اقتدار شعوری یا غیر شعوری طور پر خود ایسے اقدامات کا بندوبست کر رہے ہیں جس سے یہ طوفان قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے ترقی پسند اور روشن خیال کارکنوں اور رہنماؤں کو تمام صورت حال ان حالات کی روشنی میں دیکھنی چاہیئے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ یقیناً سماجی تبدیلی میں مثبت رول ادا کریں گے۔ ورنہ تمامتر نعرہ بازی کے وہ اپنے آپ کو پھر رجعت پسندوں کی حفاظت پر مامور پائیں گے۔

بائیں بازو کے مختلف گروہوں اور پارٹیوں کا بھی یہ تاریخی فریضہ ہے کہ وہ ان حالات کو سمجھتے ہوئے اپنی صفوں کو متحد کریں اور پروگرام کی بنیادوں پر پیپلز پارٹی کے ساتھ بھی دائیں بازو کی دوسری رجعت پسند طاقتوں کے خلاف اتحاد کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

زیرِ زمین مزاحمتی تحریریں، جنہیں مارشل لاء
دور میں چھپ چھپ کر پڑھا جاتا تھا؟